حکمائے اسلام

www.KitaboSunnat.com

1

مُرتّبہ

مولانا عبدالسّلام ندوی

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
اسلام آباد
لاہور - راولپنڈی - ملتان - کراچی - سکھر - پشاور - کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

13031

حکمائے اسلام

(حصہ اوّل)

مضمون	صفحہ
دیباچہ	۱ – ۲
مقدمہ ۳ – ۱۶	
یونانی فلسفہ کے تاریخی ماخذ	۳
فلسفۂ ارسطو کی اشاعت	۱۷
حکمائے قدیم کے فلسفیانہ مذاہب	۲۹
فلسفۂ اشراق	۳۴
مسلمانوں میں یونانی علوم وفنون کی اشاعت کی تاریخ	۴۵
ان علوم کی اشاعت کے تین بڑے مرکز	
اسکندریہ	۴۵

مضمون	صفحہ
جندیسا پور	۴۸
حران	۴۹
حکمائے اسلام ۴۸ – ۴۷۴	
ابو یعقوب کندی ۸۰ – ۹۰	
ولادت	۸۰
مذہب	۸۱
تعلیم وتربیت	۸۲
مخالفت	۸۳
اخلاق وعادات	۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
تلامذہ	۸۶
فلسفہ	۸۷
۲- حکیم یحییٰ بن ابی منصور ۹۱—۹۵	
۳- عباس بن سعید جوہری ۹۶	۹۶
۴- ابوالطیب سند بن علی ۹۷—۹۹	
۵-۶-۷، بنو موسیٰ بن شاکر **محمد، احمد، حسن** ۱۰۰—۱۰۴	
۸- محمد بن موسیٰ خوارزمی ۱۰۷	۱۰۵
۹- ابونصر فارابی ۱۰۶—۱۵۴	
نام و نسب	۱۰۶
تعلیم و تربیت	"
اساتذہ	۱۰۹
سفر	۱۱۰
سیف الدولہ کے دربار سے تعلق	۱۱۱
وفات	۱۱۳
اخلاق و عادات	۱۱۴
درس و تدریس	۱۱۶
تصنیفات	۱۱۷
فارابی کا فلسفہ	۱۲۴
حدوثِ عالم	۱۲۵
نبوت	۱۲۸
معجزات	۱۲۹
وحی و مشاہدۂ ملائکہ	۱۲۹
ملائکہ	۱۳۰
معاد	۱۳۱
عبادات	"
سیاست مدن	۱۳۲
۱۰- محمد بن زکریا رازی ۱۵۵—۲۰۷	

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
نام ونسب	۱۵۵
ولادت	"
تعلیم وتربیت	"
ملازمت	۱۵۹
سفر	۱۶۶
نابینائی	۱۶۷
وفات	۱۷۰
اخلاق وعادات اور عام حالات	۱۷۳
مذہب	۱۷۴
معاصرین	۱۷۶
علوم وفنون	۱۷۸
کیمیا	"
فلسفہ وطبیعیات	۱۸۰
طب	۱۹۱
تصنیفات	۱۹۶
۱۱۔ حکیم ابو محمد العدلی القاینی	۲۰۸
۲۰۸	

مضمون	صفحہ
۱۲۔ ابو سہل ویجن بن رستم کوہی	۲۰۹
۲۰۹ — ۲۱۱	
۱۳۔ حکیم ابو الوفا بوزجانی	۲۱۲
۲۱۲ — ۲۱۳	
۱۴۔ ابو القاسم بن علی بن الحسن العلوی	۲۱۴
المعروف بابن الاعلم	
۲۱۴	
۱۵۔ ابن مسکویہ	
۲۱۵ — ۲۶۱	۲۱۵
نام ونسب	"
سالِ ولادت	"
تعلیم وتربیت	۲۱۶
امراء وسلاطین کے درباروں سے تعلق	"
معاصرین	۲۱۹
وفات	۲۲۰
اخلاق وعادات	"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
تصنیفات	۲۲۲
فوز الاصغر	۲۲۷
اثباتِ نفس	۲۳۰
معاد	۲۳۲
نبوت	۲۳۳
فلسفۂ اخلاق	۲۳۷
تجارب الامم	۲۵۶
۱۶۔ ابن ہیثم	
۲۷۱-۲۶۲	
تصنیفات	۲۶۷
۱۷۔ اخوان الصفاء	
۲۷۲-۲۹۰	
۱۸۔ شیخ بوعلی بن سینا	
۳۲۶-۲۹۱	
نام و نسب	۲۹۱
ولادت	۲۹۲
تعلیم و تربیت	"

مضمون	صفحہ
وفات	۳۰۲
مذہب اور اخلاق و عادات	۳۰۳
تصنیف و تالیف	۳۰۷
شیخ کے تلامذہ	۳۲۰
بہمن یار بن مرزبان	۳۲۱
ابو منصور الحسین بن طاہر بن زیلہ اصفہانی	"
ابو عبید عبد الواحد جوزجانی	۳۲۲
ابو عبداللہ معصومی	۳۲۳
ایلاقی	۳۲۴
ابن ابی صادق	"
شیخ کا فلسفہ	۳۲۶
۱۹۔ ابوریحان بیرونی	
۳۶۷-۳۲۷	
وطن	۳۴۱
ولادت اور وفات	۳۴۲
خاندان اور تعلیم و تربیت	۳۴۴
درباری تعلقات	"
اخلاق و عادات	۳۵۱

ک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون	صفحہ
بیرونی کی تصنیفات اور اس کا علمی پایہ	۳۵۱
۲۰۔ ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام سجستانی منطقی ۳۶۸ - ۳۷۰	
۲۱۔ ہرکیا ابوالحسن کوشیار بن لبان ابن باشہری جیلی ۳۷۱ - ۳۷۳	
۲۲۔ امام غزالی ۳۷۴ - ۴۳۷	
فلسفہ	۳۹۳
فلسفۂ اخلاق	۴۲۰
خلق کی حقیقت	۴۲۹
کیا ریاضت و مجاہدہ سے اخلاق میں تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے	۴۳۳
خوش اخلاقی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے،	۴۳۵
۲۳۔ ابوالبرکات بغدادی ۴۳۸ - ۴۶۱	
نام و نسب	۴۳۸
ولادت	″
تعلیم	۴۳۹
درباری تعلقات	۴۴۰
مطب اور حلقۂ درس و تدریس	۴۴۱
قبولِ اسلام	۴۴۲
وفات	۴۴۴
اخلاق و عادات	″
تصنیفات	۴۴۹
۲۴۔ حکیم ابوالقاسم الحسین بن المفضل الراغب الاصفہانی ۴۶۲ - ۴۶۴	
تصنیفات	۴۶۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

حکمائے اسلام ۔ حصہ اوّل

عام خیال ہے کہ مسلمانوں میں جو حکماء و فلاسفہ پیدا ہوئے ان میں کچھ تو ملحد و بے دین اور اکثر ضعیف العقیدہ تھے یا کم ازکم ان کی مذہبی حالت بہتر نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں بھی ان کے سوانح و حالات کی طرف بہت کم مورخین نے توجہ دی، اور عوام تو ان کے حالات سے بالکل نا آشنا رہے ۔ قدیم زمانے میں بعض آزاد خیال لوگوں نے بے شبہہ اُن کے حالات میں چند کتابیں لکھیں لیکن اولاً تو یہ کتابیں خاص طور پر ان کے زمانے کے حکماء کے حالات تک محدود ہیں اور یہ زمانہ چھٹی یا ساتویں صدی سے آگے نہیں بڑھتا، اس لیے اس زمانے کے بعد جو حکماء پیدا ہوئے ان کے حالات ان کتابوں میں نہیں ملتے، دوسرے یہ کہ ان کتابوں میں حکمائے اسلام کے ساتھ زیادہ تر حکمائے یونان، عیسائی فلاسفہ اور اطباء کے تام مذکور ہیں، خالص حکمائے اسلام کے حالات میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، اس لیئے اس بات کی ضرورت تھی کہ ان کتابوں میں جن حکمائے اسلام کے حالات مذکور ہیں ان کے علاوہ آج تک جو حکماء پیدا ہوئے ان کے حالات اور کتابوں سے لے کر جمع کیئے جائیں اور حکمائے یونان عیسائی فلاسفہ اور اطباء کو چھوڑ کر خاص طور پر صرف ان حکماء کے حالات لکھے جائیں جنہوں نے فلسفہ کی تمام شاخوں یعنی طبیعیات، الہیات، ریاضیات اور منطق وغیرہ میں کمال پیدا کیا ہے، اور ان کے متعلق بہت سی خدمتیں انجام دی ہیں، اردو میں بعض کتابیں خاص خاص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلسفیوں، مثلاً خیام اور ابن رشد کے حالات میں اور چند مضامین فارابی اور شیخ بو علی سینا وغیرہ کے حالات میں لکھے گئے ہیں، لیکن کوئی جامع کتاب اب تک ایسی نہیں لکھی گئی جس میں تمام مشاہیر حکماء کے حالات بالاستقصاء مذکور ہوں۔ اور اس کے ساتھ اس غلط فہمی کو دور کیا جائے کہ یہ تمام حکماء ملحد، بے دین اور ضعیف العقیدہ تھے، اور ان کی مذہبی حالت اچھی نہ تھی، بلکہ یہ دکھایا جائے کہ ان حکماء نے اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں، فلسفہ کو مذہب اسلام سے قریب تر کر دیا ہے، فلسفہ و شریعت میں تطبیق دی ہے، نبوت کا اثبات کیا ہے، اور روح اور روحانیات کو فلسفیانہ دلائل سے ثابت کیا ہے، یورپ نے بے شبہ خاص خاص حکمائے اسلام کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں، لیکن ان میں صرف ان کی علمی خدمات و تحقیقات کو پیش نظر رکھا ہے۔ مذہب، اخلاق اور سیاسیات وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کو نظر انداز کر دیا ہے یا ان کی طرف سرسری اشارے کر دیئے ہیں، اس لیئے یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ اس میں حکمائے اسلام کی ہر قسم کی مذہبی، اخلاقی اور فلسفیانہ خدمات کو نمایاں کیا جائے اور یہ اس کتاب کا پہلا حصہ ہے جس میں پانچویں صدی تک کے حکماء کے حالات مذکور ہیں، اس کے بعد اس کی دوسری جلد شائع ہوگی، جس میں اخیر دور کے فلسفیوں کے حالات ہوں گے۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی اسی دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی، جس دلچسپی کے ساتھ دوسرے مشاہیر اسلام کے حالات پڑھے گئے ہیں۔

عبد السلام ندوی دار المصنفین اعظم گڑھ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

یونانی فلسفہ کے تاریخی مآخذ

(۱)

قدیم زمانہ میں علوم وفنون کی تاریخ لکھنے کا یہ طریقہ نہ تھا کہ ہر علم کی ابتدا نشوونما، ترقی اور تنزل کے مختلف دور قائم کیے جائیں، اور ان کے تغیرات واثرات اور خصوصیات الگ الگ دکھلائے جائیں، بلکہ عام طریقہ یہ تھا کہ ہر فن کے علماء ومصنفین کے حالات لکھے جاتے تھے، اور انہی حالات کے ضمن میں ان کے مسائل واجتہادات بھی ضمنی طور پر آجاتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اس فن کی تاریخ لکھنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ نہایت دیدہ ریزی اور وسعت نظر کے ساتھ ان علماء ومصنفین کے حالات سے ان ضمنی مسائل واجتہادات کو چن کر اس فن کی تاریخ مرتب کرے۔ اس غرض سے مسلمانوں نے فن تذکرہ واسماء الرجال کو ایجاد کیا اور اس میں اس قدر وسعت پیدا کی کہ دنیا کی کوئی قوم اس فن میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ محدثین، فقہاء، متکلمین، مفسرین، شعراء وادباء، غرض اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے، جن کے حالات میں بکثرت کتابیں نہ لکھی گئی ہوں۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تصنیفات کا محرک زیادہ تر لٹریچر، مذہب اور قومیت کا جذبہ تھا، اس لیے جو علوم لٹریچر، مذہب اور قومیت سے کوئی تعلق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیں رکھتے تھے، اُن کے خدمت گزاروں کے حالات کی طرف بہت کم توجہ کی گئی، اور حکمار و فلاسفہ کے حالات میں بہت کم کتابیں لکھی گئیں، کیونکہ اولاً تو فلسفہ و حکمت کو لٹریچر، مذہب اور قومیت سے کوئی تعلق نہ تھا، دوسرے یونانیوں کے علاوہ حکمار و فلاسفہ کے گروہ میں زیادہ تر عیسائی، یہودی اور صابی مذہب کے لوگ شامل تھے، اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو قومی اور مذہبی حیثیت سے ان کے حالات و اجتہادات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے اسلامی تاریخ میں دوسرے فنون کے اصحاب کمال کے مقابلہ میں حکمار و فلاسفہ کے حالات میں کم کتابیں لکھی گئیں، تاہم مسلمانوں کے ہمہ گیر علمی ذوق سے یہ طبقہ بھی محروم نہیں رہا۔ البتہ جو کتابیں لکھی گئیں ان کو فلسفہ کی تاریخ اور فلسفہ کے مسائل سے بہت کم تعلق تھا، غالباً سب سے پہلے حکمار و فلاسفہ کے حالات میں ابو داؤد سلیمان بن حسان بن جلجل نے جو چوتھی صدی میں اندلس کا ایک مشہور طبیب تھا، ایک مختصر سی کتاب لکھی جس کی نسبت قفطی نے لکھا ہے کہ:

"اس کو قدمار کے علوم و اخبار سے واقفیت تھی اور اس نے حکمار کی تاریخ میں ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، جو نہایت ناکافی اور ناتمام ہے، لیکن باایں ہمہ جو کچھ لکھا ہے، اچھا لکھا ہے[1]"

اس کے بعد پانچویں اور چھٹی صدی میں اس کو اور زیادہ ترقی ہوئی، اور قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد بن صاعد الاندلسی المتوفی ۴۶۲ھ اور امیر عبد الکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ نے حکمار کے حالات میں مستقل کتابیں لکھیں، صاحب کشف الظنون نے قاضی صاعد کی کتاب کا نام ایک موقع پر صنوان الحکمۃ اور دوسرے موقع پر صنوان الحکم بتایا ہے[2] پھر دوسرے موقع پر صنوان الحکمۃ کے متعلق لکھا ہے کہ

"یہ ابو جعفر بن بویہ شاہ سجستان کی تصنیف ہے، جس کا ذکر شہرزوری نے تاریخ

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۳۰ [2] کشف الظنون جلد ۲ ص ۸۱، ۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحکما ر میں کیا ہے [1] شہر زوری نے ابوجعفر بن بویہ ملک سجستان کا نہایت مفصل تذکرہ لکھا ہے، لیکن اس کی اس کتاب کا نام اس نے کہیں نہیں لیا ہے۔ تاہم اس نے اس کے جو حالات لکھے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمائے یونان کے حالات و نظریات کا نہایت شیدائی تھا، اور ان ہی کی روش کے مطابق حکومت کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس کو یونانیوں کا کلام، ان کے نوادر اور ان کے حالات اس قدر یاد تھے، جو اور کسی کو یاد نہ تھے، وہ کہا کرتا تھا کہ یہ وہ سونے کے ڈلے ہیں جو اب تک ڈھالے نہیں گئے ہیں۔ اس کو یونانیوں کے لطائف بہت پسند تھے، اور کہا کرتا تھا کہ جس قوم کی ظرافت اور خوش طبعی کا یہ حال ہے اس کے سنجیدہ کلام کا کیا حال ہوگا؟ اس کو وہ تمام فقرے یاد تھے جو ارسطو نے سیاست کے متعلق اسکندر کو لکھے تھے یا زبانی کہے تھے اور کہتا تھا کہ اب یہ زمانہ گزر گیا اور لوگ عقل مذہب اور اخلاق سے بالکل تہی دامن ہو گئے۔ اور اس کا علاج تلوار کے سوا کچھ نہیں، اس کے بعد اس کے بعض فلسفیانہ نکات بیان کیے ہیں، اور اس کے درباری حکمار نے اس کے یہ فضائل بیان کیے ہیں کہ حکمت کے راستوں کے بند ہو جانے کے بعد تو نے ان کو کھول دیا اور باوجود لوگوں کی برگشتگی کے تو نے لوگوں کو ان کی طرف بلایا اور اپنے گرد اہل فلسفہ کی ایک جماعت کو جمع کر کے ان پر حد سے زیادہ احسانات کیے۔"

اس لیے اگر ایک ایسے شخص نے حکمار کے حالات میں کوئی کتاب لکھی ہو تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں، لیکن افسوس ہے کہ یہ تمام کتابیں اس وقت ناپید ہیں اور ہم ان سے تاریخ فلسفہ کے متعلق کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، البتہ صوان الحکمتہ کے علاوہ قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان قوموں کے حالات لکھے ہیں، جنھوں نے دنیا میں علم کی روشنی پھیلائی ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں ان قوموں کے تمام علوم وفنون کی تاریخ لکھی جا سکتی تھی، تاہم قاضی صاعد نے صرف فلسفیانہ علوم کی تاریخ لکھی ہے، جس سے فلسفہ کی ترقی اور نشوونما کے اجمالی حالات معلوم ہو سکتے ہیں، ان سب کے بعد وزیر جمال الدین الاکرم ابوالحسن علی ابن یوسف بن ابراہیم الشیبانی القفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے اخبار الحکماء کے نام سے اور ان کے بعد علامہ موفق الدین ابی العباس احمد بن قاسم بن خلیفہ بن یونس السعدی الخزرجی المعروف بابن ابی اصیبعہ المتوفی ۶۶۳ھ نے عیون الانباء فی طبقات الاطباء کے نام سے دو جلدوں میں حکماء والطباء کے حالات لکھے، اور یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں، اور جرجی زیدان نے فلسفۂ اسلام کے جو ماخذ بتائے ہیں ان میں ان ہی دونوں کتابوں کا نام لیا ہے۔

ان دونوں سے پہلے شہرزوری نے نزہۃ الارواح وروضۃ الافراح کے نام سے حکماء و فلاسفہ کے حالات میں ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی تھی، جس کی دوسری جلد کا ایک قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔

حکیم ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام سجستانی نے حکماء کے حالات میں ایک کتاب صوان الحکمۃ کے نام سے لکھی تھی، جس کا تتمہ امام ظہیر الدین ابی الحسن علی بن ابی القاسم زید بیہقی المتوفی ۵۲۵ھ نے لکھا، جس کو پروفیسر محمد شفیع ایم، اے استاد عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اڈٹ کرکے شائع کیا ہے، جو ہمارے پیش نظر ہے، ان کتابوں کے علاوہ فہرست ابن ندیم، کشف الظنون، مقدمہ ابن خلدون اور مختصر الدول سے بھی فلسفۂ اسلام کی اجمالی تاریخ معلوم ہو سکتی ہے۔

ان تمام کتابوں کے پیش نظر رکھنے کے بعد پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فلسفۂ اسلام کا اصلی ماخذ تو یونان ہے، پھر ان تذکرہ نویسوں کو یونانی حکماء وفلاسفہ کے حالات کیونکر معلوم ہوئے، اس کا جواب یہ ہے کہ

اسلام سے پہلے خود حکمائے یونان نے حکمائے یونان کے حالات میں جو کتابیں لکھی تھیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں ایک حکیم فرفوریوس صوری تھا، جو جالینوس کے بعد شہر صور میں پیدا ہوا، اور اس نے حکماء و فلاسفہ یونان کے حالات میں ایک کتاب لکھی جو سریانی زبان میں موجود تھی، اور علامہ جمال الدین قفطی نے لکھا ہے کہ مجھ کو خود اس کا چوتھا مقالہ سریانی زبان میں ملا ہے [1]

اس کے بعد اسلامی دور میں اسحاق بن حنین نے اطباء کے حالات میں ایک کتاب لکھی، جس کا ذکر علامہ جمال الدین قفطی نے اس کے حالات میں کیا ہے [2] جبریل بن بختیشوع نے بھی حکماء کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا حوالہ علامہ جمال الدین قفطی نے اصطفن حرانی کے ذکر میں دیا ہے [3] اور غالباً ان دونوں کا ماخذ بھی فرفوریوس کی کتاب ہے۔

بہر حال مسلمانوں کے پاس حکمائے یونان کے حالات کے معلوم کرنے کے مستند ذرائع موجود تھے، اور ان سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا، لیکن حالات سے زیادہ اہم چیز خود فلسفۂ یونان کی تاریخ ہے، اس لیے ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان کتابوں سے ہم کو فلسفۂ یونان کی تاریخ کس قدر معلوم ہوتی ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ خود مسلمانوں پر اس فلسفہ کا کیا اثر پڑا؟

صاعد اندلسی نے فلسفۂ یونان کی تاریخ کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، اور اس کے متعلق قفطی وغیرہ کا ماخذ ان ہی کی کتاب ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "یونانی ایک نہایت مشہور قوم ہے، جس میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں، ان میں اسکندر سب سے بڑا فاتح اور کشورکشا تھا، جس نے ایران سے لے کر ترکستان، ہندوستان اور چین تک کو فتح کیا، اس کے بعد بہت سے اور بادشاہ پیدا ہوئے جو بطالسہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

ان ہی میں ایک کا نام بطلیموس فیلاذیفوس تھا، جس کی نسبت مختصر الدول میں لکھا ہے کہ وہ بہت بڑا علم دوست تھا، اس کے زمانہ میں اگرچہ خود یونان میں فلسفہ وحکمت کا

---

[1] اخبار الحکماء ص ۰، [2] ایضاً ص ۵، [3] ایضاً ص ۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، لیکن اس نے صرف اسی ذخیرے پر قناعت نہیں کی، بلکہ جب اس کو معلوم ہوا کہ ہندوستان، ایران، جرجان، بابل اور سندھ وغیرہ میں فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا ایک ایسا ذخیرہ موجود ہے جو یونانی فلسفہ و حکمت سے مختلف ہے تو اس نے اپنے وزیر کو ان ملکوں کی کتابوں کے جمع کرنے اور ان کو گراں قدر قیمتوں پر خریدنے اور تاجروں کو ان کتابوں کے لانے کا حکم دیا، چنانچہ تھوڑے سے زمانہ میں چون ہزار ایک سو بیس کتابیں جمع ہو گئیں [1] اور غالباً یونان کے فلسفہ پر ان کتابوں کا اثر ضرور پڑا ہو گا۔ اس کے بعد رومیوں نے یونان کو فتح کر لیا اور اس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، اب دونوں سلطنتیں ایک ہو گئیں اور رومی سلطنت کے حدود میں بھی بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یونان میں جو مشہور حکماء و فلاسفہ گزرے ہیں وہ سب کے سب رومی تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سب یونانی تھے۔ لیکن چونکہ دونوں سلطنتیں اور دونوں قومیں باہم خلط ملط ہو گئی تھیں، اس لیے لوگوں کو یہ علم نہ ہو سکا کہ یہ حکماء و فلاسفہ یونانی تھے یا رومی، لیکن بہر حال دونوں قومیں فلسفہ و حکمت میں مشہور تھیں، اور زمانۂ اسلام میں چونکہ صرف رومی سلطنت باقی رہ گئی تھی اس لیے فلسفیانہ کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ رومی ہی سلطنت میں مل سکتا تھا، اس لیے جب خلیفہ مامون الرشید کو فلسفیانہ کتابوں کی تلاش و جستجو کا شوق پیدا ہوا تو اس نے اس کے متعلق شاہ روم سے خط و کتابت کی، اور جب شاہ روم نے ان کتابوں کی تلاش کی اور اس کو ان کا کوئی پتہ نہیں ملا تو نہایت مغموم ہو کر کہا کہ مسلمانوں کا بادشاہ مجھ سے یونانیوں کا علم مانگتا ہے، اور مجھ کو اس کا سراغ نہیں ملتا، اب میں کیا عذر کروں اور اس حالت میں رومیوں کی کیا قدر و منزلت باقی رہے گی؟ وہ اسی پوچھ گچھ میں مصروف تھا کہ ایک عیسائی راہب نے اس کو ایک مقفل مکان کا پتہ دیا۔ جس میں عیسائیت کی اشاعت کے بعد فلسفہ و

---

[1] مختصر الدول ص ۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمت کی تمام کتابیں لوگوں سے چھین کر بند کر دی گئی تھیں، اب اس نے اپنے ارکانِ سلطنت سے مشورہ کرنے کے بعد اس مکان کو کھولا، اور تمام کتابیں نکلیں تو اس نے اس راہب سے پوچھا کہ اگر یہ کتابیں ایک اسلامی ملک میں بھیج دی جائیں تو اس سے اس کو کوئی دینی یا دنیوی نقصان تو نہیں پہنچے گا؟ راہب نے جواب دیا کہ اس سے آپ کو ثواب ملے گا، کیونکہ یہ کتابیں جس قوم میں پہنچیں گی، اس کے دینی اصول دارکان متزلزل کر دیں گی، چنانچہ پانچ اونٹوں پر لاد کر یہ کتابیں مامون کی خدمت میں بھیج دی گئیں۔ اور مامون کے حکم سے ان کا ترجمہ رومی زبان سے عربی میں کیا گیا، اس سلسلہ میں ہمارے مؤرخین نے لکھا ہے کہ مامون نے ارسطو کو خواب میں دیکھا تھا، اور اس نے اُس کو چند مفید نصیحتیں کی تھیں، اسی خواب کے بعد اس کو ارسطو کی تصنیفات کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس نے شاہ روم سے صرف ارسطو کی تصنیفات کے بھیجنے کی خواہش کی تھی لیکن دورِ جدید کے بعض مصنفین نے اولاً تو اس خواب کو مشتبہ قرار دیا ہے، اور اگر وہ صحیح بھی ہو تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ شاہ روم نے جو کتابیں بھیجی تھیں وہ سب کی سب ارسطو ہی کی تصنیفات تھیں، کیونکہ پانچ اونٹوں پر لاد کر کتابیں بھیجی گئی تھیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ارسطو نے اتنی کتابیں نہیں لکھی تھیں، اس کے علاوہ خود قفطی نے لکھا ہے کہ

ووجدوا فيه كتباً كثيرة فاخذوا	ان لوگوں نے اُس گھر میں بہت سی کتابیں پائیں
من جانبها بغير علم وغمص خمسة	اس لیے اس کے اطراف سے بغیر علم وجستجو کے
احمال وسيرت الى المامون	پانچ اونٹوں کے بوجھ کے برابر مامون کے پاس بھیج دیں۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ارسطو کی کتابیں چھانٹ چھانٹ کر نہیں بھیجی گئی تھیں، بلکہ اس گھر میں کتابوں کا جو ذخیرہ ملا، اُس کو بھیج دیا گیا مامون کے پاس جو کتابیں بھیجی گئی تھیں، ان میں بعض مکمل اور بعض ناقص تھیں اور یہ ناقص کتابیں ناقص حالت میں ہی پڑی رہیں [1]

---

[1] اخبار الحکماء ص ۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال اس قدر تو یقینی ہے کہ اس ذخیرہ میں تمام کتابیں ارسطو کی نہیں تھیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کتابوں میں کن کن فنون اور کن کن حکماء کی کتابیں تھیں، اور ان میں سے کن کن کتابوں کا ترجمہ کیا گیا؟ اور اس ذخیرے کے علاوہ روم میں فلسفہ وحکمت کی کتابوں کا اور ذخیرہ کس قدر باقی رہ گیا۔

کشف الظنون میں لکھا ہے کہ بہت کم کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، اکثر کتابیں خود یونان اور روم میں رہ گئیں، جن کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہو سکا[1] تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ جس قدر بڑے بڑے حکما یونان میں گزرے ہیں، ان سب کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، اور ان کی رایوں کا اثر حکمائے اسلام اور فلسفۂ اسلامی پر پڑا۔ ان حکماء میں سب سے زیادہ مشہور پانچ شخص تھے، بندقلیس، فیثاغورث، سقراط، افلاطون اور ارسطو، ان میں سب سے مقدم بندقلیس ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تھا، اور اس نے شام میں لقمان علیہ السلام سے حکمت سیکھی تھی۔ پھر شام سے یونان آیا، اور تخلیقِ عالم کے متعلق ایسی باتیں کیں جس سے بظاہر معاد کا انکار ہوتا تھا، اس لیے لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی، اس کے متعلق اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی، جس کو قفطی نے بچشم خود بیت المقدس کے کتب خانہ میں دیکھا تھا، فرقۂ باطنیہ میں بعض لوگ اس کے ہم خیال تھے، اور ان کے خیال میں اس کتاب میں ایسے رموز واسرار تھے جو بہت کم سمجھ میں آسکتے تھے، لیکن قفطی نے لکھا ہے کہ یہ محض ان لوگوں کے خیالات ہیں ورنہ میں نے اس کی جو کتاب دیکھی ہے، اس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں[2]

لیکن بہرحال اس کے فلسفہ کو باطنیوں کے خیالات سے مشابہت ومناسبت تھی، اس لیے باطنیوں نے اس کے مذہب کو قبول کر لیا۔ اور اس کے فلسفہ کی ترویج واشاعت میں سب سے زیادہ حصہ محمد بن عبداللہ بن میسرہ جیلی باطنی نے لیا، جو شعبان ۲۶۹ھ میں قرطبہ

---

[1] کشف الظنون جلد اول ص ۴۴۹ [2] اخبار الحکماء ص ۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پیدا ہوا اور شوال ۳۱۹ھ میں وفات پائی، وہ بندقلیس کے فلسفہ کا بڑا شیدائی تھا، اور ہمیشہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہتا تھا، لیکن اس کی وجہ سے اس پر اہل مغرب نے زندقہ و الحاد کا الزام لگایا۔ اس لیے وہ وہاں سے بھاگ کر مشرق یعنی عراق چلا آیا، اور یہاں متکلمین اور معتزلہ وغیرہ سے مناظرہ و مباحثہ کرتا رہا، پھر مشرق سے پلٹ کر اندلس آیا، اور یہاں زاہدانہ زندگی بسر کرنے لگا اور اس زاہدانہ زندگی کے ظاہری مناظر کو دیکھ کر لوگوں نے اس سے عقیدت مندی ظاہر کی، لیکن جب اس کے عقائد معلوم ہوئے تو بعض لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی اور بعض لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کر لیا۔

مشرق کے زمانہ قیام میں وہ اپنے عقائد کی یادگار ایک مسئلہ بھی چھوڑ گیا۔ کیونکہ بندقلیس پہلا فلسفی ہے، جس کا خیال تھا کہ خداوند تعالیٰ کی ذات میں جو مختلف اوصاف مثلاً علم، قدرت جود و سخا وغیرہ پائے جاتے ہیں، وہ الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، بلکہ ان سب کا منشاء صرف خداوند تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اور تمام موجودات میں تو کثرت پائی جاتی ہے، اس لیے ان میں الگ الگ اوصاف موجود ہیں، لیکن خداوند تعالیٰ کی ذات میں کثرت نہیں پائی جاتی، اس لیے اوصاف سے الگ الگ موجود نہیں ہیں، بلکہ صرف اس کی ذات ہی ان سب کا منشا ہے، اور معتزلہ میں ابوالہذیل محمد بن الہذیل البصری نے صفات باری کے متعلق اسی کا مذہب اختیار کیا ہے [1]

فیثاغورث بندقلیس کے بعد پیدا ہوا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب سے مصر میں حکمت سیکھی، اور ان سے پہلے وہ مصریوں سے علم ہندسہ کی تعلیم حاصل کر چکا تھا، موسیقی کا فن اس نے خود ایجاد کیا تھا، اور اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے اس کو مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا تھا، اعداد کے خواص کے مطابق اس نے عالم کی ترکیب و ترتیب کے متعلق رموز و اشارات میں عجیب و

---

[1] اخبار الحکماء ص ۱۶، طبقات الامم ص ۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غریب باتیں لکھی تھیں۔

معاد کے متعلق اس کا مذہب قریب قریب وہی ہے جو بندقلیس کا ہے، یعنی اس مادی عالم کے علاوہ ایک روحانی عالم اور بھی ہے، جس کے حسن وجمال کا ادراک عقل نہیں کر سکتی، تمام پاکیزہ روحیں اس کی مشتاق رہتی ہیں، اور جس شخص نے اپنی روح کو عجب وغرور، ریا وحسد اور اس قسم کی جسمانی خواہشوں کی گندگی سے پاک کر لیا ہے، وہ اس روحانی عالم سے ملنے کا مستحق ہو جاتا ہے، اور لذیذ چیزوں کا فیضان خود بخود اس کی روح پر اس طرح ہوتا ہے جس طرح نغمہ وسرود کی صدائیں خود بخود کانوں میں آتی ہیں۔

طبقات الامم اور اخبار الحکماء میں اس کے صرف اسی قدر حالات مذکور ہیں، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں فرفوریوس کی تاریخ الفلاسفہ اور محمود الدولا ابو الوفا مبشر بن فاتک کی کتاب مختار الحکم ومحاسن الکلم سے اخذ کر کے اس کا مفصل تذکرہ لکھا ہے، اور اس کے اخلاقی اور فلسفیانہ اقوال نقل کیے ہیں، اور لکھا ہے کہ سب سے پہلے اسی نے فلسفہ کا نام فلسفہ رکھا[1] اور جس طرح باطنیوں میں بندقلیس کا فلسفہ مقبول ہوا تھا، اسی طرح فیثا غورث کا فلسفہ بھی مقبول ہوا، اور ارباب اخوان الصفاء نے اس کے پورے فلسفہ کو اپنے رسائل میں نقل کر لیا۔ سقراط اسی فیثا غورث کا شاگرد تھا، اور اس نے فلسفہ کی تمام شاخوں میں سے صرف فلسفہ الٰہی کو لے لیا تھا، اور صفات باری تعالیٰ کے متعلق اس کا مذہب قریب قریب وہی تھا جو فیثا غورث اور بندقلیس کا تھا، البتہ معاد کے متعلق اس نے ضعیف رائیں قائم کی تھیں، جن کو فلسفہ سے کوئی تعلق نہ تھا، اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات ونظریات کو کتاب کی صورت میں مدون نہیں کیا تھا، اور نہ اپنے شاگردوں کو اس کی اجازت دی تھی، صرف رمز واشارات میں ان کی تلقین کرتا تھا، اخبار الحکماء اور طبقات الاطباء میں اس کے مفصل حالات لکھے ہیں، جن سے معلوم ہوتا

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول ص ۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور لوگوں کو توحید اور محاسن اخلاق کی تعلیم دیتا تھا، اور اسی بنا پر یونانیوں نے اس کی مخالفت کی، اور اس کی اس جرم میں زہر کا پیالہ پینا پڑا، اس بنا پر اس کے زمانہ سے اخلاقی تعلیمات کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہمارے بعض صوفیوں نے ان سے فائدہ اٹھایا، افلاطون بھی سقراط کی طرح فیثا غورث کا شاگرد تھا، اور ابتدا میں شعر کہا کرتا تھا، اور اس میں نہایت کمال پیدا کیا تھا، ابھی اس کی عمر ۲۰ سال سے بھی کم تھی کہ فیثا غورث کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس کی باتیں سنیں، اور فن موسیقی میں کتابیں لکھیں، اس کے بعد فلسفہ کا شوق پیدا ہوا تو اراقلیطوس کے شاگردوں کی خدمت میں حاضر ہوا، ان لوگوں کا ایک خاص فلسفیانہ طریقہ تھا، جو اب بالکل مٹ گیا ہے، افلاطون نے ان کے فلسفیانہ مسائل سنے تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ طریقہ رد و قدح سے محفوظ نہیں ہے، اس لیے اس نے حقیقی فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنی چاہی، فیثا غورث تو مر چکا تھا، البتہ اس کا جانشین سقراط زندہ تھا، چنانچہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت سقراط ایک جماعت سے خطاب کر رہا تھا، چنانچہ افلاطون نے اس کی باتیں سنیں تو اس کے دل میں فیثا غورثی فلسفہ کی تعلیم کا نہایت شوق پیدا ہوا، اور شعر و شاعری کا جو دفتر اس کے پاس موجود تھا، اس کو نذر آتش کر دیا۔ اس کے بعد پچاس سال تک سقراط کی شاگردی کی، یہاں تک کہ امور عقلیہ میں فیثا غورث کا، اور سیاسیات میں سقراط کا درجہ حاصل کر لیا۔

افلاطون کے زمانہ سے یونانی فلسفہ کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اس سے پہلے حکمائے یونان فیثا غورث، ثالیس ملطی اور یونان و مصر کے عام صابیوں کے فلسفہ طبیعیہ کی طرف مائل تھے، لیکن متاخرین حکمائے یونان مثلاً سقراط، افلاطون اور ارسطو فلسفہ مدنیہ کی طرف مائل ہوئے، اور اس کی ابتدا سقراط کے زمانہ سے ہوئی، اور افلاطون کے زمانہ میں وہ درجہ کمال کو پہنچ گئی، چنانچہ ارسطو نے کتاب الحیوان میں لکھا ہے کہ سو سال یعنی سقراط کے زمانہ سے یونانیوں نے فلسفہ طبیعیہ کو چھوڑ دیا۔ اور فلسفہ مدنیہ کی طرف توجہ کی اور یونانیوں کے علوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا خاتمہ افلاطون پر ہو گیا [1]

یونان میں فلسفہ کی جو مختلف شاخیں قائم ہوئیں، وہ خاص خاص مناسبتوں سے مختلف ناموں سے موسوم ہوئیں، مثلاً :۔

۱۔ قورنیہ

اس فرقہ کا بانی ارسطیس تھا، جو قورنیا کا رہنے والا تھا، اور اسی شہر کی مناسبت سے اس کا نام قورنیہ پڑ گیا۔

۲۔ رواقیہ

اس فرقہ کا بانی کرسفس تھا، جو فلسفہ قدیمہ کی جس کے اصول و قواعد پورے طور پر منضبط نہ ہو سکے تھے، تعلیم دیتا تھا، اور چونکہ وہ ایتھنز کے مندر کی چھت کے نیچے فلسفہ کی تعلیم دیتا تھا، اس لیے وہ رواقیہ اور اصحاب المظلہ کے نام سے مشہور ہوا۔

۳۔ کلابیہ

یہ حکمائے قدیم کا وہ فرقہ تھا جس کے فلسفہ کے اصول و قواعد بھی مستحکم نہ ہو سکے۔ یہ فرقہ رسمی اور اصطلاحی اصول اخلاق کا مخالف تھا، مثلاً علانیہ سب کے سامنے عورتوں سے اختلاط کرتا تھا، اس کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس قسم کے افعال مطلقاً ناجائز ہیں تو ان کو کسی اور جگہ اور کسی صورت میں جائز نہیں ہونا چاہیئے، اور اگر ایک اور ایک صورت میں جائز اور دوسری جگہ دوسری صورت میں ناجائز ہیں تو یہ ایک رسمی اور اصطلاحی اصول ہے، جس کی پابندی

---

[1] اخبار الحکماء ص ۲۰، ۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروری نہیں، ان کی اسی اخلاقی حالت کی بنیاد پر لوگ کہتے تھے کہ ان کی حالت کتوں کے مشابہ ہے، اس لیے وہ کلابیہ کے نام سے مشہور ہوئے، مسلمانوں میں گمراہ اور نام نہاد مومنین کا جو فرقہ طامتیہ کے نام سے مشہور ہے، وہ اسی فرقہ کے اصول اخلاق کا مقلد ہے۔

۴۔ مانعہ

یہ فرقہ اس رائے کی مناسبت سے جو وہ فلسفہ کے متعلق رکھتا تھا، اس نام سے مشہور ہوا قفطی نے نہ اس فرقہ کے بانی کا نام بتایا ہے اور نہ فلسفہ کے متعلق اس کی کوئی رائے نقل کی ہے۔ لیکن صاعد اندلسی نے اس کا نام فوردن بتایا ہے۔ لیکن اس نے بھی فلسفہ کے متعلق اس کی کوئی رائے نہیں بتائی ہے، لیکن قفطی نے دوسرے موقع پر اس کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قدیم فلسفہ یعنی فیثا غورث، ثالیس ملطی اور یونانی اور مصری صابیوں کے فلسفہ کی تعلیم دیتا تھا، اور ارسطو سے سو سال پیشتر یونان میں اس فلسفہ کا عام رواج تھا، لیکن اس فلسفہ کی بنیاد مستحکم نہ ہو سکی، لیکن فلسفہ کے متعلق اس موقع پر بھی اس کی کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے۔ لیکن علامہ شبلی مرحوم نے اپنے مضمون تراجم میں لکھا ہے کہ چونکہ وہ لوگوں کو تعلیم سے روکتا تھا، اس لیے اس نام سے مشہور ہوا، لیکن قفطی اور صاعد اندلسی نے اس فرقہ کا کوئی نام نہیں بتایا ہے۔

۵۔ لذتیہ

اس فرقہ کا بانی ابیکورس ہے۔ اور چونکہ اس کے نزدیک فلسفہ کی تعلیم کا مقصد صرف وہ لذت ہے جو اس کے علم کے بعد حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس کو اصحاب اللذۃ کہتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ فیثاغورثیہ

اس فرقہ کا بانی فیثاغورث ہے، اور اسی کے نام کی طرف یہ فرقہ منسوب ہے۔

۷۔ مشائیہ

اس فرقہ کے بانی افلاطون اور ارسطو ہیں، مشی کے معنی عربی زبان میں چلنے اور ٹہلنے کے ہیں، اور چونکہ افلاطون اور ارسطو ٹہل ٹہل کر فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے اس لیے اس لقب سے موسوم ہوئے، ان فرقوں کے نام گنا کر اسی اخیر فرقہ کے بانیوں یعنی افلاطون اور ارسطو کے متعلق قفطی نے لکھا ہے۔

وهما ركنا الفلسفة ودعومها یعنی یہی دونوں فلسفی فلسفہ کے ستون ہیں۔

اور ان ہی دونوں ستونوں پر مسلمانوں کے فلسفہ کی بنیاد قائم ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲)

فلسفۂ ارسطو کی اشاعت

یونان میں جس قدر فلسفی پیدا ہوئے، ان کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) ایک فرقہ تو دہریوں کا تھا، جو خدا کے وجود کا بالکل منکر تھا۔ اور عالم کو قدیم اور غیر مخلوق مانتا تھا، قدمائے فلاسفۂ یونان کا یہی عقیدہ تھا، اور سب سے پہلے تالیس ملطی کو جب دنیا میں اختلافات نظر آئے تو اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ خدا کی ذات جو اوصافِ حسنہ سے متصف ہو وہ اس قسم کی متضاد و متباین چیزیں پیدا نہیں کرسکتی، اس لیے سرے سے خدا کا وجود ہی نہیں ہے، قفطی نے لکھا ہے کہ جمہور اہل ہند نے اس نظریہ کو قبول کر لیا [۱] لیکن مسلمان اس نظریہ کو جو ان کے مذہب کے بالکل مخالف تھا، قبول نہیں کرسکتے تھے اس لیے اس کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں نہ پھیل سکے۔

(۲) دوسرا فرقہ حکمائے طبیعئین کا تھا، جس نے طبیعت کے افعال و تاثیرات اور نباتات و حیوانات کے اعضا کی ترکیب اور اس ترکیب سے پیدا شدہ قوتوں سے بحث کی اور اس ترکیب میں اس کو جو حکمتیں نظر آئیں، ان کی بناء پر اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک فاعل مختار قادر و حکیم ہے، جس نے تمام موجودات کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، لیکن

---

[۱] اخبار الحکماء ص ۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اس کو نظر آیا کہ تمام موجودات جن عناصر سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ ایک خاص حد تک پہنچ کر وہ بالکل فنا ہو جاتے ہیں، تو اس نے بعینہٖ یہی رائے انسان کے متعلق بھی قائم کی کہ جب تک اس کو طبعی قوتوں سے مدد ملتی رہتی ہے۔ وہ زندہ رہتا ہے، پھر فنا ہو جاتا ہے، اس کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہوتا، اس لیے حشر و نشر کا منکر تھا، اور اس بنا پر اس فرقہ کا شمار بھی دہریوں میں کیا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مذہبی حیثیت سے یہ نظریہ بھی مسلمانوں میں مقبول نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳) تیسرا فرقہ حکمائے الٰہین کا تھا جس میں تمام متاخرین حکمائے یونان شامل تھے، اس کی ابتدا سقراط سے ہوئی، اس کے بعد اس کے شاگرد افلاطون نے اس کو ترقی دی اور افلاطون کے شاگرد ارسطو نے اس کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا، جس نے اس فرقہ کے اصول و قواعد کو مستحکم کیا۔ اور دہریوں اور طبعیوں کے عقائد و نظریات کی تردید کی اور ایک مدت تک ان گمراہ فرقوں سے بحث و مناظرہ کرتا رہا، اس سے پہلے سقراط اور افلاطون نے بھی ان فرقوں سے بحث و مناظرہ کیا تھا لیکن ان دونوں نے ان فرقوں کی تردید میں جو دلائل قائم کیے تھے اور جو اصول و قواعد بنائے تھے وہ ارسطو کو کمزور معلوم ہوئے اس لیے اس نے ان دلائل اور اصول و قواعد کو نظر انداز کر دیا، اور ان کے جواب میں قوی دلائل قائم کیے، اور مسلمانوں کے لیے اس قسم کے گمراہ فرقوں کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کرنے کا راستہ صاف کر دیا۔ تاہم چونکہ اس کے دلائل کی بنیاد کسی آسمانی کتاب پر نہ تھی اس لیے اس کے مباحث میں بھی چند کافرانہ عقیدے باقی رہ گئے۔ اور ان کے بعد جن لوگوں نے اس کی کتابوں کا ترجمہ یونانی زبان سے رومی، سریانی، فارسی اور عربی زبانوں میں کیا۔ انہوں نے ان میں مزید تحریفات کیں، البتہ ارسطو کے مقاصد کے سمجھنے میں ابونصر فارابی اور ابن سینا نے سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی، اور ان کو بہترین طریقہ پر ادا کیا[1] اور متاخرین حکمائے اسلام میں فلسفۂ ارسطو کی اشاعت ان ہی دونوں کے ذریعہ

---

[1] اخبار الحکماء ص ۲۹ - ۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہوئی، شہرستانی نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ متاخرین حکمائے اسلام مثلاً یعقوب ابن اسحاق کندی، حنین بن اسحاق، یحییٰ نحوی، ابوالفرج المفسر، ابوسلیمان سجزی، ابوسلیمان، محمد المقدسی، ابوبکر ثابت بن قرہ، ابوتمام یوسف بن محمد نیشاپوری، ابوزید احمد بن سہل البلخی، ابومحارب الحسن بن سہل، ابن محارب القمی، احمد بن طیب سرخسی، طلحہ بن محمد نسفی، ابوحامد احمد بن محمد الاسفزاری، عیسیٰ بن علی الوزیر، ابوعلی احمد بن مسکویہ، ابوزکریا یحییٰ بن عدی الصیمری، ابوالحسن العامری، ابونصر فارابی، حسین بن عبداللہ بن سینا وغیرہ نے تمام تر ارسطو کا مسلک اختیار کیا، صرف چند مسائل میں افلاطون اور قدمائے فلاسفہ کی رائے اختیار کی، لیکن چونکہ اس جماعت کے نزدیک ابن سینا کا طریقہ نہایت دقیق وعمیق تھا اس لیے اس جماعت نے اُسی کے طریقہ کو ایجاز واختصار کے ساتھ اس کی کتابوں سے نقل کیا، اور بقیہ لوگوں کے طریقوں کو نظر انداز کر دیا۔[۱]

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمانوں میں فلسفہ یونان کی اشاعت صرف ترجموں کے ذریعہ سے ہوئی، اور خلیفہ ابوجعفر منصور کے زمانے سے لے کر مامون کے زمانے تک صرف ترجمے کا کام ہوتا رہا، اور مامون کے زمانے تک زیادہ تر ارسطو کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، لیکن یہ ترجمے ایک دوسرے کے مخالف، غیر واضح اور مخلوط تھے، اور وہ ابونصر فارابی کے زمانے تک اسی حالت میں باقی رہے، بلکہ معدوم ہونے کے قریب ہو گئے، ان ترجموں کی اس حالت کو دیکھ کر منصور بن نوح سامانی نے جو فارابی کے زمانے میں فرمانروائی کر رہا تھا، فارابی سے درخواست کی کہ ان تمام تراجم کو جمع کر کے ایک عمدہ ترجمہ تیار کر دے، چنانچہ فارابی نے ان تمام ترجموں کی تہذیب وترتیب اور تلخیص کی اور ان کو ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا، جس کا نام اس نے تعلیم ثانی رکھا اور اسی کتاب کی وجہ سے وہ معلم ثانی کے لقب سے مشہور ہوا، یہ کتاب منصور بن نوح سامانی کے کتب خانے میں داخل کی گئی، اور منصور کے پوتے سلطان مسعود کے زمانے

---

[۱] ملل ونحل شہرستانی جلد ۲ برحاشیہ ملل ونحل لابن حزم ص ۹۳-۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا مسودہ خود فارابی کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا، اس کے بعد جب ابن سینا نے طب کے ذریعہ اس کے دربار میں رسائی حاصل کی اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے وزیر بن گیا تو اس نے اسی کتب خانے کی کتابوں میں تعلیم ثانی کا ایک نسخہ پایا، اور اسی کی تلخیص کر کے ایک مستقل کتاب تیار کرلی، جس کا نام شفا ہے، اس کے بعد یہ کتب خانہ جل گیا، اور ابن سینا پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے خود اس کتب خانہ کو جلا دیا، تاکہ وہ خود فلسفہ کا بانی قرار پائے، لیکن یہ الزام بالکل غلط ہے، شیخ نے اپنے بعض رسالوں میں خود تصریح کی ہے کہ اس نے فن حکمت کو اسی کتب خانے سے سیکھا ہے، اور خود شفا کے بہت سے مقامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تعلیم ثانی کی تلخیص ہے۔[1]

خود فارابی نے یونانی فلسفہ کی اشاعت کی جو تاریخ بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ کی تعلیم کی اشاعت مشرق میں صرف ارسطو کی تصنیفات سے ہوئی، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یونانی بادشاہوں کے زمانے اور ارسطو کی وفات کے بعد بھی اسکندریہ میں تعلیم جاری رہی یہاں تک کہ اس کے بعد تیرہ بادشاہ ہوئے، اور ان کے زمانہ حکومت میں پے در پے فلسفہ کے بارہ معلم پیدا ہوتے رہے جن میں ایک کا نام اندرونیقوس تھا، ان بادشاہوں میں آخری فرمانروا ایک عورت تھی، جس پر روم کے بادشاہ اوغسطیس نے غلبہ حاصل کر کے اس کو قتل کر دیا۔ جب اس کی حکومت کو استحکام حاصل ہوا اور اس نے کتب خانوں کو دیکھا تو اس میں ارسطو کی کتابوں کے وہ نسخے نظر آئے جو خود ارسطو اور ساوفرسطس کے زمانے میں لکھے گئے تھے، اس کے زمانے میں ایسے بہت سے فلاسفہ بھی موجود تھے، جنہوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھی تھیں، جس پر ارسطو لکھ چکا تھا، اس لیے اس نے حکم دیا کہ ارسطو اور اس کے شاگردوں کے زمانے میں جو نسخے لکھے گئے ہیں ان کی نقل لے لی جائے اور ان ہی کے ذریعہ سے تعلیم دی جائے اور بقیہ

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۴۲۹

www.KitaboSunnat.com

کتابیں چھوڑ دی جائیں، اس نے اس کام کو اندرونیقوس کے سپرد کیا۔ اور اس کو حکم دیا کہ ان کی چند نقلیں لے لی جائیں جن میں سے ایک نقل کو وہ روم لے جائے گا اور ایک نقل اسکندریہ میں رہے گی، اس نے اندرونیقوس کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اسکندریہ میں فلسفہ کی تعلیم کے لیے کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دے اور خود اس کے ساتھ روم چلے" اس لیے فلسفہ کی تعلیم کے دو مرکز قرار پائے، ایک مرکز اسکندریہ میں اور دوسرا روم میں قائم ہوا۔ اس کے بعد عیسائیت کا دور آیا تو روم میں فلسفہ کی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا لیکن وہ اسکندریہ میں بدستور باقی رہی۔ اب عیسائی بادشاہ نے پادریوں سے مشورہ کیا کہ اس تعلیم کا کونسا حصہ باقی رکھا جائے اور کس کو مٹا دیا جائے۔ پادریوں نے رائے دی کہ آخری اشکالِ وجودیہ تک تو منطق کی تعلیم دی جائے۔ اس کے بعد منطق کے جو حصے ہیں ان کی تعلیم نہ دی جائے۔ کیونکہ اس سے عیسائیت کو نقصان پہنچے گا۔ اس کے علاوہ انہوں نے جس حصہ کی تعلیم کی اجازت دی، اس سے عیسائیت کی تائید و حمایت ہوتی تھی، مسلمانوں کے دور حکومت سے پہلے صرف اسی قدر تعلیم جاری تھی، اس کے بعد مسلمانوں کا دور حکومت شروع ہوا، تو تعلیم کا مرکز اسکندریہ سے انطاکیہ منتقل ہو گیا۔ جو مدتوں قائم رہا یہاں تک کہ آخر میں وہاں صرف ایک معلم باقی رہ گیا، جس سے دو شخصوں نے تعلیم حاصل کی، ان میں ایک حران کا اور دوسرا مرو کا باشندہ تھا، یہ دونوں تعلیم پا کر اور کتابوں کا ذخیرہ لے کر نکلے تو مرو کے باشندے سے دو شخصوں یعنی ابراہیم مروزی اور یوحنا بن حیلان نے اور حران کے باشندے سے اسرائیل اسقف اور قویری نے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد یہ دونوں بغداد میں آئے اور ابراہیم مذہبی کاموں میں اور قویری تعلیم میں مشغول ہوئے۔

یوحنا بن حیلان نے بھی مذہبی شغلہ اختیار کیا، لیکن ابراہیم مروزی نے بغداد میں قیام کیا، اور ان سے متی بن یونان نے آخر اشکال وجودیہ تک کی تعلیم حاصل کی کیونکہ اس وقت تک یہیں تک تعلیم کا رواج تھا۔ خود فارابی نے یوحنا بن حیلان سے کتاب البرہان کے آخر تک پڑھی لیکن اس کے بعد اشکال وجودیہ کے بعد جو جز و چھوڑ دیا گیا تھا، اس کی تعلیم کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی رواج ہو گیا، اس کے بعد مسلمان اساتذہ کا زمانہ آیا تو اشکال وجودیہ کے بعد آدمی جس قدر چاہے پڑھ سکتا تھا [۱]

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرق یعنی بغداد وغیرہ میں یونانی فلسفہ و منطق کی تعلیم کا سلسلہ ارسطو اور اس کے تلامذہ کی کتابوں سے شروع ہوا، اور ابتداء میں اس کی تعلیم صرف عیسائی دیتے تھے، لیکن بعد کو مسلمانوں میں جن لوگوں نے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی، ان میں سب سے نمایاں شخص فارابی تھا، اور فارابی نے فلسفہ و منطق پر جو کچھ لکھا تھا اسی کو ابن سینا نے شفاء میں نقل کر دیا۔ اور اسی کی کتابوں سے مشرق میں فلسفہ و منطق کا رواج ہوا، اگرچہ بعض لوگ فارابی اور قدماء کی کتابوں سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے تھے۔ اور بعض لوگ شیخ الاشراق کے ساتھ شدت کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے، لیکن عام طور پر لوگ صرف ابن سینا کے معتقد تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ فلسفہ و حکمت کا جامع صرف ابن سینا تھا، اور اس نے فلسفہ و حکمت کا تمام ذخیرہ اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے [۲] اس لیے مشرق میں فلسفہ کی اشاعت ابن سینا کی تصنیفات سے ہوئی، جو ارسطو کا سب سے بڑا شارح تھا۔

تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے علاوہ فلسفہ کی اشاعت کا ایک بڑا ذریعہ یونانی کتابوں کے تراجم تھے۔ جس کے تین دور ہیں:-

(۱) پہلا دور جو خلیفہ منصور کے زمانے سے شروع ہو کر ہارون الرشید کے زمانے پر ختم ہوا اور اس دور میں صرف اخلاق، ہیئت، منطق اور طب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔

(۲) دوسرے دور میں جو مامون کے زمانہ سے شروع ہوا، تمام یونانی علوم وفنون کے ترجمے ہوئے۔

(۳) تیسرے دور میں جو چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا، ارسطو کی منطق اور طبیعات کی

---

[۱] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۲۰۴، ۲۰۶ [۲] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۴، ۱۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابوں کے ترجمے ہوئے، اور ان کی شرحیں اور تفسیریں لکھی گئیں۔

اسی تیسرے دور کے بعد مسلمانوں میں فلسفۂ یونانی کی اشاعت ہوئی، اس لیے قدرتی طور پر مشرقی مسلمانوں میں فلسفۂ ارسطو کا عام رواج ہوا۔

مغرب یعنی اندلس وغیرہ میں بھی فلسفہ کی اشاعت اہل مشرق ہی کے ذریعہ سے ہوئی، جن میں پہلا شخص بغداد کا ایک مشہور طبیب اسحاق بن عمران تھا، جو زیادۃ اللہ بن الاغلب التیمی کی دعوت پر افریقہ گیا، اور مغرب میں اسی کے ذریعہ سے طب اور فلسفہ کی اشاعت ہوئی[1]

پھر تیسری صدی کے وسط میں محمد بن عبدالرحمٰن الحکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل کے زمانے میں چند افراد میں علمی تحریک شروع ہوئی، اور یہ تحریک چوتھی صدی کے وسط تک جاری رہی، اور اس دور میں جن لوگوں نے علوم حکمیہ کی طرف توجہ کی، ان میں ابو عبیدہ مسلم بن احمد اور قاسم بن موسیٰ نے جو معتزلی تھا، مشرق کا سفر کیا تھا[2]

لیکن اسپین میں علوم حکمیہ کی اصلی ترقی چوتھی صدی ہجری کی ابتدا میں خلیفہ المستنصر باللہ ابن عبدالرحمٰن الناصر الدین اللہ کے زمانے میں ہوئی، جس کو اپنے باپ کے زمانے ہی سے علوم و فنون کی کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا، اور بغداد مصر اور مشرقی ممالک سے علوم قدیمہ و جدیدہ کی عمدہ عمدہ کتابیں منگوا کر ایک کتب خانہ میں جمع کی تھیں، اس کے بعد اپنے دور حکومت میں اس کتب خانے میں اس قدر اضافہ کیا کہ صاعد اندلسی کے بیان کے مطابق خلفائے عباسیہ نے جس قدر کتابیں ایک طویل زمانے میں جمع کی تھیں، ان کے برابر کتابیں اس نے اپنے دور حکومت میں جمع کر لیں، اس لیے اس کے زمانے میں لوگوں میں فلسفیانہ کتابوں کے مطالعہ اور تعلیم و تعلم کا بہت زیادہ شوق پیدا ہوا۔ اور فلسفیوں کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو گیا۔

لیکن اس کے بعد ۳۶۶ھ میں جب حکم کا انتقال ہو گیا، اور اس کا نابالغ لڑکا ہشام اس کا

---

[1] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۵، ۳۶ [2] طبقات الامم ص ۶۴-۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانشین ہوا، تو اس کی صغر سنی کی وجہ سے عنانِ حکومت اس کے حاجب ابو عامر محمد بن عبداللہ کے ہاتھ میں آگئی۔ اور چونکہ عام طور پر اندلس میں فلسفیانہ علوم کا رواج نہ تھا، اور جو لوگ ان علوم کی تعلیم حاصل کرتے تھے وہ ملحد اور بے دین سمجھے جاتے تھے، اس لیے اس نے عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لیے حکم کے کتب خانے کی تمام فلسفیانہ کتابیں جلوا دیں۔ اس لیے حکم کے زمانے میں جو فلسفیانہ تحریک پیدا ہو گئی تھی، وہ دفعتہً رک گئی، اور صرف چند لوگ رہ گئے۔ جنہوں نے مخفی طور پر اس سرمایہ کو محفوظ رکھا۔ اس کے علاوہ فلسفیانہ کتابوں کا جو ذخیرہ برباد کیا گیا اس میں کچھ کتابیں نادانستہ طور پر بچ رہی تھیں، اس لیے جب اندلس میں بنو امیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد پانچویں صدی کی ابتدا میں طوائف الملوکی پیدا ہوئی تو قرطبہ کے شاہی محل میں کتابوں اور دوسرے سامانوں کا جو ذخیرہ تھا۔ وہ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کیا گیا، اور ان ہی میں وہ فلسفیانہ کتابیں بھی تھیں جو ابن عامر کے زمانے میں باوجود تلف کرنے کے بچ رہی تھیں، اس لیے یہ کتابیں اندلس میں پھیلیں اور رفتہ رفتہ ان کے ذریعہ سے پھر اندلس میں فلسفیانہ مذاق پیدا ہو چلا[1] اور متعدد فلسفی پیدا ہو گئے جن میں سب سے زیادہ نامور ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد تھے۔ اور ان میں سے سب سے مقدم ابن باجہ تھے۔ جس نے ۵۲۳ھ اور ایک روایت کے مطابق ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے متعلق علامہ ابن ابی اصیبعہ طبقات الاطباء میں لکھتے ہیں کہ اندلس میں اگرچہ خلیفہ حکم ہی کے زمانے سے فلسفہ کی کتابیں عام طور پر شائع ہو گئی تھیں، لیکن ایک مدت تک کسی نے ان سے صحیح طور پر فائدہ نہیں اٹھایا، صرف دو شخص پیدا ہوئے۔ جنہوں نے فلسفیانہ علوم سے صحیح طور پر فائدہ اٹھایا، ایک مالک ابن وہب الاشبیلی، دوسرا ابن باجہ، لیکن چونکہ اب تک ان علوم کو اندلس میں عام حسن قبول حاصل نہیں ہوا تھا، اور عوام فلسفیوں کی جان کے دشمن ہو جاتے

---

[1] طبقات الامم ص ۶۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، اس لیے مالک بن وہب الاشبیلی ان حضرات کی وجہ سے فلسفیانہ علوم سے دستبردار ہو کر علوم دینیہ کی خدمت میں مشغول ہو گئے اور فلسفیانہ علوم پر بہت کم لکھا، لیکن ابن باجہ عمر بھر تصنیف و تالیف میں مشغول رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارابی کے بعد ان علوم میں اس کا کوئی ہمسر نہیں پیدا ہوا [۱]

مشرق سے حکم نے فلسفیانہ کتابوں کا جو ذخیرہ منگوا کر جمع کیا تھا، ان میں زیادہ تر ارسطو کی کتابیں تھیں، اس لیے ابن باجہ نے ارسطو کی کتابوں کی شرح لکھی۔

ابن طفیل چھٹی صدی ہجری کی ابتدا میں پیدا ہوا، اور ۵۸۱ھ میں بمقام مراکش وفات پائی۔ اور وہ ایک روایت کے مطابق ابن باجہ کا شاگرد تھا [۲]

ابن رشد ۵۲۰ھ میں پیدا ہوا، اور ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔ اور ایک روایت کے مطابق وہ بھی ابن باجہ کا شاگرد تھا۔

اگرچہ یہ روایتیں مشکوک ہیں، تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ یہ تینوں فلسفی ایک ہی زمانے میں تھے۔ اور ان ہی تینوں کے ذریعہ سے مغرب میں فلسفہ کی اشاعت ہوئی، اس موقع پر اس بات کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جن بادشاہوں کے ذریعہ سے مشرق میں فلسفیانہ کتابوں کی اشاعت ہوئی، ان میں کوئی بھی بذات خود فلسفہ کا ماہر نہ تھا۔

ابو جعفر منصور، خلیفہ ہارون الرشید اور خلیفہ مامون الرشید نے اگرچہ فلسفیانہ کتابوں کے ترجمے شاہانہ فیاضی سے کرائے لیکن ان میں کوئی بھی فلسفہ کا ماہر نہ تھا، اس کے بخلاف جن بادشاہوں کے ذریعہ سے مغرب میں فلسفہ کی اشاعت ہوئی وہ بذاتِ خود فلسفہ کے ماہر تھے، مثلاً حکم کے بعد فلسفہ کی اشاعت موحدین کی سلطنت میں ہوئی، اور یوسف بن عبدالمومن نے جو خود فلسفہ کا ماہر تھا۔ خاص طور پر اس طرف توجہ کی، اور ابن طفیل کو جو اس زمانے کا بہت

---

[۱] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۶۳ [۲] المعجب فی تلخیص اخبار المغرب ص ۱۷۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑا فلسفی تھا اپنا مقرب خاص بنایا، اور ابن طفیل نے اس تقرب سے صرف ذاتی فائدہ ہی نہیں اٹھایا بلکہ علم و اہل علم کو اس نے گوناگوں فوائد پہنچائے، اندلس میں اب تک جو حکماء و فلاسفہ پیدا ہو گئے تھے، ان کی کوئی اجتماعی حالت نہیں پیدا ہوئی تھی، بلکہ وہ منتشر اور پراگندہ حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن ابن طفیل نے ان کو اندلس کے گوشہ گوشہ سے بلا کر یوسف بن عبد المومن کے دربار میں جمع کر دیا، اور اس کو ان کی قدردانی پر آمادہ کیا۔ اور اس طرح گویا فلسفہ و حکمت کی شیرازہ بندی کی، یوسف بن عبد المومن نے فلسفہ کی سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی کہ ابن طفیل کو ارسطو کی کتابوں کی تشریح و تلخیص کی طرف توجہ دلائی، اور دور جدید کے بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ چونکہ مشرق میں مامون الرشید کو فلسفہ ارسطو کی اشاعت کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی تھی اس لیے یوسف بن عبد المومن نے بھی مغرب میں وہی درجہ حاصل کرنا چاہا جو مشرق میں مامون الرشید کو حاصل تھا۔

بہر حال ارسطو اور اس کے مترجمین کی عبارتوں میں جو اضطراب دنا ہمواری تھی یوسف بن عبد المومن نے ابن طفیل سے اس کی شکایت کی۔ اور اس کے اغراض و مقاصد کی پیچیدگی کا تذکرہ کیا، اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر ان کتابوں کو اچھی طرح سمجھ کر کوئی ان کی تلخیص کر کے اُن کو قریب الفہم بنا دیتا تو لوگ آسانی کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ ابن طفیل اگرچہ خود اپنی پیرانہ سالی اور سرکاری کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے اس خدمت کو انجام نہ دے سکا۔ تاہم اس نے یوسف بن عبد المومن کے دربار میں جو فلسفی جمع کر دیئے تھے، ان میں سب سے ممتاز ابن رشد ہے، اور ابن طفیل کے اشارے سے وہ ارسطو کی کتابوں کی تلخیص پر آمادہ ہو گیا[1]

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو ارسطو کی کتابوں پر عبور حاصل تھا، اس کے

---

[1] المعجب فی تلخیص اخبار المغرب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاوہ ابن رشد اس کے دربار میں جس طرح پہنچا ہے، اور اس نے جس طرح ابن رشد سے گفتگو کی ہے، اس سے بھی اس کی فلسفہ دانی ظاہر ہوتی ہے۔ خود ابن رشد کا بیان ہے کہ اس نے سب سے پہلے مجھ سے اس طرح گفتگو شروع کی کہ آسمانوں کے متعلق فلسفیوں کی کیا رائے ہے؟ وہ قدیم ہیں یا حادث؟ ابن رشد نے شرم اور خوف سے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، تو خود یوسف بن عبدالمومن نے ابن طفیل کی طرف متوجہ ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو شروع کی، اور ارسطو، افلاطون اور تمام فلاسفہ کے اقوال اور ان کے ساتھ اہل اسلام کے اعتراضات بھی بیان کیے، ابن رشد کا بیان ہے کہ میں نے اس میں حفظ کی وہ کثرت دیکھی جو ان لوگوں میں بھی موجود نہ تھی، جو صرف فلسفہ ہی کے ہو رہے تھے[1]

اس طرح مشرق و مغرب دونوں میں عام طور پر صرف فلسفۂ ارسطو کی اشاعت ہوئی، کیونکہ مشرق میں زیادہ تر فلسفیانہ کتابوں کی اشاعت مامون الرشید کے زمانے میں ترجموں کے ذریعہ سے ہوئی، جن کو مختلف مترجمین نے کیا۔ اور غالباً ایک ہی کتاب کے مختلف ترجمے کیے گئے تھے۔ لیکن یہ ترجمے جیسا کہ اوپر گزرا غیر واضح اور باہم مختلط تھے اور فارابی نے ان کو جمع کر کے ایک کتاب تیار کی جس کا نام تعلیم ثانی رکھا، اور شیخ بوعلی سینا نے سلطان مسعود کے زمانے میں اسی کی تلخیص شفا میں کر دی، جس کے ذریعہ سے مشرق میں صرف فلسفۂ ارسطو کی اشاعت ہوئی، مغرب میں فلسفیانہ کتابوں کا جو ذخیرہ پہنچا وہ تمام تر مشرق ہی سے آیا تھا، اس لیے قدرتی طور پر وہاں بھی فلسفۂ ارسطو ہی کا رواج ہوا۔ سب سے پہلے ابن باجہ نے ارسطو کی کتابوں کی تشریح کی، اس کے بعد یوسف بن عبدالمومن کے زمانے میں فلسفۂ ارسطو کی تشریح ابن رشد نے کی۔ اور اس کی تمام پیچیدگیاں دور کر دیں۔ اس لیے مغرب میں بھی اسی فلسفہ کا رواج ہوا، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مسلمان یونان کے دوسرے حکماء کے خیالات و نظریات سے بالکل واقف

---

[1] المعجب فی تلخیص اخبار المغرب ص ۱۷۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں تھے، بلکہ اس کے بخلاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں نے یونان کے اور حکمار کو چھوڑ کر صرف ارسطو کے فلسفہ کی طرف جو توجہ کی ہے اس کے خاص اسباب تھے، ورنہ وہ دوسرے حکمار کے خیالات و نظریات سے بھی واقف تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳)

حکمائے قدیم کے فلسفیانہ مذاہب

ارسطو سے پہلے جو حکمار گزرے ہیں ان کے فلسفہ کی طرف زیادہ تران اسلامی فرقوں نے توجہ کی جن کے عقائد فلسفیانہ تھے یا یوں کہنا چاہیئے کہ انہوں نے اپنے عقائد کی بنیاد ہی ان حکمار کے فلسفیانہ اصول ونظریات پر رکھی تھی یا یہ کہ انہوں نے ان حکمار کے اصول ونظریات کو اس بنا پر اختیار کیا تھا کہ وہ ان کے عقائد کے مطابق تھے۔ بہرحال ان فرقوں میں ایک فرقہ تو باطنیہ تھا جس میں بعض لوگوں نے ابیذقلس کا فلسفہ اختیار کیا تھا، اور ان لوگوں میں سب سے نمایاں شخص محمد بن عبداللہ بن میسرہ باطنی تھا۔ حالات کہاں گزر چکے ہیں۔ صفحہ ۹ پر اس کا صرف نام آیا ہے۔

باطنیوں کے علاوہ اسلامی فرقوں میں سب سے زیادہ فلسفہ پرست فرقہ معتزلیوں کا تھا، اور اس فرقہ کے بعض ممتاز اشخاص نے بھی فلسفہ ابیذقلس کے بعض مسائل کو اختیار کیا۔
چنانچہ فلسفیوں میں ابیذقلس پہلا شخص ہے جس کا نظریہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات میں علم قدرت اور فیاضی وغیرہ جو اوصاف پائے جاتے ہیں وہ عام مخلوقات کی طرح الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ ان سب کا منشا خود خدا ہی کی ذات ہے، جس میں کسی قسم کی کثرت نہیں پائی جاتی، بلکہ وہ ہر ایک حیثیت سے ایک ہے، اور معتزلہ میں ابوالہذیل محمد بن الہذیل العلاف کا بھی یہی مذہب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان ہی معتزلہ میں محمد بن علی بن طیب بصری المتوفی ۴۳۶ھ بھی تھا، جو حکمائے قدیم کے خیالات ونظریات کا بہت بڑا ماہر اور بہت بڑا جامع تھا، لیکن لوگوں کے خوف سے ان کا اظہار نہیں کرسکتا تھا، اس لیے مسلمان متکلمین کے مجلس میں ان نظریات وخیالات کا اظہار کیا کرتا تھا، علامہ جلال الدین قفطی لکھتے ہیں کہ جو شخص اس کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کرے گا، اس پر یہ بات ظاہر ہوجائے گی[1]

ایک اور معتزلی مسعود بن ابی محمد المتوفی ۶۱۲ھ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "وہ فلسفی، متکلم، ادیب، شاعر، حنبلی المذہب اور بظاہر معتزلی تھا، لیکن درحقیقت وہ حکماء کے عقائد وخیالات رکھتا تھا[2]

غرض اسلامی فرقوں میں معتزلہ کا فرقہ چونکہ بہت زیادہ آزاد خیال، بے تعصب اور وسیع النظر تھا، اس لیے اس نے تمام قدیم حکماء کے اصول ونظریات کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا اور اس فرقے میں سب سے زیادہ آزاد خیال، وسیع النظر اور وسیع المشرب ابراہیم بن سیار تھا، جو زیادہ تر اپنے لقب نظام سے مشہور ہے، اسی وسیع النظری اور وسیع المشربی کی بناء پر وہ ارسطو کا مقلد تھا۔ بلکہ اس نے ارسطو کے علاوہ اور حکماء کے اصول ونظریات بھی اختیار کیے، مثلاً ہم کو بظاہر نظر آتا ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات رفتہ رفتہ پیدا ہوئی ہیں، لیکن نظام کہتا ہے کہ "حقیقت میں ایسا نہیں ہے، آغاز خلقت سے جو کچھ پیدا ہونا تھا، وہ دفعتہً اور یکبارگی پیدا ہوا ہے" لیکن بظاہر یہ بداہۃً غلط معلوم ہوتا ہے۔ کوئی چیز آج پیدا ہوئی ہے، کوئی کل، کوئی پرسوں پیدا ہوئی ہے۔ کوئی اس کے بعد، لیکن نظام اس کے جواب میں کہتا ہے کہ خلق اور ظہور دو مختلف چیزیں ہیں، مخلوق تو تمام مجموعۂ کائنات ایک ہی ساتھ ہوا ہے، البتہ اس کا ظہور بہ ترتیب وبتدریج ہوتا ہے، اسی طرح اس کے نظریہ کے مطابق چونکہ رنگ، مزہ

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۹۲ [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بو اور آواز سب کے سب جسم ہیں اور یہ تمام چیزیں ایک ساتھ ایک ہی جسم میں پائی جاتی ہیں، اس لیے اس کے نزدیک ایک جسم میں ایک ہی وقت میں بہت سے اجسام داخل ہو سکتے ہیں، اور ان دونوں نظریوں کی اصل ہم کو ان قدیم حکمار کے یہاں ملتی ہے جو اصحاب الکمون والبروز کے نام سے مشہور ہیں، اور ارسطو وغیرہ کے خلاف ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ہوا پانی اور پانی ہوا ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ متحیل ہو جانے کے بعد ان دونوں عناصر کی حقیقت بدل جاتی ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عنصر میں آگ، پانی، خاک و باد مخفی طور پر موجود ہوتے ہیں، البتہ ان میں جس عنصر کے اوصاف زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں وہ اسی نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ پانی میں جب تک پانی کے اوصاف نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، وہ پانی کہلاتا ہے، اور جب اس کے اندر سے ہوا کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے تو اس کو ہوا کہنے لگتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح تمام انواع ایک ساتھ پیدا ہوئی ہیں۔ البتہ ان کا ظہور مختلف زمانوں میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ بتدریج ہوتا ہے اور اس نظریہ کو اس نے اصحاب کمون وظہور سے لیا ہے، چنانچہ شہرستانی ملل ونحل میں لکھتے ہیں۔

انما اخذ هذه المقالة من اصحاب الكمون والظهور من الفلاسفة واكثر ميله ابداً الى تقرير مذاهب الطبيعين منهم دون الالهيين.

اس نے اس نظریہ کو فلسفیوں میں سے اصحاب کمون وظہور سے لیا ہے اور اس کا زیادہ تر میلان طبیعین کے مذاہب کے اثبات کی طرف ہے حکمائے الٰہیین کی طرف نہیں ہے۔

نظام کا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ برائیوں کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ صرف وہی کام کرسکتا ہے جو اس کے بندوں کے لیے مفید ہو، لیکن جو کام ان کے لیے مفید نہ ہو وہ اس کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، یہ تو دنیاوی کاموں کا حال ہے، آخرت میں بھی وہ دوزخیوں اور جنتیوں کے عذاب و ثواب میں کوئی کمی بیشی نہیں کرسکتا۔ اور اس نظریہ کے متعلق شہرستانی ملل ونحل میں لکھتے ہیں کہ "اس نے اس نظریہ کو قدمائے فلاسفہ سے لیا ہے، جو یہ کہتے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ایک نیا من شخص کوئی ایسا ذخیرہ جمع نہیں کرتا جس کو وہ خرچ نہ کر سکے۔ اس لیے خدا جس چیز کو پیدا کر دیتا ہے وہی اس کی قدرت میں تھی، لیکن اگر اس کے علم و قدرت میں کوئی چیز اس سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ کامل، اس سے زیادہ منظم اور اس سے زیادہ مفید ہوتی تو وہ اس کو ضرور پیدا کرتا۔"

غرض نظام کے بہت سے نظریات حکمائے قدیم ہی کے نظریات پر مبنی ہیں، بلکہ اگر اسلام کے تمام گمراہ فرقوں کے نظریات و خیالات کی جانچ پڑتال کی جائے تو ان میں بہت سے قدیم حکماء کے نظریات و خیالات کی جھلک نظر آئے گی۔ اس لیے اگر مذہبی حیثیت سے قطع نظر کر کے ان نظریات و خیالات کو فلسفیانہ حیثیت سے جمع کیا جائے تو ایک مستقل اسلامی فلسفہ بن جائے گا۔ قدیم حکماء کے خیالات و نظریات کے قبول کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان حکماء کے بعض نظریات اسلامی عقائد کے مطابق تھے۔ مثلاً یونان کے قدیم حکماء میں دیمقراطیس ایک حکیم تھا جس کا نظریہ یہ تھا کہ اگر جسم کی تقسیم کی جائے تو آخر میں ایسے اجزاء نکلتے ہیں جن کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ علامہ جلال الدین قفطی اس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "اس نظریہ کے متعلق اس کی ایک کتاب ہے جس کا ترجمہ پہلے سریانی زبان میں پھر عربی میں کیا گیا"[1] اور ہمارے متکلمین نے اسی نظریہ کو اختیار کیا۔ اور بعد کو یہ فلسفہ و علم کلام کا ایک نہایت اہم مسئلہ بن گیا، اور جزء لاتجزی کے ابطال و اثبات کی ایک طویل بحث پیدا ہو گئی، قدیم حکماء کے خیالات و نظریات کی طرف متوجہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مسلمانوں میں ابتداء ہی سے ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو فلسفہ ارسطو کا مخالف تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر اس نے ارسطو کے علاوہ دوسرے حکماء کے نظریات اختیار کیے اور اس سلسلہ میں اس نے خاص طور پر فیثا غورث کے نظریات کو قبول کیا، چنانچہ علامہ جمال الدین قفطی فوردن کے حالات میں لکھتے ہیں کہ یہ یونان کا ایک

---

[1] اخبار الحکماء ص ۱۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلسفی ہے اور اس کا فلسفہ وہی قدیم فلسفہ ہے جس کے اصول و قواعد مستحکم نہیں ہوئے، اس کا ایک خاص فرقہ تھا، اور اس کے بہت سے شاگرد تھے، جو اس سے اس قدیم طبعی فلسفہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، جو فیثا غورث، تالیس ملطی، اور یونان و مصر کے عام طلباء کا فلسفہ تھا، اور ارسطو کے زمانے سے ایک صدی پیشتر یونان میں رائج تھا اور متاخرین میں بہت سے لوگوں نے فیثا غورث اور اس کے گروہ کے مذہب کے مطابق کتابیں تصنیف کیں، اور ان کے ذریعہ سے قدیم طبعی فلسفہ کی حمایت کی، محمد بن زکریا رازی ان ہی مصنفین میں ہے، کیونکہ وہ ارسطو کا سخت مخالف تھا لہ

یہ تمام کتابیں تو آج نا پید ہیں، لیکن رسائل اخوان الصفا کے مصنفین نے فیثا غورث کے فلسفہ کو محفوظ کر لیا ہے، اور ایک مدت تک مشرق میں ان ہی رسائل کے ذریعہ سے فلسفہ فیثا غورث کی اشاعت ہوتی رہی۔ لیکن مغرب کے لوگ مدتوں اس فلسفہ سے نا آشنا رہے۔ یہاں تک کہ مغرب کے ایک حکیم کرمانی المتوفی ۴۵۸ھ نے علمی اغراض سے مشرق کا سفر کیا، اور ان رسالوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اس سے پہلے یہ رسالے اندلس میں نہیں پہنچے تھے لہ

لہ اخبار الحکماء ص ۱۷، لہ طبقات الاطباء ص ۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴)

فلسفۂ اشراق

قدیم حکمائے یونان کے مختلف فلسفیانہ مسائل و نظریات کی یہ اجمالی تاریخ تو اخبار الحکماء طبقات الاطباء اور طبقات الامم میں مذکور رہے، لیکن علامہ عبدالکریم شہرستانی نے ملل و نحل میں تمام قدیم حکمائے یونان یعنی ثالیس ملطی، انکساغورث، انکیمانس، ابیذقلس، فیثاغورث، ابرانفیلس، اباسبس، ابیقورس، سقراط، افلاطون، دیمقراطیس، قلوخرس، فلاسفہ اکاڈمی، ہرقل برقلس، ثامیطوس اور فرفوریوس وغیرہ کے فلسفیانہ خیالات و نظریات کا خلاصہ اس تفصیل سے لکھا ہے کہ یورپین زبانوں میں بھی اس سے زیادہ تفصیل نہیں مل سکتی، اگرچہ حکمائے قدیم یونان کے یہ فلسفیانہ خیالات و نظریات عام طور پر مسلمانوں میں نہ پھیل سکے، تاہم وہ بالکل بے اثر بھی نہیں رہے، اور ان کی ترکیب و آمیزش سے فلسفہ ارسطو سے الگ ایک مستقل اسلامی فلسفہ پیدا ہو گیا جس کو فلسفۂ اشراق کہتے ہیں، اور غالباً اس فلسفہ کی طرف مسلمانوں نے اس وقت توجہ کی جب اسلامی تصوف نے فلسفیانہ قالب اختیار کر لیا تھا، اور اسلامی تصوف کا یہ فلسفیانہ کالبد ان ہی قدیم حکمائے یونان کے مختلف فلسفیانہ خیالات و نظریات سے تیار ہو سکتا تھا؛ کیونکہ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے ملل و نحل میں قدیم یونانی فلسفیوں کا جو خلاصہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم حکمائے یونان کے فلسفہ کے زیادہ تر اجزاء مذہبی اور روحانی تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حکمائے قدیم کے تمام مسائل طبیعیات اور الٰہیات تک محدود تھے اور وہ صرف خدا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ذات اور عالم سے بحث کرتے تھے، ان حکماء میں کچھ تو حکمائے ہند یعنی براہمن تھے، کچھ حکمائے عرب تھے، جن کی تعداد بہت کم ہے، اور ان کا فلسفہ چند حکیمانہ فقروں تک محدود ہے، کچھ حکمائے روم تھے، جن کی مختلف قسمیں تھیں۔ ایک تو حکمائے قدیم جو فلسفہ کے ستون ہیں، دوسرے حکمائے متاخرین جو مشائی، اصحاب الرواق اور اصحاب ارسطو کے نام سے مشہور ہیں، تیسرے حکمائے اسلام یعنی حکمائے عجم، کیونکہ اسلام سے پہلے فلسفہ میں اہل عجم کا کوئی فلسفیانہ نظریہ نہیں تھا، بلکہ ان کا تمام تر فلسفہ یا تو نبوت سے یا قدیم مذاہب یا تمام مذاہب سے ماخوذ تھا۔

بہرحال ان سب کے فلسفہ کے مہمات مسائل یہ ہیں:۔

۱۔ خداوند تعالیٰ کی توحید؟

۲۔ خداوند تعالیٰ کو تمام کائنات کا علم کیونکر حاصل ہوتا ہے؟

۳۔ دنیا کیونکر پیدا ہوئی؟

۴۔ عللِ اولیٰ کیا ہیں؟ اور کس قدر ہیں؟

۵۔ قیامت کیا ہے؟ اور کب ہوگی؟

اس لیے ان حکماء کے خیالات و نظریات سے صرف روحانی گروہ کو دلچسپی ہو سکتی تھی اور مسلمانوں میں روحانی گروہ صرف صوفیوں کا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ملا کاتب چلپی کشف الظنون میں لکھتے ہیں کہ "فلسفیانہ علوم میں اشراقی فلسفہ کا وہی درجہ ہے جو اسلامی علوم میں تصوف کا ہے، اسی طرح فلسفیانہ علوم میں حکمت طبیعہ اور حکمتِ الٰہیہ کا وہی درجہ ہے جو علوم اسلامیہ میں علم کلام کا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفس ناطقہ کی سعادت کی بنیاد صرف یہ ہے کہ اس کو خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم اس کی تمام صفاتِ کمالیہ کے ساتھ ہو، اور وہ اس کو ان تمام صفات سے منزہ سمجھے جو نقصان کا باعث ہیں لیکن مبدء و معاد یعنی خدا اور قیامت کا علم دو طریقوں سے ہو سکتا ہے، ایک طریقہ تو اہل نظر و استدلال کا اور دوسرا طریقہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل ریاضت و مشاہدہ کا ہے، اب اگر پہلا طریقہ اختیار کرنے والے کسی پیغمبر کے مذہب کے پابند ہیں تو ان کو متکلمین کہتے ہیں، ورنہ وہ حکمائے مشائین کہے جاتے ہیں، اسی طرح دوسرا طریقہ اختیار کرنے والے اگر احکام شریعت کی پابندی کے ساتھ مجاہدہ و ریاضت کرتے ہیں تو وہ صوفی ہیں، ورنہ ان کو اشراقی حکماء کہا جاتا ہے۔ اس طرح دونوں طریقوں میں دو گروہ نکل آتے ہیں پہلے طریقہ کا نتیجہ قوت نظریہ کے ذریعہ سے کمال حاصل کرنا، اور اس کے چاروں مراتب یعنی عقل ہیولانی [1] عقل بالفعل [2] عقل بالملکۃ [3] اور عقل مستفاد [4] میں ترقی کرنا ہے اور یہ اخیر یعنی عقل مستفاد کا مرتبہ اس ترقی کی آخری منزل ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن نظریات کا علم نفس نے حاصل کیا ہے، وہ ان کا مشاہدہ کرے اور وہ اس کی نگاہ سے غائب نہ ہوں۔ اسی لیئے کہا گیا ہے کہ عقل مستفاد کا درجہ اس دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوتا، صرف آخرت میں حاصل ہوگا۔ البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو جسمانی علاقوں سے الگ ہو کر مجردات سے مل گئے ہیں۔

دوسرے طریقہ کا نتیجہ قوت عملیہ کے ذریعہ سے کمال حاصل کرنا اور اس کے تمام مدارج میں ترقی کرنا ہے، ان میں پہلا درجہ یہ ہے کہ احکام شریعت اور قانون خداوندی پر عمل کر کے ظاہر

---

[1] یعنی نفس تمام معقولات سے خالی الذہن ہو، البتہ ان معقولات کے قبول کرنے کی اس میں صلاحیت و استعداد ہو اور عقل کا یہ مرتبہ نوع کے ہر فرد کو حاصل ہوتا ہے۔

[2] یعنی اگر نفس کو تمام بدیہی معقولات کا علم حاصل ہو اور ان بدیہیات کے ذریعہ سے وہ نظریات کا علم حاصل کر سکے تو اس کو عقل بالملکۃ کہتے ہیں اور پہلے درجہ کے اعتبار سے عقل بالفعل بھی کہہ سکتے ہیں۔

[3] یعنی نفس کو تمام معقولات نظریہ کا علم تو حاصل ہو لیکن وہ اس کا بالفعل مطالعہ نہ کر سکے بلکہ وہ اس کے خزانے میں محفوظ ہوں اور اس کو یہ قدرت حاصل ہو کہ جب چاہے اس کا مطالعہ کر سکے تو اس کو عقل بالملکۃ کہتے ہیں۔

[4] لیکن اگر نفس ان تمام معقولات نظریہ کا مطالعہ کر رہی ہو جن کو اس نے حاصل کیا ہے تو اس کا نام عقل مستفاد ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو آراستہ و پیراستہ کیا جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ باطن کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کیا جائے تیسرا درجہ یہ ہے کہ نفس کے مرتع کو ان پاک صورتوں سے جو شکوک و اوہام سے منزہ ہیں، مزین کیا جائے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے جمال و جلال کا مشاہدہ کیا جائے اور اسکے سوا کسی چیز کو نگاہ میں نہ رکھا جائے۔

تیسرا درجہ اگرچہ چوتھے درجہ کو بھی شامل ہے کیونکہ تیسرے درجہ میں بھی عقل مستفاد کی طرح علی سبیل المشاہدہ معلومات کی صورتوں کا فیضان ہوتا ہے، لیکن چوتھا درجہ دو وجہوں سے اس سے الگ ہے، ایک تو عقل مستفاد سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ شبہات وہمیہ سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ بحث و مباحثہ کے طریقے میں وہم کا غلبہ ہوتا ہے بخلاف صور قدسیہ کے کیونکہ اس موقع پر حسی قوتیں قوت عقلیہ کی فرمانبردار ہو جاتی ہیں۔ اس لیے وہ قوتِ عقلیہ کے احکام میں اس کی مخالفت نہیں کرتیں، دوسرے یہ کہ تیسرے درجے میں نفس کو بہت سی صورتوں کا فیضان ہوتا ہے۔ جن کے لیے نفس اپنی پاکیزگی کی وجہ سے تیار رہتا ہے جس طرح ایک شفاف آئینہ جس کے مقابل میں ایک ایسی چیز رکھ دی جائے جس میں بہت سی صورتیں ہوں اور وہ تمام صورتیں اس میں نظر آئیں، لیکن عقل مستفاد کے درجے میں صرف ان علوم کا فیضان ہوتا ہے جو ان مقدمات سے مناسبت رکھتے ہیں جو ایک نامعلوم چیز کے حاصل کرنے کے لیے مرتب کیے گئے ہیں، جیسے ایک ایسا آئینہ جس کا تھوڑا سا حصہ زنگ سے پاک کر دیا گیا ہو، اس لیے اس کے مقابل کی چیزوں میں سے صرف چند چیزیں اس میں نظر آئیں گی [1]

لیکن اس دوسرے طریقہ کے موافق فلسفیانہ مسائل کا ایک معتدبہ ذخیرہ پراگندہ حالت میں موجود تھا، جس کے کچھ اجزا قدیم یونانی حکماء کے یہاں، کچھ اجزاء حکمائے ایران کے یہاں اور کچھ اجزاء حکمائے ہند کے یہاں ملتے تھے، لیکن ان اجزاء کو صرف وہی شخص جمع کر سکتا تھا

---

[1] کشف الظنون جلد اول ص ۴۴۴۔ ۴۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں خصوصیات ذیل موجود ہوں ۔

(۱) وہ فلسفہ مشائیہ یعنی ارسطو کے فلسفہ سے بھی واقف ہو، تاکہ دونوں فلسفوں میں امتیاز کر سکے۔

(۲) زاہد و عابد ہو اور ریاضت و مجاہدہ کرتا ہو۔

(۳) فارسی النسل ہو، کیونکہ اہل عرب نے جب سے ایران کو فتح کیا تھا اسی وقت سے ایرانیوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اہل عرب سے نفرت اور اہل ایران سے محبت رکھتا تھا، اس لیے ایرانی علوم و فنون کو زندہ کرنا چاہتا تھا، اور حکمائے اسلام میں صرف شیخ الاشراق جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہوگا، ان تمام خصوصیات کے جامع تھے، اس لیے انہوں نے فلسفۂ اشراق کے ان تمام منتشر اجزار کو ایک جگہ جمع کر کے اپنا ایک مستقل فلسفہ بنایا اور اس فلسفہ میں ایک خاص کتاب لکھی جس کا نام حکمۃ الاشراق رکھا، چنانچہ اس کتاب کی ابتدار میں لکھتے ہیں کہ "بھائیو! حکمت اشراق کے قید تحریر میں لانے کے لیے کثرت سے تمہارے مطالبہ نے مجھ کو مجبور کر دیا، ورنہ میں اس کے اظہار کی جرأت نہ کر سکتا، کیونکہ اس میں ایسی مشکلات ہیں جن کو تم لوگ جانتے ہو، لیکن بایں ہمہ تم مجھ سے برابر یہ مطالبہ کرتے رہے کہ میں تمہارے لیے ایک ایسی کتاب لکھ دوں جس میں ان مسائل کا ذکر ہو، جو مجھ کو میری خلوتوں میں میری صرف ذوق سے حاصل ہوئے ہیں، اور ہر مجتہد کا ایک خاص ذوق ہوتا ہے، خواہ وہ ناقص ہو خواہ کامل، اس لیے علم کسی خاص قوم پر موقف نہیں ہے کہ اس کے بعد ملکوت کا دروازہ بند ہو جائے، اور متاخرین کو متقدمین سے آگے بڑھنے میں رکاوٹ پیدا کی جائے، بلکہ علم کی بخشنے والی عقل فعال غیبی علوم کے بخشنے میں کسی قسم کا بخل نہیں کرتی، بدترین زمانہ وہ ہے جس میں اجتہاد کی بساط الٹ دی جائے۔ فکر کی رفتار رک جائے، مکاشفات کا دروازہ اور مشاہدات کا راستہ بند کر دیا جائے۔

میں نے اس کتاب سے پہلے اور اس کتاب کی تصنیف کے دوران میں تمہارے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چند کتابیں مشائین کے طریقے کے موافق لکھی تھیں، جن میں ان کے اصول و قواعد کی تلخیص کی تھی، ان میں ایک مختصر سی کتاب کا نام تلویحات اللوحیہ والعرشیہ ہے، ان کے علاوہ چند اور کتابیں تصنیف کیں (مثلاً مقاومات اور مطارحات) ان میں سے بعض کتابیں میں نے بچپن میں لکھی تھیں (مثلاً الواح، ہیاکل اور اکثر رسالے) لیکن حکمۃ الاشراق کا طرز دوسرا ہے اور یہ راستہ اس راستے سے زیادہ قریب ہے، لیکن اول اول یہ طریقہ مجھ کو فکر سے حاصل نہیں ہوا، بلکہ کشف و ذوق سے حاصل ہوا، اس کے بعد میں نے فکر سے اس کی دلیل تلاش کی، اگر میں دلیل کو نظر انداز کر دیتا تب بھی کوئی شخص اس کے متعلق میرے دل میں شک نہ پیدا کر سکتا، میں نے علم انوار کا (یعنی خدا، عقول، نفوس اور انوار عرضیہ، غرض ہر وہ چیز جو کشف و ذوق سے حاصل ہوتی ہے) اور ان تمام چیزوں کا جو علم انوار پر مبنی ہیں۔ (مثلاً علم طبعی کے اکثر اور علم الٰہی کے بعض مسائل، غرض ہر وہ چیز جو فکر سے حاصل کی جاتی ہے) اور ان کے علاوہ ان مسائل کا جو علم انوار پر مبنی نہیں ہیں (مثلاً طبیعات اور الٰہیات کے بعض مسائل) جو بیان کیا ہے، اس میں ہر وہ شخص میرا مرید و ہم زبان ہے جو خدا کے راستہ پر چلتا ہے، لیکن علم الانوار خاص طور پر ہمارے رئیس افلاطون امام الحکمت اور اس سے پیشتر کے حکماء (یعنی حکماء کے باپ ہرمس کے اور افلاطون کے زمانے تک کے حکماء، مثلاً انباوقلس اور فیثاغورث وغیرہ کے ذوق پر مبنی ہے۔ لیکن حکمائے قدیم کے تمام مسائل بطور رمز کے بیان کیے گئے ہیں۔ اس لئے حکمائے قدیم پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں، اگرچہ ان کے ظاہری اقوال پر یہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے مقاصد پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ رمز پر کوئی اعتراض وارد ہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ رمز کے ظاہری معنی جو سمجھ میں آتے ہیں وہ مقصود نہیں ہیں، اور باطنی معنی جو مقصود ہیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتے) اسی رمز کے طریقہ پر نور و ظلمت کا اشراقی قاعدہ جو ایرانی حکماء (یعنی جاماسپ، فرشاوشیر، بزرجمہر اور ان کے قبل کے حکماء، (مثلاً کیومرث، طہمورث، افریدون، کیخسرو اور زردشت) کی طرف منسوب ہے، بیان کیا گیا ہے، اور وہ کفار مجوس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور الحادمانی کے نظریۂ نور و ظلمت سے بالکل مختلف ہے (کیونکہ نور و ظلمت سے ان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ دو خدا موجود ہیں، ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک نور سے واجب الوجود کی طرف اور ظلمت سے ممکن الوجود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) یہ خیال نہ کرو کہ حکمت اسی زمانۂ قریب میں تھی، دوسرے زمانوں میں نہ تھی، کیونکہ زمانہ کبھی حکمت سے اور ایسے شخص سے جو حکیم ہو اور اس کے پاس دلائل ہوں کبھی خالی نہیں ہوا۔ یہی حکیم خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اور جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، یہ سلسلہ باقی رہے گا، حکمائے متقدمین اور حکمائے متاخرین میں جو کچھ اختلاف ہے، وہ لفظی ہے، ایک کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے مطالب کو رمز و کنایہ میں بیان کرتا ہے، دوسرا تصریح سے کام لیتا ہے، لیکن سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ عالم کی تین قسمیں ہیں (یعنی عالم عقل، عالم نفس اور عالم جسم) اسی طرح توحید پر ان کا اتفاق ہے، اور اصولی مسائل میں ان میں کوئی نزاع نہیں (مثلاً فنائے عالم، صحت معاد، سعادت و شقاوت کا ثبوت، خداوند تعالیٰ تمام چیزوں کا عالم ہے اس کے صفات عین ذات ہیں اور وہ بالذات فاعل ہے) معلم اول یعنی ارسطو اگرچہ بہت بڑا حکیم تھا۔ تاہم اس کی تعریف میں اس قدر مبالغہ جائز نہیں، جس سے اس کے اساتذہ کی تحقیر ہو، حالانکہ اس کے اساتذہ میں انبیاء (یعنی شیث علیہ السلام، ادریس علیہ السلام تک شامل ہیں، حکمت اور حکماء کے بہت سے درجے ہیں اور حکماء کے مختلف طبقے ہیں۔

(۱) ایک طبقہ تو صرف حکمائے متالہین کا ہے، جو بحث و نظر سے بالکل کام نہیں لیتا (مثلاً انبیاء اور اولیاء جیسے ابو یزید بسطامی، سہل بن عبد اللہ تستری اور حسین بن منصور وغیرہ۔

(۲) دوسرا طبقہ صرف بحث و نظر سے کام لیتا ہے (جیسے ارسطو، فارابی اور بوعلی سینا)

(۳) تیسرا طبقہ ان حکماء کا ہے جو اوپر کے دونوں طبقوں کا جامع ہے، (لیکن شیخ الاشراق کے سوا اس قسم کا کوئی حکیم نہیں گزرا)

(۴-۵) چوتھا اور پانچواں طبقہ ان حکماء کا ہے جو کسی قدر بحث و نظر سے بھی کام لیتے ہیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن تاہم یعنی حکمت ذوقیہ کا ذوق ان میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۶۔۷) چھٹا اور ساتواں طبقہ چوتھے اور پانچویں طبقہ کا بالکل ضد ہے۔

(۸) آٹھواں طبقہ حکمت ذوقیہ اور حکمت بحثیہ دونوں کا طالب علم ہے۔

(۹) نواں طبقہ صرف حکمتِ ذوقیہ کا طالب علم ہے۔

(۱۰) دسواں طبقہ صرف حکمتِ بحثیہ کا طالب علم ہے۔

اگر اتفاق سے کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو دونوں حکمتوں کا جامع ہو تو وہ دنیا کا بادشاہ اور خدا کا خلیفہ ہے۔ لیکن اگر ایسا اتفاق نہ ہو تو دنیا کا فرمانروا صرف وہ حکیم ہوگا جس کو حکمت ذوقیہ میں تو کمال کا درجہ حاصل ہوگا لیکن حکمت بحثیہ میں وہ متوسط درجہ کا حکیم ہوگا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو جو حکیم صرف حکمت ذوقیہ میں کمال رکھتا ہو اور حکمت بحثیہ سے اس کو کوئی سروکار نہ ہو، خدا کا خلیفہ ہوگا، لیکن دنیا کبھی ایسے شخص سے خالی نہیں ہوتی، اور خدا کی زمین میں کبھی ایسے شخص کو فرمانروائی کا منصب حاصل نہیں ہوتا، جو صرف حکمت بحثیہ میں کمال رکھتا ہو، کیونکہ جو شخص صرف حکمت ذوقیہ میں کمال رکھتا ہے، اس سے دنیا کبھی خالی نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ خدا کا خلیفہ ہوتا ہے، اور خلیفہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس کا خلیفہ ہے اس سے براہ راست علم حاصل کر سکے جس طرح بادشاہوں کے وزراء و خلفاء براہ راست بادشاہ سے علم حاصل کر کے حکومت کرتے ہیں، لیکن خداوند تعالیٰ سے براہ راست علم حاصل کرنے کی صلاحیت صرف اہل ذوق اور اہل مشاہدہ ہی میں پائی جاتی ہے، اور ارباب بحث و نظر براہ راست خدا سے علم نہیں حاصل کرتے، بلکہ مقدمات کی ترتیب سے حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے وہ خداوند تعالیٰ کی خلافت کے اہل نہیں ہیں، لیکن دنیا کی ریاست اور خداوند تعالیٰ کی خلافت سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس کو غلبہ حاصل ہو، بلکہ یہ غلبہ تو کبھی اس کو حاصل ہو جاتا ہے (جس طرح تمام انبیاء اور حکیم بادشاہوں مثلاً کیومرث، افریدون کیخسرو، اسکندر اور بعض صحابہؓ کو حاصل تھا) لیکن کبھی کبھی وہ بالکل گمنام ہوتا ہے، اور اسی کو عام طور پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ قطب کہتے ہیں، اور دنیا کا حاکم وہی ہوتا ہے۔ گو وہ کتنا ہی گمنام ہو اور جب تک ریاست کی باگ اس کے ہاتھ میں رہے گی زمانہ پرنور رہے گا۔ (جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور حکمائے الہٰیین کا زمانہ تھا) اور جب زمانہ تدبیر الہٰی سے خالی ہو جائے گا تو دنیا پر تاریکی کا غلبہ ہو جائے گا۔ اور بہترین طالب علم وہ ہیں جو حکمت ذوقیہ اور حکمت بحثیہ دونوں کو حاصل کریں، اس کے بعد حکمت ذوقیہ کے طالب علم کا پھر حکمت بحثیہ کے طالب علم کا درجہ ہے، اور ہماری یہ کتاب حکمتِ ذوقیہ اور حکمتِ بحثیہ دونوں طلبار کے لئے ہے۔ اس لئے حکمت بحثیہ کا وہ طالب علم جس نے حکمتِ ذوقیہ کو حاصل نہیں کیا ہے یا اس کو حاصل نہیں کرنا چاہتا، اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اس کتاب اور اس کتاب کے رموز و اسرار میں ہم صرف اس مجتہد سے بحث کرتے ہیں جو حکمت ذوقیہ میں کمال حاصل کر چکا ہو، یا اس میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہو، اس کتاب کے پڑھنے والے کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اس پر خدائی روشنی کی ایک شعاع پڑ چکی ہو اور اس کو اس کا ملکہ حاصل ہو چکا ہو، ان کے علاوہ کوئی شخص اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اس لیے جو شخص صرف بحث کرنا چاہتا ہے اس کو مشائین کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور ہم اشراقی قواعد کے متعلق اس سے کوئی گفتگو اور بحث و مباحثہ کرنا نہیں چاہتے کیونکہ حکمائے اشراقین کا کام بغیر سوانح نوریہ کے چل ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ بعض اشراقی قواعد (جو اس کتاب میں مذکور ہیں) وہ ان ہی انوار پر مبنی ہیں، یہاں تک کہ اگر ان کو ان اصول میں شک پیدا ہو جائے تو وہ صرف اس روح سے زائل ہو سکتا ہے جو بدن سے الگ ہو کر مبادئ عقلیہ اور سوانح نوریہ کا مشاہدہ کرے، جس طرح ہم نے محسوسات کا مشاہدہ کر کے ان کے بعض حالات پر یقین کیا۔ پھر ان محسوسات مشاہدہ اور حالات یقینیہ پر بعض صحیح علوم مثلاً ہیئت وغیرہ کی بنیاد رکھی، بعینہٖ اسی طرح ہم نے بہت سی روحانی چیزوں کا مشاہدہ کیا اور ان پر علوم الہیہ اور اسرار ربانیہ کی بنیاد رکھی، لیکن جس کو یہ مشاہدہ حاصل نہیں ہے (بلکہ اس کو صرف بحث و نظر پر اعتماد ہے) اس کا فلسفہ ناقابلِ اعتماد ہے اور اس کو بہت سے شکوک و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شبہات پیش آئیں گے "

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ

(۱) شیخ الاشراق اپنے آپ کو خدا کا خلیفہ اور دنیا کا فرمانروا سمجھتے تھے، اس لیے ان کی نسبت جو سیاسی بدگمانیاں کی گئیں اور جو ان کے قتل کا ایک سبب ہوئیں، بالکل بے بنیاد نہ تھیں

(۲) وہ حکمائے ایران کے سخت معتقد تھے، اور ان کے فلسفہ کو زندہ کرنا چاہتے تھے، اس کتاب کے مختلف مقامات پر زردشت وغیرہ کا نام نہایت ادب و احترام سے لیا ہے، اور ان کے فلسفیانہ نظریات کی تائید کی ہے، ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ "تمام حکمائے ایران اس پر متفق ہیں کہ عالم نور میں ہر نوع کا ایک پروردگار ہے، اور انہوں نے ہر ایک کا نام متعین کیا ہے، ان کے یہاں پانی کے پروردگار کا نام خرداد اور درختوں کے پروردگار کا نام مرداد اور آگ کے پروردگار کا نام اردی بہشت ہے " دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ "آگ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں اور تمام عناصر سے زیادہ حرکت اور حرارت پائی جاتی ہے، زندگی کی حقیقت سے زیادہ قربت رکھتی ہے، اندھیری راتوں کی وحشت کو دور کرتی ہے، اور عناصر سے زیادہ غلبہ کی قوت رکھتی ہے، مجردات نوریہ سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اور نور انسانی یعنی روح کی بھائی ہے، اور آگ اور روح سے خلافت صغریٰ اور خلافت کبریٰ کی تکمیل ہوتی ہے، اسی لیے ایرانیوں نے قدیم زمانے میں اس کی طرف خاص توجہ کی اور کل انوار خواہ وہ عقلی روحانی ہوں خواہ عرضی جسمانی شرعاً واجب التعظیم ہیں۔

مسلمانوں میں سینکڑوں فلسفی گزرے ہیں لیکن فلسفہ سے جو ان کو دلچسپی تھی وہ صرف علمی حیثیت سے تھی، خود فلسفہ پر ان کا اعتقاد نہ تھا، لیکن شیخ الاشراق ایک ایسے فلسفی تھے جن کا اعتقاد بھی وہی تھا جو ان کا فلسفہ تھا، چنانچہ حکمۃ الاشراق کے شارح محمود بن مصلح الشیرازی اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ "شیخ الاشراق کا یہی فلسفہ ہے جس پر ان کا اعتقاد و اعتماد ہے " اس بنا پر فقہاء نے ان پر کفر والحاد کا جو فتویٰ لگایا وہ صحیح تھا، لیکن بایں ہمہ ان کے زمانے میں ان کا فلسفہ لوگوں میں مقبول تھا، اور اس حیثیت سے ان کو خاص شہرت حاصل تھی، چنانچہ موافق الدین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللطیف بغدادی جو ۵۸۵ھ کے بعد موصل میں آئے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ۵۸۵ھ کے بعد جب بغداد میں کوئی قابل اعتماد عالم باقی نہ رہا تو میں موصل میں آیا۔ اور وہاں متصل ایک سال تک مقیم رہ کر علمی اشتغال میں مشغول رہا۔ یہاں میں نے لوگوں سے سنا کہ شہاب سہروردی متعلف کا ذکر بڑے طمطراق سے کرتے ہیں، اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ قدماء و متاخرین دونوں پر فوقیت رکھتے ہیں، اور ان کی تصنیفات کو قدماء کی تصنیفات پر تفوق حاصل ہے، اس لیے میں نے ان سے ملنے کا ارادہ کیا، اس کے بعد میں نے ابن یونس سے جو بہت بڑے فلسفی تھے اور شیخ الاشراق سے عقیدت رکھتے تھے، ان کی کچھ کتابیں مانگیں، اور مجھ کو ان کی چند کتابیں یعنی تلویحات اور لمحہ اور معارج مل گئیں، لیکن ان میں مجھ کو ایسے مسائل ملے جو اس زمانہ کے لوگوں کی جہالت پر دلالت کرتے تھے، میرے پاس بہت سی یادداشتیں ایسی تھیں جن کو میں پسند نہیں کرتا تھا، لیکن وہ بھی اس احمق کے کلام سے بہتر تھیں، وہ اپنی کتابوں میں چند حروف مقطعات کو جمع کرکے اپنے جیسے احمقوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ اسرار الٰہیہ ہیں [1]

لیکن ان کو شیخ الاشراق کی اصل کتاب جس میں انہوں نے فلسفۂ اشراق کے تمام مسائل کی تشریح کی ہے نہیں ملی ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ یہ بہترین روحانی فلسفہ ہے جو بعد میں بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ ساتویں صدی میں یہ کتاب (حکمۃ الاشراق) اس قدر مقبول ہوئی کہ علامہ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی المتوفی ۷۱۰ھ نے اس کی شرح لکھی، اور اس شرح پر مولانا عبدالکریم المتوفی ۱۰۱۹ھ نے فارسی میں ایک حاشیہ لکھا، بعض کتابوں میں ہے کہ علامہ سید شریف جرجانی نے بھی اس کی شرح لکھی تھی [2]

---

[1] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۲۰۴ [2] کشف الظنون ج اول ص ۵۰۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵)

مسلمانوں میں یونانی علوم وفنون کی اشاعت کی تاریخ

مشرق میں یونانی علوم وفنون کی اشاعت کا اصلی سبب اسکندر اعظم کی وہ فتوحات ہیں جو اس نے نہایت وسیع پیمانے پر ایشیا اور افریقہ میں حاصل کیں، ان فتوحات کی بدولت مصر، لیبیا، شام، فلسطین، عراق، ایران، ترکستان، افغانستان، بلوچستان، ہندوستان غرض ایشیا افریقہ اور فارس کے اکثر حصوں پر اس کا اقتدار قائم ہوگیا، اور اس نے سیاسی مصالح کی بنا پر معاشرتی، تمدنی اور علمی حیثیت سے یونان اور ان مفتوحہ ممالک میں رابطہ وعلاقہ پیدا کرنا چاہا، اس غرض سے یونانیوں کو ان ممالک میں آباد کیا، اور یونان کے علماء وفضلاء کو یونانی علم وادب کی اشاعت کی ترغیب دلائی، جو یونانی حکام اسکندر کی طرف سے ان ممالک میں مقرر تھے، انہوں نے بھی اس کی تقلید کی، اور اس طرح مشرقی ممالک میں یونانی تمدن اور یونانی علوم عام طور پر پھیل گئے، اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد مشرق کے بہت سے شہر یونانی علوم وفنون کے مرکز بن گئے، جن میں اسکندریہ، جندیساپور اور حران کو خاص طور پر اہمیت حاصل تھی۔

اسکندریہ

مصر میں اسکندریہ اہل یونان کا دار السلطنت تھا، اور فلسفیانہ مذاہب میں اسکندرانی مذہب یا افلاطون، ارسطو اور رواقیین کے خیالات کی آمیزش سے افلاطونیت جدیدہ کی بنیاد نہیں قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی، جس کا بانی ایک مصری حکیم افلوطین (سنہ ۲۰۵ء۔ سنہ ۲۶۹م) تھا اور اس نے اس جدید فلسفیانہ مذہب میں خاص طور پر روحانیت کی آمیزش کی تھی، فلسفہ کے علاوہ علم و ادب کی دوسری شاخوں کو بھی اسکندریہ میں نشوونما حاصل ہوئی، اور یہ تمام علوم وفنون اسکندریہ سکول کے اجزا بن گئے، اور اسکندریہ کے مشہور کتب خانے نے جس کے جلانے کا الزام عیسائیوں نے مسلمانوں پر لگایا ہے، اسکندریہ میں فلسفہ کی اشاعت و ترقی میں خاص طور پر مدد دی۔

یہ سکول سنہ ۳۰۶ ق م سے سنہ ۶۴۲ ب م تک قائم رہا، اور مؤرخین نے اس کی زندگی کے دو دور قائم کئے ہیں۔ ایک دور بطالسہ کی حکومت کے قائم ہونے سے رومیوں کے غلبہ کے زمانے یعنی سنہ ۳۰۶ ق م سے سنہ ۳۰ م تک اور دوسرا دور سنہ ۳۰ م سے سنہ ۶۴۲ م تک قائم رہا، اور اسی سنہ میں مسلمانوں نے اسکندریہ کو فتح کیا، اور اس دور میں افلاطونیت جدیدہ کو اسکندریہ میں خاص طور پر فروغ حاصل تھا، اور دونوں دوروں میں یہ سکول اپنے اردگرد کے شہروں کو اپنی علمی روشنی سے منور کرتا رہا۔

اسکندریہ میں عیسائی مذہب رومی دورِ حکومت میں پھیلا، اس لیے قدرتی طور پر عیسائیت کا مقابلہ فلسفہ سے ہوا اور عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبیعت، ان کے ناسوت اور ان کے لاہوت وغیرہ کے متعلق بحثیں پیدا ہو گئیں، اور انہوں نے ان مباحث میں منطق اور الٰہیات کے مسائل سے مدد لی، اور اس طرح عیسائیت اور فلسفہ میں باہم آمیزش پیدا ہو گئی، اور رفتہ رفتہ مشرق کے تمام اطراف میں اس کا رواج ہو گیا، اور تمام اہل کلیسا، عیسائیت کی تعلیم فلسفیانہ انداز میں یا فلسفہ کی تعلیم عیسائی مذہب کے قالب میں دینے لگے، اس لیے جب عیسائیت اور فلسفہ میں باہم تعارض ہوا تو دونوں میں تطبیق کی ضرورت پیش آئی، مثلاً عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، لیکن باپ بیٹے پر مقدم ہوتا ہے، اس لیے خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے موجود تھا، اور فلسفہ کی رو سے خدا کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ جبکہ ایک زمانے میں باپ نہ تھا، دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانے میں باپ کیونکر ہوگیا؟ اس تعارض کے دفع کرنے کے لیے انہوں نے بیٹے کی ایسی تفسیر کی جو فلسفہ کے بالکل مطابق تھی۔

اس طرز نے مسلمانوں کی طرح عیسائیوں میں بھی متکلین کا ایک مستقل گروہ پیدا کر دیا، جو عیسائیت اور فلسفہ میں تطبیق دیتا تھا، چنانچہ ایک عیسائی حکیم ابوالخیر الحسن بن سوار نے جو ۳۳۱ھ میں پیدا ہوا اور سریانی زبان سے عربی زبان میں بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا فلسفہ اور عیسائیت کی تطبیق میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی [۱] جبرئیل بن عبیداللہ بن بختیشوع نے بھی ایک کتاب لکھی تھی، جس میں انبیاء اور فلاسفہ کے اقوال میں تطبیق دی تھی اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے۔

ھو کتاب لم یعمل فی الشریعۃ مثلہ [۲] — شریعت میں اس کے مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

اس عقلی اور فلسفیانہ دور کو نسطوری عیسائیوں نے جو سریانی زبان میں تعلیم دیتے تھے اور یونانی کتابوں کا سریانی زبان میں ترجمہ کرتے تھے پیدا کیا، اور مشرق میں اپنی تعلیمات کی اشاعت کی مصر اور اسکندریہ کے کلیسا یعقوبی مذہب کے پابند تھے، اور ان کی زبان سریانی اور قبطی تھی، لیکن نسطوری عیسائیوں نے ایشیا میں سریانی زبان میں فلسفہ کا جو ذخیرہ پیدا کر دیا تھا وہ مصر کے یعقوبی عیسائیوں کی فلسفیانہ پیداوار سے بہت زیادہ تھا، کیونکہ ایشیا بالخصوص عراق میں خود عیسائیوں کے مختلف فرقوں اور عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں میں مذہبی بحث و مناظرہ کا زیادہ رواج تھا۔

اسکندریہ کے اسکول نے طب، کیمیا اور علوم طبیعہ میں زیادہ شہرت حاصل کی، اور اسلامی فتح کے زمانے تک اس کی یہ شہرت قائم تھی، البتہ ان تمام مباحث میں سحر اور طلسمات علم نجوم

---

[۱] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۲۳ [۲] ایضاً ص ۱۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی آمیزش پائی جاتی تھی، اور مصر کے یعقوبی عیسائی افلاطونیت جدیدہ، تصوف اور راہبانہ زندگی کی طرف زیادہ مائل تھے، اس کے بخلاف ایشیا کے نسطوری عیسائیوں کا میلان منطق اور فلسفیانہ خیالات کی طرف تھا، اور روحانیت اور راہبانیت کی طرف وہ بہت زیادہ مائل نہ تھے۔

جندلیسا پور

جندلیسا پور کی بنیاد سا بور اول نے ڈالی اور اس نے اس میں رومی قیدیوں کو آباد کیا، اور غالباً اسی وجہ سے وہ بعد کو یونانی علوم و فنون کا مرکز بن گیا، اس کے بعد نوشیرواں نے اس میں طب کا مشہور مدرسہ قائم کیا، جس میں یونانی علوم و فنون آرامی زبان میں پڑھائے جاتے تھے، اور یونانی علوم و فنون کے ساتھ پہلوی زبان میں ہندی علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، اور بعض ہنود اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں اس شہر کے آباد ہونے کی جو تاریخ بیان کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر کیونکر یونانی علوم و فنون کا مرکز بن گیا، وہ لکھتا ہے کہ جندلیسا پور کے اطباء نے اکاسرہ کے زمانے سے فن طب میں مہارت حاصل کی اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ سابور بن اردشیر نے جب انطاکیہ اور شام کو فتح کیا تو اس نے فیلپ قیصر روم سے اس شرط پر مصالحت کی کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی اس کے ساتھ کر دے ہے، قیصر روم نے اس شرط کو قبول کر لیا، لیکن لڑکی کے آنے سے پہلے سابور نے اس کے لیے قسطنطنیہ کی شکل کا ایک شہر تعمیر کیا، جس کا نام جندلیسا پور رکھا، کیونکہ اس سے پہلے وہ ایک شخص جندا نامی کا گاؤں تھا، سابور نے اس کو اس شہر کے لیے انتخاب کیا، تو اس کو نہایت گراں قیمت پر خریدنا چاہا، لیکن جندا نے اس کے فروخت کرنے سے انکار کیا، اور اس شرط پر شہر کے آباد کرنے کی اجازت دی کہ اس کو بھی اس کی تعمیر میں شرکت کا موقع دیا جائے۔ اس لیے جب آنے جانے والے لوگ معماروں سے پوچھتے تھے کہ اس شہر کو کون تعمیر کرا رہا ہے تو لوگ جندا اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سابور کا نام ایک ساتھ لیتے تھے، اور ان ہی دونوں ناموں کی ترکیب سے اس شہر کا نام جندیساپور پڑگیا، شہر کے آباد ہونے کے بعد جب قیصر روم کی لڑکی اس میں آئی تو روم سے ہر قسم کے ضروری اشخاص بھی اس کے ساتھ آئے جن میں بہت سے حذاق اطباء بھی تھے، ان لوگوں نے اس شہر میں قیام کیا، تو وہاں کے نوجوانوں کو اس کی تعلیم دینی شروع کی۔ اور انہوں نے رفتہ رفتہ اس فن میں اس قدر ترقی کرلی کہ تمام لوگوں میں ممتاز ہوگئے، اور ایک جماعت کے نزدیک ان کا طریقہ علاج یونان اور ہندوستان کے طریقۂ علاج سے بھی بڑھ گیا، کیونکہ انہوں نے ہر گروہ کی نمایاں خصوصیات کو لے کر اپنے استنباطات سے ان میں بہت کچھ اضافہ کرلیا تھا، بہت سے اصول و قوانین مرتب کیے تھے اور کتابیں تصنیف کی تھیں، جن میں ہر قسم کی عمدہ باتیں جمع کی تھیں، یہاں تک کہ ایک سال کسریٰ کے حکم سے جندیساپور کے تمام اطباء ایک جگہ جمع ہوئے اور ان میں بہت سے علمی مسائل پر جن سے ان کے علم و فضل کا اظہار ہوتا تھا بحثیں ہوئیں، خلفائے عباسیہ کے ابتدائی زمانے تک جندیساپور کی یہ طبی شہرت قائم رہی، اور منصور نے اپنے خاص علاج کے لیے یہیں سے ایک مشہور عیسائی طبیب جورجیس بن بختیشوع کو طلب کیا[1] جو جندیساپور کا افسر اطباء تھا اور وہاں کے شفاخانے کا افسر تھا[2]

حران

حران شمالی عراق میں ایک نہایت قدیم شہر تھا، جس نے یونان، روم، عیسائیت اور اسلام سب کا زمانہ پایا تھا، اسکندر نے اپنے عہد حکومت میں شمالی عراق کے اس حصے میں مقدونیہ کے بہت سے باشندوں کو آباد کرایا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرانیوں کے اکثر دیوتاؤں کے نام یونانی ہوگئے۔ عیسائیت کے ابتدائی دور میں شمالی عراق میں جس میں حران بھی شامل تھا۔

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۹۳ و [2] ایضاً ص ۱۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہاں کے اصل باشندے یعنی سریانی، بہت سے مقدونی، یونانی اور عرب آباد تھے، لیکن جب عیسائیت کو غلبہ حاصل ہوا، اور وہ رومیوں کا سرکاری مذہب قرار پائی تو عیسائیوں نے حرانیوں کو بجبر عیسائی بنانا چاہا، لیکن اس میں ان کو ناکامی ہوئی اور وہ بت پرستوں کا شہر قرار پایا، اور جو یونانی وغیرہ عیسائی مذہب قبول کرنا نہیں چاہتے تھے، وہ بھاگ بھاگ کر حران میں آباد ہونے لگے۔

اسلامی عہد سے پہلے حران کے باشندے صابی نہیں کہے جاتے تھے، بلکہ صابی اس قوم کا نام تھا جس کا مذہب یہودی اور عیسائی مذہب کا مخلوط مجموعہ تھا، اور وہ واسط اور بصرہ کے درمیان مقام بطحیہ میں آباد تھی، حران کے باشندوں نے صابی کا لقب مامون کے دور حکومت میں اختیار کیا[1]

بہرحال حران یونانی علوم وفنون کا بہت بڑا مرکز تھا، البتہ جندیساپور کے سکول میں طب اور فلسفہ نے بہت زیادہ ترقی کی تھی، اور حران میں ریاضیات اور فلکیات کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا تھا، جس کی وجہ غالباً حرانیوں کی ستارہ پرستی تھی۔

اسلامی دور تک یہ تینوں اسکول قائم تھے، اور مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی اشاعت ان ہی تینوں اسکولوں کے ذریعہ سے ہوئی، اور ان میں سب سے پہلے مسلمان اسکندریہ اسکول سے آشنا ہوئے، کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب اسکندریہ فتح ہوا، تو اس وقت اسکندریہ کا سب سے بڑا فلسفی یحییٰ نحوی زندہ تھا، جو ابتدا میں یعقوبی مذہب کا عیسائی اور اسکندریہ کے گرجے کا پادری تھا، لیکن جب اس نے فلسفہ وحکمت کی تعلیم حاصل کی تو تثلیث کے عقیدہ سے برگشتہ ہو گیا، کیونکہ فلسفیانہ حیثیت سے ایک کا تین اور تین کا ایک ہونا اس کے نزدیک محال تھا، اس پر عیسائیوں سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے، لیکن وہ اس عقیدے کو تسلیم نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ عیسائیوں نے اس سے پادری کا عہدہ چھین لیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے مصر اور اسکندریہ کو فتح کیا، تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان کو اس کے علم وفضل، اس کے عقیدے اور عیسائیوں کے ساتھ اس کے مناظرات کا علم ہوا، اور تثلیث کے ابطال اور زمانے کے فانی ہونے کے متعلق اس کے مباحث سنے، اور اس کے منطقی دلائل اور فلسفیانہ الفاظ جو اب تک اہل عرب کے لیے بالکل نامانوس تھے، ان کے کانوں میں پڑے تو وہ اس کے گرویدہ ہو گئے، اور اس کو اپنا ہمدم و ہمنشیں بنا لیا [1]

اسکندریہ سکول کی یہ پہلی فلسفیانہ آواز تھی، جو مسلمانوں کے کانوں میں پڑی۔ لیکن اس کا علمی اثر خلافتِ راشدہ کے بعد بنو امیہ کے زمانے میں ظاہر ہوا۔ اور خالد بن یزید المتوفی ۸۵ھ نے اس سے طب کی تعلیم حاصل کی، کیونکہ شہرزوری کی روایت کے مطابق وہ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے زمانے تک زندہ رہا۔ بہرحال یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بنی امیہ کے زمانے میں فلسفیانہ تعلیم کی ابتدا، خالد بن یزید سے ہوئی، اور اس نے اسکندریہ سکول سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا۔ خالد بن یزید کو فن کیمیا سے خاص طور پر دلچسپی تھی، کیونکہ وہ خلافت سے محروم کر دیا گیا تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ نہایت بلند حوصلہ اور فیاض تھا، اس لیے یہ بلند حوصلگی اور فیاضی قائم رکھنے کے لیے اس کو مال و دولت کی ضرورت تھی، جس کا ایک ذریعہ یہی علم کیمیا تھا، چنانچہ جب اس سے فن کیمیا کے ساتھ اس شغف کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ اس سے میرا مقصد صرف اپنے دوستوں کو دولتمند بنانا ہے، کیونکہ میں خلافت کی توقع رکھتا تھا جس سے محروم کر دیا گیا، اور اب اس کی تلافی صرف فن کیمیا سے ہو سکتی ہے۔ تاکہ اپنے ثنا ساؤں کو شاہی دروازے کی گداگری سے بے نیاز کر دوں [2] اس غرض سے اس نے ان یونانی فلسفیوں کو جو مصر میں رہتے تھے اور عربی زبان

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۲ [2] فہرست ابن ندیم مطبوعہ مصر ص ۴۹۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدلتے تھے جمع کیا، اور ان سے فن کیمیا کی ان کتابوں کا جو یونانی اور قبطی زبان میں تھیں، عربی میں ترجمہ کرایا، اور اسلامی عہد میں یہ پہلا ترجمہ تھا جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کیا گیا[1]

اسکندریہ کا سب سے زیادہ مشہور طبیب اصطفن تھا جس نے خالد بن یزید کے لیے کیمیا وغیرہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا[2]

اصطفن جن حکماء میں شامل تھا، ان کو اسکندرانی کہتے ہیں، پھر ان حکماء کے بعد اسکندریہ میں علوم حکمیہ کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ عبد الملک بن ابجر کنانی سے قائم ہوا، جس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھ پر ان کی گورنری کے زمانے میں اسلام قبول کیا، اور وہ طب میں ان کا معتمد خاص ہوا، پھر جب وہ ۹۹ھ میں خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے اس تعلیمی سلسلے کو انطاکیہ اور حران میں منتقل کرلیا۔ اور وہ تمام ملکوں میں پھیل گیا[3]

لیکن اسکندریہ سکول کا اثر صرف بنو امیہ کے زمانہ تک قائم رہا۔ اور خلفائے عباسیہ کے دور حکومت تک تجاوز نہ کرسکا۔ عباسی دور میں اسکندریہ کے صرف ایک عیسائی طبیب بلیطیان کے نام کا پتہ چلتا ہے، جو منصور کی خلافت کے چوتھے سال اسکندریہ کا پادری مقرر ہوا، اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے دور خلافت میں عبید اللہ بن مہدی کو مصر کا گورنر مقرر کیا تو اس نے ہارون الرشید کی خدمت میں ایک نہایت حسین و جمیل کنیز ہدیۃً بھیجی جس پر ہارون الرشید فریفتہ ہوگیا۔ وہ ایک بار سخت بیمار پڑی، اور اطباء کے علاج سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو لوگوں نے ہارون الرشید کو مشورہ دیا کہ مصر سے کسی طبیب کو بلوائے۔ وہ اطبائے عراق سے بہتر اس کا علاج کرسکے گا۔ ہارون الرشید نے عبید اللہ بن مہدی کو اس کے لیے لکھا۔ اور اس نے اسی بلیطیان کا انتخاب کیا۔ بلیطیان مصر سے روانہ ہوا تو مصر سے چند

---

[1] فہرست ابن ندیم مطبوعہ مصر ص ۴۹۷ [2] ایضاً ص ۴۹۷ [3] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوائیں ساتھ لیتا آیا، اور بغداد میں پہنچ کر کنیز کو یہ دوائیں کھلائیں تو وہ بالکل صحیح و تندرست ہوگئی، ہارون الرشید نے بلیطیان کو بہت سا مال دیا، اور ایک فرمان لکھ دیا کہ فرقہ یعقوبیہ نے جس قدر گرجوں پر قبضہ کر لیا ہے وہ سب بلیطیان کو واپس دے دیئے جائیں۔ چنانچہ بلیطیان مصر واپس آیا تو فرقہ یعقوبیہ سے بکثرت گرجے واپس لیے لے

بلیطیان کے علاوہ عباسی دور میں اسکندریہ کے اور کسی طبیب یا فلاسفر کا پتہ نہیں چلتا جس کے قیاسی وجوہ حسب ذیل ہو سکتے ہیں:۔

(۱) مصر عراق سے دور تھا، اس کے بخلاف حران اور جندیسا پور عراق سے قریب تھے، اس لیے عباسی دور پران دونوں اسکولوں کا اثر زیادہ پڑا۔

(۲) اسکندریہ اسکول کے فلسفہ میں سحر، طلسمات اور رہبانیت و تصوف کے اجزاء شامل تھے، اس کے بخلاف حران اور جندیسا پور کا فلسفہ تمدنی اور دنیوی علوم کو شامل تھا۔ اس لیے وہ عراق اور خلافتِ عباسیہ جیسے متمدن ملک اور ترقی پسند حکومت کے لیے موزوں تھا۔

(۳) اسلام سے پہلے ہی اسکندریہ اسکول کمزور ہو چلا تھا، اور وہاں کا علمی ذخیرہ جو کتب خانۂ اسکندریہ میں ایک مدت سے محفوظ چلا آتا تھا، اسلام سے پہلے ہی برباد ہو چکا تھا، اس لیے اسلامی عہد میں اس کی مرکزیت کو اور بھی زیادہ صدمہ پہنچا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں انطاکیہ، حران اور دوسرے شہر فلسفیانہ تعلیم کے مرکز قرار پائے ٢ھ

ان اسباب سے عباسی دورِ حکومت میں فلسفہ و حکمت کی اشاعت زیادہ تر جندیسا پور اور حران کے سکول سے ہوئی، بالخصوص اہل عرب پر جندیسا پور کا اثر اموی اور عباسی دورِ حکومت سے پہلے ہی پڑنے لگا تھا، چنانچہ حارث بن کلدہ نے جو خود عہد رسالتؐ میں تھا، اسلام سے پہلے فارس کا سفر کیا تھا، اور اہل جندیسا پور وغیرہ سے طب کی تعلیم حاصل کی تھی، حضرت سعد بن ابی

لے طبقات الاطباء ج ۲ ص ۸۲-۸۳ ٢ھ ایضاً ج اوّل ص ۱۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقاص حجۃ الوداع میں بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حارث ہی کے علاج کا مشورہ دیا، چونکہ وہ مسلمان نہ تھا، اس لیے اس روایت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ طبی امور میں اہل کفر کے مشورہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے [1] اور غالباً اسی روایت کی بناء پر خلفائے امویہ اور عباسیہ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے طبی اور علمی فوائد کے حاصل کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

اس کے بعد عباسی دور خلافت میں اہل جندیسا پور کا اثر ورسوخ خلیفہ منصور کے زمانے میں خاص طور پر بڑھا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۴۸ھ میں منصور کو معدے کی شکایتیں پیدا ہوئیں۔ اور اطباء کے علاج کے باوجود ان میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا، بالآخر اس نے تمام اطباء کو جمع کرکے کہا کہ "میں تمام شہروں کے اطباء میں سے ایک ماہر طبیب کو بلانا چاہتا ہوں" سب نے بالاتفاق جورجیس کا نام لیا، جو اس وقت جندیسا پور کا افسر الاطباء اور وہاں کے شفاخانے کا مہتمم تھا، منصور نے اس کو طلب کیا، اور وہ شفاخانے کو اپنے لڑکے بختیشوع کے سپرد کرکے بغداد اپنے دو شاگردوں یعنی ابراہیم اور عیسیٰ بن شہلا کے ساتھ آیا اور ۱۵۲ھ تک منصور کا طبیب خاص رہا، اس کے بعد بیمار ہوکر اپنے وطن جندیسا پور واپس گیا، اور اپنی جگہ منصور کے علاج کے لیے اپنے شاگرد عیسیٰ بن شہلا کو چھوڑ گیا [2] پھر جورجیس نے جب اس مرض سے شفا پائی تو منصور نے اس کو دوبارہ طلب کیا، لیکن اس نے ضعف کی وجہ سے معذرت کی، اور اپنے ایک دوسرے شاگرد عیسیٰ بن سہار بخت کو بھیجنا چاہا، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوا، اس لیے اس نے ابراہیم کو روانہ کیا، اور عیسیٰ بدستور جندیسا پور کے شفاخانے میں کام کرتا رہا [3]

اس کے بعد خلیفہ مہدی کے زمانے میں اس کا بیٹا ہادی بیمار ہوا، تو اس نے علاج

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۱۱۔۱۱۲ [2] ایضاً ۱۰۹۔۱۱۰۔۱۱۱ [3] ایضاً ص ۱۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے جندلیا پور سے جورجیس کے بیٹے بختیشوع کو طلب کیا، لیکن ہادی کی ماں خیزران کا طبیب خاص ابو قریش تھا، اس لیے خیزران کو یہ ناگوار ہوا کہ ابو قریش کو چھوڑ کر بختیشوع کو علاج کے لیے کیوں طلب کیا گیا، چنانچہ وہ اور ابو قریش دونوں بختیشوع کے درپے ہو گئے اور مہدی کو اس رشک و منافست کا حال معلوم ہوا تو اس نے بختیشوع کو اعزاز کے ساتھ جندلیا پور واپس کر دیا۔ اور وہ ۱۷۱ھ تک وہاں کے شفاخانے کا اہتمام کرتا رہا۔ پھر ہارون الرشید دردِ سر میں مبتلا ہوا، اور اطبائے دربار کے متعلق اپنی بے اعتمادی ظاہر کی، اس پر یحییٰ بن خالد نے کہا کہ ابو قریش آپ کے والد اور والدہ دونوں کا طبیب رہ چکا ہے، لیکن ہارون الرشید نے جواب دیا کہ وہ فن طب کا ماہر نہیں ہے، ہم نے محض خدمات سابقہ کی بنا پر اس کو اپنا طبیب مقرر کر لیا ہے، ہم کو ایک دوسرے ماہر طبیب کی ضرورت ہے یحییٰ نے کہا کہ جب آپ کا بھائی ہادی بیمار ہوا تھا تو آپ کے والد نے جندلیا پور سے بختیشوع کو طلب کیا تھا، لیکن جب ان کو آپ کی والدہ اور ابو قریش کے رشک و حسد کا حال معلوم ہوا، تو جندلیا پور واپس کر دیا۔ اب ہارون الرشید نے اس کو دوبارہ طلب کیا، اور اس کو افسر الاطباء مقرر کیا[1] اس کے بعد ۱۷۵ھ میں جعفر بن یحییٰ بن خالد برمکی بیمار ہوا تو ہارون الرشید نے اس کے علاج کے لیے بختیشوع کو بھیجا، اور جب اس کو صحت ہو گئی تو اس نے بختیشوع سے کہا کہ میرے لیے ایک ماہر طبیب کا انتخاب کر دو، بختیشوع نے اپنے بیٹے جبرئیل کا انتخاب کیا اور وہ جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس نے اپنے مخفی مرض کا اظہار کیا اور جبرئیل کے علاج سے تین دن میں اس کو شفا حاصل ہو گئی، اس کے بعد جبرئیل کو اس قدر رسوخ حاصل ہوا کہ وہ جعفر کا ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو گیا، اسی زمانے میں ہارون الرشید کی ایک کنیز کو ایک مرض لاحق ہوا، جبرئیل نے ایک تدبیر سے آناً فاناً اس کو اچھا کر دیا۔ اب جبرئیل کا اثر و رسوخ اور بڑھ گیا، اور ہارون الرشید نے اس کو پانچ

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاکھ درہم انعام میں دیئے اور افسر الاطباء مقرر کر دیا[1]

جندلیاپور سکول کا ایک مشہور طبیب سابور بن سہل تھا، جو جندلیاپور کے شفاخانے میں مریضوں کا علاج کرتا تھا، متوکل اور اس کے بعد کے خلفاء کے درباروں میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ اور اس نے ۲۵۵ھ میں خلیفہ مہتدی باللہ کے زمانے میں وفات پائی[2]

جندلیاپور سکول کے بعد یونانی علوم و فنون کی سب سے زیادہ اشاعت حرانی سکول کے ذریعہ سے ہوئی، اور اس سلسلے میں ہمارے سامنے سب سے پہلے ثابت بن قرہ حرانی کا نام آتا ہے، جو ۲۲۱ھ میں حران میں پیدا ہوا، پھر بغداد میں آکر مستقل طور پر اقامت اختیار کر لی، ابتداء میں وہ حران میں صرافی کا پیشہ کرتا تھا، محمد بن موسیٰ بن شاکر جو ریاضی و ہندسہ کا بڑا قدردان تھا اور مامون الرشید کی تربیت میں نشو و نما پائی تھی، روم سے واپس ہوا تو اس کی فصاحت کی بناء پر اس کو ساتھ لیتا آیا، اور معتضد کے دربار میں اس کو منجمین کے زمرے میں داخل کر دیا اور اس کے ذریعہ سے عراق میں صابیوں کا اثر و رسوخ بہت زیادہ بڑھ گیا، چنانچہ اخبار الحکماء قفطی میں ہے۔

وھو ادخل ریاسۃ الصابئیۃ الی ارض العراق فثبتت احوالھم وعلت مراتبھم۔	اس نے عراق میں صابیوں کی ریاست کو داخل کیا، اس لیے ان کا رسوخ بڑھ گیا۔ اور ان کا درجہ بلند ہوا۔

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ خلیفہ موفق باللہ نے ناراض ہو کر اپنے بیٹے معتضد کو اسماعیل بن بلبل کے گھر میں قید کر دیا تو اسماعیل نے اس کی دلبستگی اور تسلی کے لیے ثابت بن قرہ کو مقرر کر دیا، اس لیے وہ روزانہ تین بار قید خانہ میں جاتا تھا، اور اس کو فلسفیوں کے حالات سناتا تھا، اور ہندسہ و نجوم کے متعلق گفتگو کرتا تھا، معتضد کو اس

---

[1] اخبار الحکماء قفطی تذکرۂ جبرئیل بن بختیشوع ص ۹۳-۹۴ و [2] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی، اور جب قید سے رہائی حاصل کر کے خلیفہ مقرر ہوا، تو اس کے لیے بڑی بڑی جاگیریں مقرر کیں، اور اس کے بعد اس کے دربار میں اس کا غیر معمولی رسوخ واثر قائم ہوگیا، ثابت نے ۲۸۸ھ میں وفات پائی، اور اپنی یادگار میں بکثرت کتابیں جن کی طویل فہرست اخبار الحکماء قفطی میں مذکور ہے، چھوڑی [۱]

اس کے بعد ثابت بن قرہ کے بیٹے سنان بن ثابت نے طب و ہندسہ میں اپنے باپ کی طرح بہت زیادہ ناموری حاصل کی اور پہلے مقتدر باللہ کا پھر قاہر باللہ کا طبیب خاص مقرر ہوا، قاہر باللہ نے اس کو مسلمان بنانا چاہا، لیکن اس نے پہلے تو شدت کے ساتھ انکار کیا، پھر اس کے خوف سے مسلمان ہوگیا، اور اسی حالت میں ۳۳۱ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ مقتدر باللہ نے اس کو افسر الاطباء بنا دیا تھا [۲]

سنان بن ثابت کے بیٹے ابراہیم بن سنان بن ثابت نے بھی علوم طبیہ بالخصوص علم ہندسہ میں بہت زیادہ شہرت حاصل کی، اور اس علم میں متعدد کتابیں لکھیں، وہ ۲۹۶ھ میں پیدا ہوا، اور ۳۳۵ھ میں بمقام بغداد وفات پائی [۳]

حران کا اور ایک مشہور طبیب ابو اسحاق ابراہیم بن زہرون حرانی تھا، جس نے بغداد میں ۳۰۹ھ میں وفات پائی [۴]

ابراہیم بن زہرون حرانی کے بیٹے ابوالحسن ثابت بن حرانی نے بھی طب میں بہت زیادہ شہرت حاصل کی، وہ ۲۸۳ھ میں پیدا ہوا، اور ۳۶۵ھ میں بمقام بغداد انتقال کیا، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی طبی مہارت کے متعلق بہت سے دلچسپ واقعات نقل کیے ہیں [۵]

---

[۱] ثابت بن قرہ کا حال اخبار الحکماء قفطی ص ۸۰ اور طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۱۵ میں مذکور ہے۔

[۲] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۳۰ [۳] ایضاً ص ۳۴۳ و طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۲۶ [۴] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۲۱ [۵] ایضاً ص ۲۲۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرانیوں میں ہندسہ، ہیئت اور نجوم کا سب سے بڑا ماہر ابوجعفر محمد بن سنان بن جابر حرانی تھا جس کی نسبت قفطی نے اخبار الحکماء میں لکھا ہے کہ زمانۂ اسلام میں ستاروں کی رصد کا کوئی عالم اتنا بڑا پیدا نہیں ہوا، وہ بغداد میں آیا اور ۲۶۴ھ سے ۳۰۶ھ تک ستاروں کی رصد میں مشغول رہا، بغداد سے واپس ہوا تو ۳۱۷ھ میں راستے ہی میں وفات پائی [1]

اہل حران میں ابواسحاق ابراہیم بن ہلال بن ابراہیم صابی نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی اور خلفائے عباسیہ کے بعد سلاطین بنی بویہ کے دربار میں خاص طور پر رسوخ حاصل کیا۔ وہ ۳۱۳ھ میں پیدا ہوا، اور بغداد میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور ہندسہ اور ہیئت کے علاوہ نظم و نثر میں خاص طور پر امتیاز حاصل کیا، اس کے رسائل فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ سمجھے جاتے ہیں، اسی لیے وہ صاحب الرسائل کے لقب سے مشہور ہے، بغداد میں شرف الدولہ بن عضد الدولہ نے ریجن بن رستم قوہی کے اہتمام میں ستاروں کی جو رصد کرائی، ان میں جو علماء شامل تھے ان ہی میں ابراہیم بن ہلال بھی تھا، ابراہیم بن ہلال نے بغداد میں ۳۸۴ھ میں وفات پائی، اور شریف رضی نے اس کا ایک طویل مرثیہ لکھا [2]

ابراہیم بن ہلال صابی کے چچا ثابت بن ابراہیم نے بھی عضد الدولہ کے زمانے میں طبی حیثیت سے نہایت شہرت حاصل کی، اور ایک موقع پر اس کی نباضی کے کمال کو دیکھ کر ایک شخص نے صاف کہہ دیا کہ یہ نبوت ہے۔ طب نہیں ہے، وہ ۲۸۳ھ میں پیدا ہوا اور ۳۶۹ھ میں وفات پائی [3]

ان تینوں سکولوں کے علاوہ ایرانی اور ہندوستانی حکماء و اطباء کے ذریعہ سے بھی مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی اشاعت ہوئی۔ چنانچہ ایرانیوں میں سب سے پہلے عبداللہ بن مقفع نے

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۸۴، ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۵۴ - ۵۵ [3] ایضاً ص ۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو خلیفہ منصور کا میر منشی تھا، منصور کے لیے ارسطو کی تین منطقیانہ کتابوں یعنی قاطیقوریاس باری ارمیناس، انالوطیقا اور فرفوریوس صوری کی کتاب ایساغوجی کا ترجمہ کیا [1]

ایرانیوں میں ایک شخص حسن بن موسیٰ نوبختی تھا، جو خود بہت بڑا متکلم اور فلسفی تھا، او رمترجمین کی ایک جماعت مثلاً ابوعثمان دمشقی، اسحاق اور ثابت وغیرہ سے فلسفیانہ کتابوں کا ترجمہ کرداتا تھا [2]

ہندوستان کے حکماء و اطباء میں علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں بہت سے حکما، مثلاً گنگا، صنجہل، باکھر، راجہ منکڈ اہر، انکر، زنکل، جبھر، اندی، جاری کے نام گنائے ہیں، اور لکھا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان کے مشہور حکماء اور اطباء میں تھے، اور ان کی اکثر تصنیفات کا عربی میں ترجمہ کیا گیا [3]

ان حکماء و اطباء میں منکہ خاص طور پر ہارون الرشید کے علاج کے لیے آیا اور جب ہارون الرشید کو اس کے علاج سے شفا حاصل ہو گئی تو اس نے اس کے لیے بہت بڑا وظیفہ مقرر کر دیا، وہ فارسی زبان بھی جانتا تھا، اس لیے طبابت کے ساتھ ہندی کتابوں کا فارسی اور عربی زبان میں ترجمہ بھی کرتا تھا، چنانچہ ایک ہندوستانی طبیب شاناق نامی نے زہروں کے متعلق جو کتاب لکھی تھی، اس کا ترجمہ ہندی زبان سے فارسی زبان میں اسی منکہ نے کیا [4]

ان حکماء و اطباء میں اگرچہ زیادہ تر عیسائی اور عیسائیوں کے بعد صابی، پھر ان دونوں کے بعد ایرانی اور ہندو ہیں، لیکن چونکہ مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی ابتدائی اشاعت ان ہی کے ذریعہ سے ہوئی ہے، اس لیے یہ سب کے سب مسلمانوں کی فلسفیانہ تاریخ کا جزو لاینفک ہو گئے ہیں، اور مسلمانوں نے حکماء و اطباء کے حالات میں جو کتابیں

---

[1] اخبار الحکماء ص ۴۹ و طبقات الاطباء ج اول ص ۲۰۸ [2] فہرست ابن ندیم مطبوعہ مصر ص ۲۵۱

[3] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۲ [4] ایضاً ص ۳۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھی ہیں، ان میں حکمائے یونان وروم کے بعد ان ہی کا نام آتا ہے، اور ان کے واقعات زندگی نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں، شہرزوری نے تاریخ الحکمار کی دوسری جلد ان الفاظ سے شروع کی ہے:

"ہم حکمائے قدیم کے حالات کے ساتھ اسلامی حکمار کے مناقب میں بھی چند فصلیں شامل کرنا چاہتے ہیں"

اس کے بعد ان اسلامی حکمار کا تذکرہ حنین بن اسحاق کے نام سے جو ایک عیسائی حکیم تھا، شروع کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے فلسفہ وحکمت کی اشاعت اسی نے کی۔

تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں جو حکمائے اسلام کے حالات میں ایک جدید کتاب ہے لکھا ہے کہ ہم اس ناچیز کتاب میں اسلام کو صرف ایک دین یا عقیدہ نہیں سمجھتے بلکہ ایک مکمل تمدن خیال کرتے ہیں جو عقلی اور عملی زندگی کے تمام مطالب ومعانی کو شامل ہے، اس اصول کے مطابق یہودی، عیسائی، بلکہ تمام آزاد خیال لوگ جنہوں نے تمدن اسلام کے زیر سایہ نشو ونما پائی، اسلامی حکمار ہیں، اور اسی حکیمانہ روش کے مطابق مشرق ومغرب میں خلفائے بنو امیہ، خلفائے عباسیہ اور خلفائے فاطمیین نے غیر مسلم ارباب فکر کو مقرب بارگاہ بنایا اور ان کو سلطنت کے مناصب جلیلہ عطا فرمائے، حالانکہ اور ملکوں کے فرمانروا اس قسم کے لوگوں کو طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے۔

خلفائے بنو امیہ میں اس بے تعصبی کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے سے شروع ہوا اور انہوں نے دمشق کے ایک عیسائی طبیب ابن آثال کو اپنا طبیب خاص مقرر کیا، جس کے ساتھ ان کو بڑی عقیدت تھی، اور شب وروز اس سے گفتگو کیا کرتے تھے [1] امیر معاویہؓ

---

[1] طبقات الاطباء ج اوّل ص ۱۱۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ایک اور معتمد علیہ عیسائی طبیب ابوالحکم تھا، جس کو انہوں نے زمانہ حج میں یزید بن معاویہ کا طبیب مقرر کرکے مکہ بھیجا تھا [1] اس کے بعد خالد بن یزید بن معاویہ کے زمانے میں ان عیسائی حکماء و اطباء کو زیادہ رسوخ حاصل ہوا، اور اس نے ان سے کیمیا وغیرہ کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس کے بعد مروان بن الحکم کے زمانے میں ایک مشہور یہودی طبیب ماسرجویہ نے اہرن قس کی قرابادین کا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا [2] حجاج بن یوسف کے اطبائے خاص میں تاذوقؔ اور تیاذوق کے نام ملتے ہیں، جن میں تیاذوق کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامور اطباء پیدا ہوئے، اور خلافت عباسیہ کے زمانہ تک زندہ رہے، ان ہی میں ایک فرات بن شحناثا یہودی تھا جو منصور کے ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ کا طبیب مقرر ہوا، اور منصور کے زمانہ میں وفات پائی [3]

خلفائے بنو امیہ کے بعد خلفائے عباسیہ کا دور شروع ہوا تو ان کی تعداد اور قدردانی میں اور بھی اضافہ ہوا۔ اور عیسائی اور یہودی اطباء خلفائے عباسیہ کے ہمدم و ہمراز ہوگئے، چنانچہ اطباء کے حالات میں اس قدردانی کے نہایت دلچسپ واقعات مذکور ہیں، مثلاً جبرئیل بن بختیشوع، ہارون الرشید کا طبیب خاص تھا۔ اور اس کو اس کے دربار میں اس قدر رسوخ و اقتدار حاصل تھا کہ ہارون الرشید نے عام طور پر کہہ دیا تھا کہ جن لوگوں کو میرے پاس کوئی حاجت پیش کرنی ہو وہ سب سے پہلے جبرئیل کے سامنے پیش کریں، کیونکہ میں اس کی درخواست کو رد نہیں کرسکتا۔ چنانچہ تمام سپہ سالار اسی کے ذریعہ سے اپنی اپنی حاجتیں پوری کرواتے تھے، ایک بار زمانہ حج میں ہارون الرشید نے اس سے کہا کہ میرے دربار میں

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول ص ۱۱۹ [2] ایضاً ص ۱۶۳ [3] اخبار الحکماء قفطی ص ۶۷

[4] ایضاً ص ۴۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم کو جو اعزاز حاصل ہے اس کا حال تم کو معلوم ہے۔ میں نے موقف میں تمہارے لیے بہت دعا کی۔ اس کے بعد بنو ہاشم کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ غالباً تم نے یہ بات ناپسند کی ہوگی؟ سب نے کہا ہاں، یہ تو ذمی ہے۔ ہارون الرشید نے کہا بے شک لیکن میرے جسم کی صحت کا دارومدار اسی کی ذات پر ہے، اور مسلمانوں کی بہبودی میری ذات پر موقوف ہے اس لیے مسلمانوں کی بہبودی بھی اسی کی ذات پر موقوف ہے، اب سب نے کہا کہ امیرالمومنین سچ فرماتے ہیں [1]

ثابت بن قرہ حرانی خلیفہ معتضد باللہ کے دربار کا مشہور طبیب اور منجم تھا اور معتضد اس کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ ایک بار اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے باغ میں ٹہل رہا تھا کہ دفعتہً نہایت زور سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ الگ کر لیا، معتضد چونکہ نہایت رعب و داب کا آدمی تھا۔ اس لیے ثابت گھبرا گیا، لیکن معتضد نے خود کہا کہ میرے ہاتھ کا آپ کے ہاتھ کے اوپر ہونا مناسب نہ تھا، کیونکہ علما بلند ہوتے ہیں، خود ان پر بلندی حاصل نہیں کی جاسکتی [2]

اگرچہ بعض اوقات سیاسی اور مذہبی اختلاف کی بنا پر ان اطباء سے بدگمانیاں بھی پیدا ہوئیں، لیکن ان اطباء کی مذہبی اور علمی نیک نیتی نے ان کو بہت جلد رفع کر دیا جنہیں ابن اسحاق کے تذکرے میں لکھا ہے کہ جب اس کے علم و فضل کی عام شہرت ہوئی تو خلیفہ نے اس کو طلب کیا اور اس کے لیے جاگیر اور وظیفہ مقرر کر دیا، تاہم چونکہ دل میں شاہ روم (جو عیسائی تھا) کی طرف سے بدگمانی تھی اس لیے جب تک دوسرے اطباء سے مشورہ نہ کر لیتا تھا۔ حنین کا تجویز کردہ نسخہ استعمال نہیں کرتا تھا، اس بدگمانی کے دور کرنے کے لیے اس نے حنین کو امتحان کرنا چاہا، اور اس غرض سے حنین کو طلب کر کے خلعت سے سرفراز کیا اور پچاس ہزار درہم کی جاگیر عطا کی، جس کا حنین نے شکریہ ادا کیا، زیر بار احسان کر لینے کے بعد اس سے کہا کہ

---

[1] طبقات الاطباء ج اول ص ۱۱۸۔۱۳۰ [2] ایضاً ص ۲۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اپنے دشمن کو خفیہ طور پر مار ڈالنا چاہتا ہوں تم ایسی دوا تجویز کرو جس سے وہ مر جائے حنین نے کہا کہ مجھ کو صرف مفید دواؤں کا علم ہے اور مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ امیر المؤمنین کو مضر دواؤں کی بھی ضرورت ہو گی، اس لیے اگر امیر المؤمنین کی یہ خواہش ہے تو میں جا کر مضر دواؤں کا علم حاصل کر سکتا ہوں، خلیفہ نے کہا کہ یہ طویل عمل ہے، پھر اس کو بہت کچھ ترغیب و ترہیب دی، لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ خلیفہ نے اس کو ایک قلعہ میں قید کر دیا، اور وہ سال بھر قید رہا۔ ایک سال کے بعد اس کو پھر طلب کیا، اور اس کے سامنے ایک طرف مال و دولت کا ڈھیر لگا دیا، دوسری طرف تلوار اور سزا کے تمام آلات رکھ دیئے اور کہا کہ ایک زمانہ گذر گیا میں نے جو کچھ تم سے کہا تھا، اس کا پورا کرنا میرے لیے ضروری ہے، اگر تم نے میری خواہش پوری کر دی تو یہ مال تمہارا ہے، اور اگر انکار کیا تو تم کو قتل کر دوں گا، لیکن حنین نے اس بار بھی پہلا جواب دیا اور اپنی بات پر قائم رہا تو خلیفہ نے مسکرا کر کہا کہ تم کو خوش ہونا اور ہم پر اعتماد کرنا چاہیے۔ ہم نے یہ طریقہ صرف تمہاری آزمائش کے لیے اختیار کیا، کیونکہ ہم کو بادشاہوں کی چالوں کا ڈر تھا، اس لیے تمہاری نسبت اپنا اطمینان کر لینا چاہتے تھے۔ تاکہ تمہارے علم سے فائدہ اٹھائیں۔ حنین نے زمین بوسی کی اور خلیفہ کا شکریہ ادا کیا، پھر خلیفہ نے کہا کہ آخر تم ہماری بات کیوں نہیں مانتے؟ حنین نے کہا کہ ایک تو ہمارے مذہب نے دشمنوں کے ساتھ بھی نیکی کرنے کا حکم دیا ہے، پھر ہم دوستوں کے ساتھ کیونکر بدی کر سکتے ہیں، دوسرے ہمارا پیشہ جس کا مقصد بنی نوع انسان کو صرف فائدہ پہنچانا ہے، ہم کو اس کی اجازت نہیں دیتا، خلیفہ پر اس کا خاص اثر ہوا اور اس کو خلعت اور مال عطا فرمایا۔[1]

بہرحال خلفائے اسلام کے درباروں میں ان غیر مسلم اطبا نے طبی ضرورتوں سے رسوخ و اقتدار حاصل کیا، اور اس سے قدرتی طور پر دو عمدہ نتیجے نکلے۔

---

[1] اخبار الحکما قفطی ص ۱۲۱-۱۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) ایک تو یہ کہ شفاخانوں کا نظام جس کی بنیاد سب سے پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ڈالی تھی، بہت زیادہ مکمل ہو گیا، اور متعدد اور مختلف قسم کے شفاخانے قائم ہو گئے جن کی مفصل تاریخ علامہ شبلی مرحوم نے ایک مستقل مضمون میں لکھی ہے لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے موضوع سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتی اس لیے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ ان ہی غیر مسلم اطباء کے ذریعہ سے یونانی علوم و فنون کا ترجمہ ہوا، اول اول طبی کتابوں کے ترجمے ہوئے، چنانچہ سب سے پہلے خالد بن یزید نے کیمیا و طب کی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس کے بعد مروانی دورِ حکومت میں ماسرجویہ یہودی نے اہرن قس کی قرابادین کا ترجمہ کیا، عباسی دور میں ترجمہ کا کام خلیفہ منصور کے زمانے میں شروع ہوا تو سب سے پہلے جورجیس بن جبرئیل نے جس کو منصور نے اپنے علاج کے لیے جندیساپور سے طلب کیا تھا، طبی کتابوں کے ترجمے کیے[۱] منصور کے دربار کا ایک اور مترجم بطریق تھا، جس کو منصور نے قدیم کتابوں کے ترجمہ کا حکم دیا، اور اس نے بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے[۲]

منصور کے دورِ حکومت میں سب سے پہلے ہیئت کی ایک کتاب سدہانت کا سنسکرت زبان سے عربی میں ترجمہ ہوا، جس کو حسب روایت بیرونی ہندوستان کے ایک ریاضی داں عالم نے سندھ کے ایک ڈیپوٹیشن کے ممبر کی حیثیت سے ۱۵۴ھ میں اور قفطی کی روایت کے مطابق ۱۵۶ھ میں منصور کی خدمت میں پیش کیا، اور منصور کے حکم سے اس کا ترجمہ ہوا، اور اس ترجمہ کی مدد سے محمد بن ابراہیم فزاری نے ایک کتاب تیار کی جو سندھ ہند الکبیر کے نام سے مشہور ہوئی[۳]

یہ ترجمے تو براہ راست یونانی، سریانی اور سنسکرت زبانوں سے ہوئے، ان کے علاوہ یونانی، سنسکرت اور خود ایرانی علوم و فنون کا ایک بڑا ذخیرہ فارسی زبان میں تھا، کیونکہ اسلام سے پہلے ایرانیوں نے فارسی زبان میں منطق اور طب کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کر لیا تھا۔

---

[۱] طبقات الاطباء جلد اص ۱۲۳ [۲] ایضاً ص ۲۰۵ [۳] کتاب الہند بیرونی ص ۲۰۸ و اخبار الحکماء قفطی ص ۱۷۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے ان کا ترجمہ عربی زبان میں کیا[١] ان ہی میں ارسطو کی تین منطقیانہ کتابوں یعنی قاطیغوریاس، باری ارمیناس اور انالوطیقا کے ترجمے تھے، جن کو عبداللہ بن مقفع نے عربی زبان میں کیا تھا، اور منطق کی کتابوں کا یہ سب سے پہلا ترجمہ تھا جو منصور کے لیے کیا گیا[٢]

منصور کے عہد میں عبداللہ بن مقفع نے علم اخلاق کی ایک کتاب کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ بھی فارسی زبان سے عربی زبان میں کیا، جو پہلے سنسکرت زبان میں تھی، لیکن نوشیرواں کے عہد میں ایک ایرانی طبیب برزویہ اس کو ہندوستان سے ایران میں لایا، اور فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، اور یہی فارسی ترجمہ تھا جو عبداللہ بن مقفع کے ذریعہ سے عربی زبان میں آیا[٣]

عبداللہ بن مقفع نے تاریخ و اخلاق کی اور بھی متعدد کتابوں کے ترجمے فارسی زبان سے عربی زبان میں کیے، مثلاً خدائی نامہ، آئین نامہ، کتاب التاج، کتاب الآداب الکبیر، کتاب الآداب الصغیر[٤]

عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے فارسی اور پہلوی زبانوں سے ایرانیوں کے قدیم مذاہب مثلاً مانی بن دیصان اور مرقیون کی کتابوں کے بھی ترجمے کیے[٥]

ترجموں کی اس ابتدائی تاریخ کے پیش نظر رکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلفائے اسلام کو ان کتابوں کے ترجمے کا شوق کیوں پیدا ہوا؟ اس کا جواب بیروت کے ایک عیسائی مورخ نوفل آفندی نے اپنی کتاب صناجۃ الطرب میں یہ دیا ہے کہ علم نجوم کے شوق نے خلفائے عباسیہ کو اس طرف مائل کیا، اور اس کا شوق ان کے دلوں میں رومی، ایرانی اور مختلف ملکوں کے طبیبوں نے پیدا کیا، کیونکہ جب تک کوئی شخص منجم نہ ہو طبیب نہیں ہو سکتا، اور جب

---

[١] فہرست ابن ندیم ص ٣٤٣ [٢] اخبار الحکماء قفطی ص ٢٤٣ [٣] طبقات الاطباء جلد ١ ص ٣٠٨
[٤] فہرست ابن ندیم ص ١٧٢ [٥] مسعودی بحواشیہ نفح الطیب جلد ٢ ص ٤٠٨

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی فلسفی نہ ہو منجم نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے لیے جب تک کتاب سدھانت کا ترجمہ نہ ہو لیا، خلفائے عباسیہ نے غیر قوموں کے دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے نہیں کرائے [1]

لیکن ابتدائی زمانے میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے ان میں

(۱) کچھ تو طبی کتابیں ہیں جو طبی ضرورت سے ترجمہ کی گئیں

(۲) کچھ اقلیدس اور طبیعیات کی کتابیں تھیں جن کو منصور نے قیصر روم سے طلب کیا تھا اور ان کتابوں کے متعلق ابن خلدون نے لکھا ہے کہ وہ قیاصرۂ روم کے کتب خانوں میں گمنامی کی حالت میں پڑی ہوئی تھیں، کیونکہ عیسائی مذہب ان کو ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا تھا، لیکن مسلمانوں نے اپنے تمدنی اور علمی عروج کے زمانے میں عیسائی پادریوں اور قسیسوں سے جو ان کی ذمی رعایا تھے، ان کے تذکرے سنے تو ان کے دل میں ان کا شوق پیدا ہوا، اور ابو جعفر منصور نے قیصر روم سے تعلیمی (ریاضی) کتابوں کے ترجمے طلب کیے، اور اس نے اقلیدس اور طبیعیات کی بعض کتابیں بھیجیں اور ان کتابوں کو پڑھ کر مسلمانوں کے دلوں میں دوسرے علوم کا شوق پیدا ہوا [2]

(۳) ان کتابوں کے علاوہ عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے منطق، اخلاق، تاریخ، اور مجوسیوں کے قدیم مذاہب یعنی مانی وغیرہ کی کتابوں کے ترجمے کیے، لیکن کسی کتاب میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ان کتابوں کے ترجمے خلیفہ منصور کے حکم سے کیے گئے تھے بلکہ ان ترجموں کا سبب یہ تھا کہ ایرانیوں کی ایک جماعت اپنے تمدن، اپنے علوم، اپنے اخلاق اور اپنے قدیم عقائد کو مسلمانوں میں پھیلانا چاہتی تھی، اس غرض سے اس نے سب سے پہلے بظاہر اسلام قبول کر کے اسلامی حکومت اور اسلامی جماعت میں اپنا اثر قائم کیا، اس کے بعد علمی ذرائع سے مسلمانوں میں ان

---

[1] صبابۃ الظرف صفحہ ۳۴۳، ۳۴۴ [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۰۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

چیزوں کی اشاعت کی، عبداللہ بن مقفع اسی قسم کے منافقین میں داخل تھا، اور اسی نے زیادہ تر اس نے فارسی اور پہلوی زبانوں سے اس قسم کی کتابوں کے ترجمے کیے، اور ان کو اپنے مقاصد میں بہت کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔

بہرحال ان کتابوں کے ترجمے کو تو علم نجوم سے کوئی تعلق نہ تھا، ان کے علاوہ منصور کے زمانے میں یونانی، سریانی اور فارسی زبانوں سے علم نجوم کی اور کسی کتاب کا ترجمہ نہیں کیا گیا، صرف سنسکرت زبان سے ایک کتاب سدھانت کا ترجمہ ہوا، جس کو خود منصور نے ہندوستان سے نہیں منگوایا تھا، بلکہ ہندوستان کے ایک ریاضی دان عالم نے اس کو خود منصور کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور منصور کے حکم سے اس کا ترجمہ ہوا تھا، اور اسی ترجمہ کی مدد سے محمد بن ابراہیم فزاری نے ایک کتاب تیار کی تھی، جس کا نام سندالہند الکبیر تھا، یہی کتاب ہے جس کو ہمارے تذکرہ نویس علم نجوم کی کتاب کہتے ہیں، چنانچہ ابن صاعد اندلسی نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

اما علم النجوم فاول من عنی به فی هذه الدولة محمد بن ابراهیم الفزاری[1]	لیکن علم نجوم تو سب سے پہلے عباسیہ خلافت میں اس کی طرف محمد بن ابراہیم فزاری نے توجہ کی۔

غالباً اسی عبارت سے لوگوں کے دلوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ منصور کو یونانی کتابوں کے ترجمہ کرانے کا شوق علم نجوم کی وجہ سے ہوا، حالانکہ اس زمانہ میں علم نجوم علم ہیئت کو کہتے تھے، اور اس کو آئندہ واقعات کی پیش گوئیوں سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ علم نجوم کی کتاب تھی، تو نوافل آفندی کا یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ جب تک سدھانت کا ترجمہ نہ ہوگیا خلفائے عباسیہ نے غیر قوموں کی دوسری کتابوں کے ترجمے نہیں کرائے، کیونکہ سدھانت کا ترجمہ ۱۵۴ھ یا ۱۵۶ھ میں ہوا، لیکن جورجیس جس نے منصور

---

[1] طبقات الامم ص ۴۹

www.KitaboSunnat.com

کے لیے سب سے پہلے طبی کتابوں کے ترجمے کیے۔ منصور کے دربار میں ۱۴۸ھ میں آیا اور ۱۵۲ھ میں اپنے وطن واپس گیا۔ اس لیے سدھانت کے ترجمہ سے پہلے طبی کتابوں کے ترجمے ہو چکے تھے۔

بہرحال خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور یعنی منصور کے زمانے میں طب، منطق، اخلاق اور ہیئت وہندسہ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، اور یہ ایسے علوم تھے جن کا کوئی اثر مذہب پر نہیں پڑ سکتا تھا۔ اس لیے ان علوم کے ترجموں پر نہ علمائے اسلام کی طرف سے کوئی اعتراض ہوا، اور نہ مذہب پر ان کا کوئی اثر پڑا۔ البتہ منصور کے دور خلافت میں ایرانیوں کے قدیم مذاہب کی کتابوں کے جو ترجمے ہوئے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں زندقہ والحاد پھیل گیا، چنانچہ مسعودی لکھتا ہے کہ عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے فارسی اور پہلوی زبانوں سے عربی زبان میں مانی، دیصان اور مرقیون کی کتابوں کے جو ترجمے کیے اور ان ترجموں کی مدد سے ابن ابی العوجاء، حماد عجرد، یحییٰ بن زیاد اور مطیع بن ایاس نے مانوی، دیصانی اور مرقونی مذاہب کی تائید میں جو کتابیں لکھی ہیں ان کی اشاعت سے زندقہ والحاد پھیل گیا، اور لوگوں میں ان کے خیالات کی اشاعت ہوئی۔

اس الحاد و زندقہ کی ابتداء اگرچہ منصور کے دور خلافت میں ہو چکی تھی تاہم اس کو کوئی ترقی نہیں ہوئی تھی، اس لیے منصور نے اس کے روک تھام کی طرف توجہ نہیں کی۔ لیکن جب اس کے فرزند مہدی کے زمانے میں اس کو زیادہ ترقی ہوئی تو اس نے ملحدوں اور زندیقوں کے استیصال کے لیے ایک خاص محکمہ قائم کیا اور سینکڑوں ہزاروں زندیقوں اور ملحدوں کو قتل کرا دیا، سیاسی دار و گیر کے ساتھ مہدی نے علمی اور مذہبی حیثیت سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا اور متکلمین کو ملحدوں کی تردید میں کتابیں لکھنے کا حکم دیا تاکہ ان کے شکوک وشبہات

۱؎ مسعودی برحاشیہ نفح الطیب ج ۵ ص ۳۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ازالہ کیا جا سکے[1] اس طرح مہدی کے زمانے میں علم کلام کی بنیاد پڑی لیکن اس علم کلام کو فلسفہ سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ وہ ایرانیوں کے قدیم مذاہب کی تردید کے لیے ایجاد کیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے متکلمین کے جو مناظرے تاریخوں اور تذکروں میں مذکور ہیں وہ سب کے سب مجوسیوں کے ساتھ کیے گئے ہیں، مثلاً ابن خلکان نے ابوالہذیل علاف کے حالات میں جو ۱۳۱ھ میں پیدا ہوا اور ۲۳۵ھ میں وفات پائی، لکھا ہے کہ ایک بار ثنویوں کی ایک جماعت ابوالہذیل سے مناظرہ کے لیے آئی اور ابوالہذیل نے سب کو بند کر دیا تو ان میں ایک مجوسی جس کا نام میلاس تھا، اسی وقت اس کے ہاتھ پر اسلام لایا، شرح ملل ونحل زبدی میں مجوسیوں کے ساتھ اس کے اور بھی متعدد مناظرے نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اس نے مجوسیوں اور ثنویوں کے ساتھ بکثرت مناظرے کیے ہیں[3]

اگرچہ خود مہدی کے زمانے میں یونانی یا سریانی زبان سے کسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا، لیکن اس کے بعد ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو ترجمہ کے کام کو منصور کے زمانے سے بھی زیادہ وسعت اور ترقی ہوئی، چنانچہ جب انگورہ، عموریہ اور روم کے تمام شہر فتح ہوئے اور وہاں طب کی بہت سی کتابیں ملیں تو ہارون الرشید نے ان کے ترجمے کی خدمت یوحنا بن ماسویہ سے متعلق کی، اور اس کی ماتحتی میں بہت سے کاتب دیئے گئے جو اس کے ساتھ بیٹھ کر لکھتے تھے[4]

خلیفہ ہارون الرشید کے دربار کا ایک اور مشہور مترجم فضل بن نوبخت تھا جو فارسی زبان سے فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا ترجمہ کرتا تھا، اور ہارون الرشید نے فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس کا مہتمم تھا[5]

برامکہ کی بدولت بہت سے ہندوستانی اطباء و حکماء بھی ہارون الرشید کے دربار میں آئے اور

---

۱ مسعودی برحاشیہ نفح الطیب ص ۳۵ ۲ ابن خلکان ج ۱ ص ۴۸۰ ۳ شرح ملل ونحل ص ۲۰
۴ اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۹ ۵ ایضاً ۱۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے سنسکرت کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔

ترجمہ کے علاوہ عباسی دور میں فلسفہ و حکمت کی تعلیم کا بھی آغاز ہوا، اور یوحنا بن ماسویہ کے حلقہ درس میں بہ کثرت تلامذہ شریک ہونے لگے، جن میں اطباء، متکلمین اور فلاسفہ ہر قسم کے لوگ تھے۔[1]

یوحنا کے علاوہ اس زمانے میں یحییٰ بن خالد برمکی نے بھی ایک خاص مجلس جس کا سیکرٹری ہشام بن حکم تھا[2] قائم کی تھی، اور اس میں دقیق فلسفیانہ مسائل مثلاً کون و ظہور قدم و حدوث، اثبات و نفی، حرکت و سکون، مماست و مباینت، وجود و عدم، جزء و طفرہ اجسام و اعراض، تعدیل و تجریہ، کمیت و کیفیت وغیرہ پر بحث ہوتی تھی، اور اس میں متکلمین اسلام شریک ہوتے تھے، مسعودی نے اس مجلس کے ایک جلسہ کا حال لکھا ہے جس میں متکلمین اسلام ابن علی بن ہیثم، ابو مالک حضرمی، ابو الہذیل علاف اور نظام ابراہیم ابن سیار شریک تھے۔[3]

یہی زمانہ ہے جس میں مسلمان فلسفہ سے آشنا ہوئے، اور فلسفہ کا اثر علم کلام پر پڑا۔ چنانچہ شہرستانی نے نظام کی نسبت ملل و نحل میں لکھا ہے کہ اس نے بہت سی فلسفیانہ کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، اور فلسفیوں کے کلام کو معتزلہ کے کلام سے ملا دیا تھا۔[4]

ہارون الرشید کے بعد مامون الرشید خلیفہ ہوا تو اس نے یونانی علوم و فنون کی طرف اپنے پیشروں سے بھی زیادہ توجہ کی، اور ہمارے تذکرہ نویسوں نے اس توجہ خاص کا سبب یہ بتایا ہے کہ ایک بار مامون نے خواب میں دیکھا کہ ایک وجیہہ بڈھا منبر پر بیٹھا ہوا خطبہ دے رہا ہے، اور کہتا ہے کہ میں ارسطو ہوں، مامون بیدار ہوا، تو لوگوں سے دریافت کیا کہ ارسطو کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک یونانی حکیم ہے، اس کے بعد حنین بن اسحاق کو طلب کیا، اور یونانی حکماء کی کتابوں کے ترجمہ کا حکم دیا، اور اس کو بہت کچھ مال و عطیہ عنایت کیا۔[5]

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۹ و طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۷۵، [2] فہرست ابن ندیم ص ۲۵۰

[3] مسعودی برحاشیہ نفح الطیب ج ۳ ص ۲۲۲ ۔ ۲۲۳ [4] ملل و نحل شہرستانی ج ۱ برحاشیہ ملل و نحل ابن حزم

ج ۱ ص ۶۷ [5] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۸۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ روایت بالکل افسانہ کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اب تک مامون ارسطو کے نام سے بھی واقف نہ ہو، اسی قسم کے ایک خواب کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی خواب یونانی کتابوں کے ترجمے کا قوی ترین سبب ہوا لے اگرچہ اس خواب میں خود مامون نے ارسطو ہی سے ارسطو کا نام پوچھا ہے، اور اس سے متعدد سوالات کیے ہیں، اس لیے اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی استحالہ نہیں ہے، تاہم خواب و خیال کی یہ باتیں مامون کی اس علمی توجہ کا سبب نہ تھیں، یہ ممکن ہے کہ مامون کو بیداری کی حالت میں یونانی کتابوں کے ترجمہ کی طرف جو توجہ تھی اس نے حالت خواب میں اس قسم کی شکلیں اختیار کی ہوں، لیکن ترجمہ کے قدرتی اور اصلی اسباب اور تھے جن میں سب سے بڑا سبب خود مامون کا ذاتی علمی شوق تھا، اور یہ شوق صرف فلسفہ و حکمت ہی تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ تمام علوم و فنون کی قدردانی یکساں طور پر کرتا تھا، بہرحال یونانی علوم و فنون کے متعلق مامونی دور کو جو امتیازات حاصل ہیں وہ یہ ہیں کہ

(۱) ہارون الرشید کے زمانے میں اگرچہ ان کتابوں کا اس قدر ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا کہ اس نے ایک مستقل کتب خانہ کی شکل اختیار کر لی تھی، جس کا نام ہمارے مورخین نے خزانۃ الحکمۃ یا بیت الحکمۃ رکھا ہے، تاہم اب تک یونانی کتابوں کی جستجو و تلاش کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا، بلکہ انگورہ اور عموریہ میں طب کی جو کتابیں خود بخود مل گئی تھیں، ہارون الرشید نے یوحنا بن ماسویہ سے ان ہی کا ترجمہ کرایا تھا، لیکن مامون الرشید نے خود قیصر روم کو خط لکھا کہ روم میں قدیم کتابوں کا جو ذخیرہ موجود ہے وہ اس کے پاس بھیج دی جائیں، قیصر نے لیت و لعل کے بعد اس کو منظور کیا، تو مامون نے اہل علم کی ایک جماعت کو جن میں حجاج بن مطر، ابن بطریق اور سلما شامل تھے، روانہ کیا، اور یہ لوگ وہاں سے منتخب کتابیں لے کر آئے، تو مامون

لے فہرست ابن ندیم ص ۳۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ان کے ترجمہ کرنے کا حکم دیا، کہا جاتا ہے کہ یوحنا بن ماسویہ بھی کتابوں کی تلاش میں روم گیا تھا، خود حنین بن اسحاق نے جس کو مامون نے ترجمہ کے کام پر مامور کیا تھا، کتابوں کی تلاش میں بہت سے شہروں کا سفر کیا، یہاں تک کہ اقصائے بلاد روم تک پہنچ گیا۔

(۲) کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ سب سے زیادہ ضرورت ترجموں کے اصلاح کی تھی کیونکہ ترجمہ کی خوبی کا دار و مدار صرف اس پر ہے کہ مطالب کو صحت کے ساتھ شگفتہ اور عمدہ عبارت میں ادا کیا جائے، اور اس حیثیت سے تمام مترجمین کی حالت یکساں نہ تھی مثلاً خود مامونی دور کا ایک مترجم یوحنا بن لبطریق تھا جو مطالب کو اگرچہ خوبی کے ساتھ ادا کرتا تھا، لیکن عربی زبان میں اس کو کوئی مہارت نہ تھی ؎ مامون نے اس غرض سے حنین بن اسحاق کا انتخاب کیا جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں کا ماہر تھا، اور ترجمہ کے ساتھ دوسرے مترجمین کی ترجمہ کردہ کتابوں کی اصلاح بھی کرتا تھا ؎ اس کے بعد اس کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی اور متعدد مترجم ایسے پیدا ہوئے جو ترجمہ کے ساتھ دوسرے ترجموں کی اصلاح بھی کرتے تھے، ان ہی میں ایک قسطا بن لوقا بعلبکی تھا، جو مقتدر باللہ کے زمانے کا ایک عیسائی حکیم تھا، اور یونانی، سریانی اور عربی زبان میں کمال رکھتا تھا، اس نے بہت سی یونانی کتابوں کے ترجمے کیے اور بہت سے ترجموں کی اصلاح کی ؎

(۳) عباسی دور میں اگرچہ بکثرت مترجم پیدا ہوئے لیکن یہ امتیاز صرف مامونی دور کو حاصل ہے کہ مترجمین میں جو لوگ بہترین مترجم تسلیم کیے گئے ہیں وہ اسی دور میں پیدا ہوئے چنانچہ طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ

حذاق الترجمة فی الاسلام اربعة حنین — مترجمین اسلام میں ماہر مترجم صرف چار ہیں،

؎ فہرست ابن ندیم ص ۳۲۹ و طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۸۷ ؎ اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۸

؎ طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۸۷ ؎ ایضاً ص ۲۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن اسحاق و یعقوب بن اسحاق الکندی و   حنین بن اسحاق، یعقوب بن اسحاق کندی،
ثابت بن قرۃ الحرانی و عمر بن الفرخان الطبری[1]   ثابت بن قرۃ حرانی اور عمر بن فرخان طبری۔

ان چاروں میں سے تین حنین، یعقوب کندی اور عمر بن فرخان طبری امونی دور کے مترجم ہیں، اوران کے ترجمے بہترین ترجمے تسلیم کیے جاتے ہیں، حنین عربی، یونانی، سریانی اور فارسی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا، عربی کی تکمیل بصرہ میں خلیل بن احمد سے کی تھی، اور یونانی زبان اسکندریہ میں سیکھی تھی، اس کے بعد کتب حکمیہ کی تلاش میں بلاد روم کا سفر کیا تو یونانی زبان میں اور بھی مہارت حاصل کی، مامون کو تراجم کی طرف توجہ ہوئی تو سب سے پہلے اس کی نگاہ اسی پر پڑی، کیونکہ مترجمین کے گردہ میں اس وقت کوئی شخص اس کا ہمسر نہ تھا، حنین نے زیادہ ترطبی بالخصوص جالینوس کی کتابوں کے ترجمے یا اصلاحیں کیں، اس کے علاوہ ابن طبس بطریق، اور ابو سیعد عثمان دمشقی وغیرہ نے جالینوس کی کتابوں کے جو ترجمے کیے وہ مقبول نہیں ہوئے۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت کے علاوہ جالینوس کے خیالات کا ماہر حنین سے زیادہ کوئی نہ تھا، سرجس پہلا شخص ہے جس نے رومی علوم کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا، اور اسی نے جالینوس کی طبی کتابوں کا ترجمہ رومی زبان سے سریانی زبان میں کیا، لیکن ان ترجموں کو حنین کے ترجموں سے کوئی نسبت نہ تھی[2]

یعقوب کندی عربی النسل تھا، اور یونانی، فارسی اور ہندی علوم میں کمال رکھتا تھا، طبقات الاطباء میں ہے کہ وہ مامون اور معتصم کے درباروں میں نہایت قدرومنزلت رکھتا تھا، اور فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا، اور ان کی پیچیدگیاں دور کر دی تھیں[3]

عمر بن فرخان طبری پہلے یحییٰ بن خالد برمکی کے دربار سے تعلق رکھتا تھا، پھر مامون کے

---

[1] طبقات الاطباء ص ۲۰۷ [2] اخبار الحکماء قفطی و طبقات الاطباء جلد اول تذکرۂ حنین

[3] اخبار الحکماء قفطی و طبقات الاطباء جلد اول تذکرہ یعقوب کندی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وزیر فضل بن سہل کے دربار سے تعلق پیدا کیا۔ اسی فضل بن سہل نے مامون کے دربار سے اس کا تعلق پیدا کرایا اور اس نے مامون کے لیے بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے اور بہت سی مستقل کتابیں لکھیں [۱]۔

(۴) مامونی دور سے پہلے اگرچہ ترجموں کا کام شروع ہو گیا تھا، تاہم مامون نے جس فیاضی اور دریا دلی سے ترجمے کرائے، اس کی نظیر گزشتہ دور میں نہیں ملتی۔ مشہور تو یہ ہے کہ جو کتاب ترجمہ کی جاتی تھی مامون اس کے صلہ میں اس کتاب کے برابر سونا دیتا تھا، لیکن اتنا تو علامہ ابن ابی اصیبعہ نے بھی طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ خود مجھ کو حنین کی بہت سی کتابیں ملیں جو نہایت دبیز کاغذ پر جلی حروف میں لکھی ہوئی تھیں، اور ہر ورق میں صرف چند سطریں تھیں، چونکہ ان کے بدلے میں ان کے وزن کے برابر درہم ملتے تھے اس لیے حنین اس طریقہ سے کتاب کی ضخامت اور اس کا وزن بڑھانا چاہتا تھا، اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ کاغذ کی عمدگی کی وجہ سے یہ کتابیں بہت دنوں تک محفوظ رہیں۔

(۵) مامونی دور سے پہلے جن کتابوں کے ترجمے کیے گئے تھے، وہ زیادہ تر طب، ہیئت، منطق اور اخلاق سے تعلق رکھتی تھیں، خالص فلسفہ کی کتابوں کے اب تک بہت کم ترجمے ہوئے تھے، لیکن مامونی دور میں ان علوم کے ساتھ بعض مترجمین نے فلسفہ کی طرف خاص توجہ کی اور زیادہ تر خالص فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے کیے، چنانچہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ حنین زیادہ طبی بالخصوص جالینوس کی کتابوں کے ترجمے کرتا تھا، لیکن اس کا بیٹا اسحٰق ارسطو وغیرہ کی فلسفیانہ کتابوں کے ترجمے کی طرف زیادہ مائل تھا [۲]۔

دوسرے موقع پر اسحٰق کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ترجمہ زباندانی اور فصاحت میں وہ اپنے باپ کا ہمسر تھا، لیکن اس نے ارسطو کی فلسفیانہ کتابوں کے جس قدر ترجمے کیے ان

---

[۱] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۲۱۔ ۱۲۲ [۲] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۹۷ [۳] ایضاً ص ۱۸۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لحاظ سے اس کی طبی کتابوں کے ترجمے بہت کم ہیں [1]

مامون کے دربار کا ایک اور مشہور مترجم یوحنا بن البطریق تھا، جو طب سے زیادہ فلسفہ کا ذوق رکھتا تھا، اور خاص طور پر ارسطو کی کتابوں کے ترجمہ پر مامور تھا [2]

ترجمہ کے علاوہ مامونی دور میں فلسفہ کی تعلیم و تعلم کا بھی عام رواج ہوا، چنانچہ ابن صاعد اندلسی طبقات الامم میں لکھتے ہیں کہ افلاطون، ارسطو، سقراط اور جالینوس وغیرہ کی کتابوں کے ترجمے کے بعد مامون نے لوگوں کو ان کی تعلیم و تعلم کی ترغیب دلائی، اس لیے اس کے زمانے میں علم کی گرم بازاری ہوئی اور فلسفہ کی سلطنت قائم ہوگئی، یہاں تک کہ حکومت عباسیہ رومی سلطنت کے زمانۂ شباب کا مقابلہ کرنے لگی [3]

(۲) مامونی دور میں اور علوم کے ساتھ علم ہیئت کو خاص طور پر ترقی ہوئی، مامونی دور سے پہلے اول اول منصور کے زمانے میں علم ہیئت کی ایک کتاب کا جو سنسکرت زبان میں تھی، ترجمہ ہوا تھا، اور اسی ترجمہ کی مدد سے محمد بن ابراہیم فزاری نے ایک زیچ تیار کی تھی، جس کا نام سدھانت تھا، اور مامون کے زمانے تک لوگوں کا اسی پر عمل تھا، مامون کے زمانے میں ابوجعفر بن موسیٰ خوارزمی نے اس کا اختصار کیا [4]

علم ہیئت کی سب سے زیادہ مشہور کتاب مجسطی تھی، مامون کے دور سے پہلے اگرچہ یحییٰ بن خالد اس کا ترجمہ کرا چکا تھا، لیکن اس کتاب کا ترجمہ کوئی آسان کام نہ تھا، چنانچہ سب سے پہلے جن لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا یحییٰ بن خالد نے اس کو ناپسند کیا، اور ابو حسان اور سلما صاحب بیت الحکمۃ کو اس کی تفسیر کا حکم دیا، ان دونوں نے بہترین مترجمین کے ذریعہ سے اس کے ترجمے کرائے، ان میں سب سے زیادہ فصیح و صحیح ترجمہ کا انتخاب کیا [5]

---

[1] طبقات الاطباء ج اول ص ۲۰۰ [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۸ [3] طبقات الامم ص ۴۸-۴۹
[4] ایضاً ص ۵۰ [5] فہرست ابن ندیم ص ۳۷۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مامون کے زمانے تک اس کے صحیح ترجمہ کی ضرورت باقی تھی چنانچہ کشف الظنون میں ہے کہ مامون کو اس کے ترجمہ اور اصلاح کا نہایت شوق تھا، اور اس کے زمانے میں حنین بن اسحٰق وغیرہ نے اس کے اس شوق کو پورا کیا [1]

مامون کے زمانے میں جو ہیئت دان جمع ہوگئے تھے، ان میں عباس بن سعید جوہری نہایت ممتاز تھے۔ اس نے مامون کو ایک رصد خانہ کے قائم کرنے کی طرف توجہ دلائی اور سند بن علی، خالد بن عبدالملک مروزی اور یحییٰ بن ابی منصور کی مدد سے بغداد میں بہ مقام شماسیہ ایک رصد خانہ قائم کیا اور اسلام میں یہ پہلا رصد خانہ تھا جو مامونی دور میں قائم ہوا [2]

رصد خانے کے قیام کا ایک عمدہ نتیجہ یہ ہوا کہ مامونی دور میں آلاتِ رصدیہ کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، فہرست ابن ندیم میں ہے کہ اول اول آلاتِ رصدیہ حران میں بنائے جاتے تھے، اور وہیں سے وہ اور جگہ پھیلے، لیکن دولتِ عباسیہ میں مامون کے زمانے سے ان میں ترقیاں اور اضافے ہوئے، کیونکہ مامون نے جب رصد خانہ قائم کیا تو اس کے حکم سے ابن خلف مرورذی نے آلۂ ذات الحلق اور اسطرلاب بنایا [3]

مامونی دور میں ریاضی و ہیئت کی ترقی کا ایک خاص سبب یہ ہوا کہ موسیٰ بن شاکر اور اس کے تینوں فرزند محمد بن موسیٰ، احمد اور حسن جو مامون کے خاص تربیت یافتہ تھے، ریاضی کی تمام شاخوں مثلاً ہندسہ، علم الحیل والحرکات یعنی میکانک، موسیقی اور ہیئت کا خاص طور پر ذوق رکھتے تھے۔ اخبار الحکماء قفطی میں ہے کہ یہ لوگ علم ہندسہ اور علم الحیل کے بہت بڑے ماہر تھے، اور ان میں انہوں نے نہایت عجیب کتابیں لکھی تھیں جو حیل بنو موسیٰ کے نام سے مشہور ہیں [4] ابن خلکان نے ان کی کتاب الحیل کو خود دیکھا تھا اور اس کی بڑی تعریف

---

[1] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۸۰ [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۴۸ [3] فہرست ابن ندیم ص ۳۹۶

[4] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لی ہے اور لکھا ہے کہ اہل اسلام میں یہ فن ان کی ہی بدولت وجود میں آیا اگرچہ اسلام سے پہلے اہل رصد نے اس کام کو کیا تھا، لیکن خود اہل اسلام نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی، مامون نے اسی ذوق رصدیت کی بنا پر ان کے ذریعہ سے کرۂ زمین کی پیمائش کرائی کیونکہ اس کو کتب حکمیہ کے ذریعہ سے معلوم ہوا تھا کہ کرۂ زمین کا دور چوبیس ہزار میل ہے۔ مامون نے اس کی تحقیق کرنی چاہی تو ان ہی تینوں کو اس کا حکم دیا اور ان کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جو کچھ کتب حکمیہ میں لکھا ہے وہ صحیح ہے۔[1]

مامون کے بعد واثق باللہ اور اس کے بعد متوکل باللہ نے بھی ترجمے کے کام کو بہت زیادہ ترقی دی، اور ہم پورے عباسی دور کو ترجمہ کی ترقی و تنوع کے لحاظ سے تین دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) پہلے دور میں جو منصور کے زمانے سے شروع ہو کر ہارون الرشید کے زمانے تک ختم ہوا، صرف اخلاق، ہیئت، منطق اور طب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔

(۲) دوسرے دور میں جو مامون کے زمانہ سے شروع ہوا، تمام یونانی علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔

(۳) تیسرے دور میں جو چوتھی صدی ہجری تک قائم رہا ارسطو کی منطق اور طبیعات کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور ان کی شرحیں اور تفسیریں لکھی گئیں۔

ان تینوں دوروں میں مترجمین کی جماعت میں زیادہ تر عیسائی، ان سے کم صابی اور ان سے بھی کم ہندو، ایرانی اور یہودی شامل ہیں خود مسلمانوں میں یعقوب کندی کے سوا کوئی دوسرا قابل الذکر مسلمان مترجم نہیں پیدا ہوا۔ اس لیے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود مسلمانوں کو یونانی فلسفہ کی تاریخ سے کیا تعلق ہے؟ اور فلسفہ و منطق میں ان کے کیا کارنامے ہیں؟ یہیں سے حکمائے اسلام کا ایک مستقل دور شروع ہوتا ہے، اور ہم ان کے سوانح و حالات کے ساتھ ان کے فلسفیانہ کارنامے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۹۷-۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمائے اسلام

اوپر گذر چکا ہے کہ سب سے پہلے نسطوری اور یعقوبی عیسائیوں نے سریانی زبان میں یونانی علوم وفنون کی کتابوں کے ترجمے کیے تھے، اس لیے اسلامی فتوحات کے بعد جب مسلمانوں سے ان کے تعلقات قائم ہوئے تو قدرتی طور پر ان ہی نے سریانی زبان سے عربی زبان میں ان کتابوں کے ترجمے کیے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی عہد میں اور قوموں کے مترجمین سے عیسائی مترجمین کی تعداد زیادہ رہی، لیکن ان عیسائیوں نے سریانی زبان میں یونانی کتابوں کے جو ترجمے کیے تھے ان میں دو عیب بہت زیادہ نمایاں تھے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہ بالکل ترجمہ ہی ترجمہ تھے، نہ ان میں ایجاد واختراع سے کام لیا گیا تھا اور نہ جدید نظریات اور خیالات پیش کیے گئے تھے۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہ ترجمے صحت اور دقت نظری کے ساتھ نہیں کیے گئے تھے بلکہ مترجمین نے ان میں بہت کچھ تغیر وتحریف کر دیا تھا، اور یونانی علوم وفنون کے متعلق مسلمانوں میں جو غلطیاں پھیلیں ان کا زیادہ تر سبب یہی سریانی ترجمے تھے، چنانچہ جمال الدین قفطی نے ارسطو کے تذکرے میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے ارسطو کے کلام کو یونانی زبان سے رومی، سریانی، فارسی اور عربی میں نقل کیا انہوں نے بہت کچھ تحریفات وتغیرات کیے[1]

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۳۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کشف الظنون میں ہے کہ جن کتابوں کے ترجمے کیے گئے ان کے اصلی معنی قائم نہیں رہے، کیونکہ ان ترجموں میں جیسا کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، بہایت کثرت سے تحریفات واقع ہوئیں [1]

ان تحریفات کے ساتھ جو ترجمے کیے گئے تھے وہ مبہم غیر مفہوم اور باہم ایک دوسرے سے مختلف بھی تھے [2] سب سے بڑی بات یہ تھی کہ عیسائی مترجمین ذاتی شوق یا علمی دلچسپی سے ترجمہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان سے کسی خلیفہ یا وزیر یا اور کسی بڑے شخص کے حکم کی تعمیل مقصود ہوتی تھی، چنانچہ ٹی، ج دی بور تاریخ فلسفۂ اسلام میں لکھتا ہے کہ

ان مترجموں کو بہت بڑے فلسفی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ لوگ شاذونادر ذاتی شوق سے کام کرتے تھے، زیادہ تر کسی خلیفہ، وزیر یا کسی اور جلیل القدر شخص کے حکم سے [3]

ترجموں کا مقصد زر طلبی کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حنین کتاب کے وزن و ضخامت کے بڑھانے کے لیے دبیز کاغذ پر جلی حروف میں ترجمے کرتا تھا۔ اور اس کے صلے میں مامون کے دربار سے اس کے برابر سونا یا درہم تول کے لیتا تھا۔ اس کا قدرتی طور پر نتیجہ یہ نکلا کہ ترجموں کی تعداد تو بڑھ گئی، لیکن بہترین کتابوں کے بہت کم ترجمے کیے گئے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یونان کی بہترین کتابیں یونانی شہروں میں رہ گئیں، اور عربی زبان میں ان کا بہت کم ترجمہ ہوا، [4] اس پر علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے المامون کے حاشیے میں لکھا ہے کہ

میں اس موقع پر صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکماء، طبقات الاطباء غور سے پڑھنا چاہیئے تھا، میں کئی سو تصنیفات

---

[1] کشف الظنون جلد اول ص ۴۹۴ [2] ایضاً ص ۴۸۴ [3] تاریخ فلسفۂ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص ۱۴ [4] کشف الظنون ج ۱ ص ۴۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ترجمے کا نشان دے سکتا ہوں۔

لیکن سوال ترجموں کی کثرت کا نہیں۔ بلکہ ترجمہ کی نوعیت، وصحت کا ہے، اس لیے ترجموں کی یہ کثرت ہی ترجموں کی نوعیت وصحت کو مشتبہ کر دیتی ہے۔ مامون کے زمانے میں اگرچہ کتابوں کے انتخاب اور ترجموں کی اصلاح کی طرف خاص طور پر توجہ کی گئی تاہم اس زمانے میں بھی حنین وغیرہ نے جو ترجمے کیے تھے، جیسا کہ اوپر گذر چکا، مبہم اور ایک دوسرے سے مختلف تھے[1]

لیکن مسلمانوں نے یونانی کتابوں کے ترجموں کے ذریعہ سے جو یونانی علوم حاصل کیے ان میں ان عیسائیوں کے ترجموں سے زیادہ صحت، وضاحت اور دقت نظری پائی جاتی تھی، اور اس کے ساتھ انہوں نے اور بہت کچھ ایجادات و اختراعات کی تھیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں نے یونانی علوم و فنون پر تنقیدی نگاہ ڈالی، اور سب سے پہلے متکلمین نے یونانیوں کے منطقی اصول و قواعد پر اعتراضات کیے، اور نظام ابراہیم سیار نے ارسطو کی کتاب کا رد لکھا۔ لیکن چونکہ ان کے کارنامے زیادہ تر علم الکلام سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ہمارے تذکرہ نویسوں نے ان کو حکمائے اسلام میں شامل نہیں کیا ہے بلکہ یہ لوگ متکلمین کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، مسلمانوں میں سب سے پہلے جو شخص فلسفی کے لقب سے مشہور ہوا وہ

یعقوب کندی

ہے جو عرب کے ایک شاہی خاندان کا فرد ہے۔

ولادت

---

[1] کشف الظنون جلد ا ص ۴۴۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا باپ ابو اسحاق بن الصباح خلیفہ مہدی اور ہارون الرشید کے زمانے میں کوفہ کا امیر تھا، اور بوئر نے لکھا ہے کہ کندی اسی شہر میں پیدا ہوا[1] لیکن ہمارے تذکرہ نویسوں نے اس کا سالِ ولادت اور سالِ وفات نہیں لکھا، یورپین محققین نے بھی اگرچہ اس کا سال ولادت نہیں متعین کیا، تاہم ان میں بعض نے اس کا سال وفات ۲۵۸ھ[2] اور بعض نے ۲۶۰ھ لکھا ہے، لیکن اس کی سند معلوم نہیں، اصل یہ ہے کہ تاریخی تصریحات سے تو کندی کا سال ولادت اور سالِ وفات متعین نہیں کیا جا سکتا، تاہم اتنا صحیح طور پر معلوم ہے کہ وہ مامون کے زمانے میں موجود تھا، اور متوکل کی وفات کے زمانے تک زندہ رہا[3]

مامون ۱۹۸ھ میں تخت نشین ہوا ہے، اور متوکل نے ۲۴۷ھ میں وفات پائی ہے، اس لیے کندی ۱۹۸ھ سے پیشتر پیدا ہوا ہوگا۔ اور ۲۴۷ھ کے بعد وفات پائی ہوگی، اس نے ۲۵۶ھ میں نجوم کے رو سے ایک پیشین گوئی کی تھی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۲۵۶ھ میں زندہ تھا، لیکن اس کے بعد کس سنہ میں وفات پائی، اس کا صحیح حال معلوم نہیں۔

مذہب

شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ بعض اقوال کے مطابق وہ ابتداء میں یہودی تھا پھر اسلام لایا، اور بعض اقوال کے مطابق عیسائی تھا، عروضی سمرقندی نے اس کے متعلق ایک بڑی حکایت یہ لکھی ہے کہ یعقوب کندی یہودی تھا، اور مامون کا مقرب بارگاہ تھا، ایک روز وہ مامون کے دربار میں آیا، اور اسلام کے ایک امام سے اوپر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا کہ تم ذمی ہو ایک امام اسلام سے اوپر کیوں بیٹھ گئے۔ کندی نے کہا اس لیے کہ تم جو کچھ جانتے ہو میں اس

---

[1] تاریخ فلسفۂ اسلام ص ۰، [2] تاریخ فلاسفۃ الاسلام محمد لطفی ص ۱[3] حواشی چہار مقالہ ص ۲۰۵
[3] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۰۷ - ۲۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر جانتا ہوں، لیکن میں جو کچھ جانتا ہوں تم اس کو نہیں جانتے وہ کندی کو صرف ایک منجم کی حیثیت سے جانتا تھا، اس لیے اس نے کندی کے امتحان کی غرض سے ایک کاغذ پر ایک چیز لکھ کر مامون کے قالین کے نیچے رکھ دی۔ اور کہا کہ اگر اس کو بتا دو تو میں تمہارے اس دعوے کو تسلیم کر سکتا ہوں۔ کندی نے اس کو بتا دیا تو مامون اور اس امام کو بڑا تعجب ہوا، اور بغداد سے عراق و خراسان تک اس واقعہ کی شہرت ہوگئی، یہاں تک کہ بلخ کا ایک متعصب فقیہ ابو معشر اس غرض سے بغداد روانہ ہوا کہ وہ بغداد جا کر کندی کے حلقۂ درس میں شریک ہو اور علم نجوم کی تعلیم حاصل کرنے کے بہانے سے موقع پائے تو اس کو قتل کر دے، چنانچہ بغداد پہنچ کر اس نے کندی سے علم نجوم پڑھنے کی درخواست کی تو کندی نے صاف کہہ دیا کہ تم میرے قتل کی غرض سے آئے ہو[1] لیکن یہ حکایت افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، چنانچہ حواشی چہار مقالہ میں کندی کے آبا و اجداد کے اسلامی کارناموں کے ذکر کے بعد لکھا ہے:

مقصود ازیں ہمہ تطویل آنست کہ معلوم شود کہ مصنف را چہ سہوے عظیم دست دادہ کہ اورا یہودی دانستہ است و حالانکہ خود او و آباء و اجداد او از اشہر مشاہیر مسلمین بودہ اند پس ازیں حکایت کہ بنائے آں بر چنیں امرے باطل واساسے واہی است خود از اصل باطل و از اکاذیب رواۃ و خرافات قصاص است[2]

بہرحال یعقوب کندی مسلمان تھا اور ایک معزز مسلمان خاندان میں پیدا ہوا،

تعلیم و تربیت

اس کا ابتدائی زمانہ بصرہ میں گزرا۔ جہاں اس کی جائیداد تھی، ممکن ہے اس نے وہاں کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہو، لیکن حقیقی تعلیم اس نے بغداد میں آکر حاصل کی، ہمارے تذکرہ نویس

---

[1] چہار مقالہ ص ۵۵ - ۵۶ [2] حواشی چہار مقالہ ص ۲۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متفق اللفظ ہیں کہ وہ طب، فلسفہ، حساب، ہندسہ، منطق اور علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا، اخبار الحکماء قفطی میں ہے کہ وہ یونانی، فارسی اور ہندی فلسفہ کی تمام شاخوں میں پوری مہارت رکھتا تھا، لیکن کسی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اس نے کن کن اساتذہ سے ان علوم کی تعلیم حاصل کی، اور وہ کون کون سی زبانیں جانتا تھا، تاہم چونکہ اس نے فلسفیانہ کتابوں کے ترجمے کیے ہیں اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس زمانے کی زبانوں میں سے یونانی یا سریانی زبان ضرور جانتا ہوگا، غرض ان علوم کی مہارت کی وجہ سے اس نے مامون کے دربار میں بڑا اعزاز حاصل کیا، اور اس دور کے مشہور مترجمین میں شامل ہوگیا، مامون کے بعد معتصم نے بھی اس کی قدردانی کی اور اس کو اپنے بیٹے احمد کا استاد مقرر کر دیا[1]

مخالفت

لیکن ان علوم کی مہارت کی وجہ سے اس کو بڑی بڑی مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ اس کے زمانے میں ابومعشر جعفر بن محمد بلخی ایک بزرگ تھے، جو پہلے اصحاب حدیث میں شامل تھے، اور اس بنا پر یعقوب کندی سے سخت عداوت رکھتے تھے، اور لوگوں کو فلسفیانہ علوم میں مہارت رکھنے کی وجہ سے اس کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے، یعقوب کندی نے درپردہ بعض اشخاص کو اس غرض سے متعین کیا کہ وہ ان کو علم حساب و ہندسہ کی طرف متوجہ کریں، انہوں نے ان علوم کی طرف توجہ کی، لیکن ان میں کمال نہ حاصل کر سکے، اب وہ علم نجوم کی طرف مائل ہوئے، اور چونکہ یعقوب کندی بھی علم نجوم کا ماہر تھا، اس لیے اس فنی اشتراک کی وجہ سے ان کی عداوت کا خاتمہ ہوگیا[2] ابومعشر کے سوا یعقوب کندی کے سب سے بڑے دشمن موسیٰ ابن شاکر کے فرزند محمد اور احمد تھے، ان دونوں کی عادت یہ تھی کہ جو لوگ علوم و فنون کے ماہر

---

[1] شہرزوری قلمی ص ۲۱ [2] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے تھے ان کے خلاف ریشہ دوانیاں اور سازشیں کیا کرتے تھے، چنانچہ اس طریقہ سے انہوں نے ایک مشہور ریاضی دان سندبن علی کو متوکل کے دربار سے الگ کروا دیا۔ اور یعقوب کندی کے خلاف بھی سازش کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل نے اس کو سزا دی اور ان دونوں نے اس کی تمام کتابیں ضبط کرلیں اور ان کو ایک مستقل کتب خانہ میں رکھا، جس کا نام کتب خانہ کندیہ رکھا گیا، لیکن بعد کو سند بن علی کی سفارش سے انہوں نے یہ تمام کتابیں واپس کر دیں اور یعقوب کندی کو اپنا تمام علمی سرمایہ واپس مل گیا [1]

ایک اور بڑا تاجر بھی جو یعقوب کندی کے پڑوس میں رہتا تھا، اس کا سخت مخالف تھا، اور لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا، اتفاق سے اس کا ایک لڑکا جس نے تجارت کے تمام کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، سکتہ میں مبتلا ہوا، اور اس نے بغداد کے تمام اطباء کو اس کے علاج کے لیے بلوایا۔ بہت سے اطباء نے تو مرض کی شدت اور اہمیت کی بناء پر آنے ہی سے انکار کر دیا۔ اور جو اطباء آئے۔ ان کے علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آخر میں لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ تم اس زمانے کے مشہور فلسفی کے پڑوس میں رہتے ہو، اور وہ اس مرض کے علاج کا سب سے زیادہ ماہر ہے، اگر اس کی طرف رجوع کرو گے تو تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ مجبوراً اس نے ایک دوست کی سفارش سے یعقوب کندی کو بلوایا اور اس نے لڑکے کی نبض دیکھی تو کہا کہ میرے علم میں موسیقی کے تلامذہ میں جو لوگ عود کے بجانے اور غم پیدا کرنے والے اور قلب کو قوت دینے والے طریقوں سے واقف ہوں لائے جائیں، چنانچہ چار شخص بلائے گئے، اور کندی نے ان کو حکم دیا کہ اس کے بتائے ہوئے طریقوں کے موافق لڑکے کے سرہانے برابر عود بجاتے رہیں، کندی لڑکے کی نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا، اور وہ عود بجائے جاتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ نبض میں قوت پیدا ہو گئی، سانس آنے

---

[1] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۰۷ - ۲۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے لگی، یہاں تک کہ لڑکے میں پہلے حرکت پیدا ہوئی، پھر اُٹھ بیٹھا، اور بات چیت کرنے لگا۔ اب کندی نے اس کے باپ سے کہا کہ تم کو جن چیزوں کے پوچھنے کی ضرورت ہے، اس سے پوچھ لو اور اس کو لکھتے جاؤ، وہ پوچھتا جاتا تھا، اور لڑکا جواب دیتا جاتا تھا اور وہ لکھتا جاتا تھا، جب سب کچھ پوچھ چکا تو عود بجانے والوں نے وہ طریقے چھوڑ دیئے جن کے مطابق عود بجا رہے تھے، اور عود بجانا چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے لڑکا پھر سکتے میں مبتلا ہو گیا، اس کے باپ نے پھر عود بجانے کی خواہش کی، لیکن کندی نے کہا کہ اس کی تھوڑی سی زندگی باقی رہ گئی تھی، اب اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔[1]

بہرحال باوجود ان مخالفتوں کے کندی نے اپنے علم و فضل کی بدولت ایک مدت تک خلفاء کے درباروں میں نہایت عزت کے ساتھ زندگی بسر کی، لیکن بعد کو دربار شاہی سے معتوب ہوا، اور غالباً اسی حالت میں وفات پائی۔

اس نے جس مرض میں وفات پائی اس کے متعلق اخبار الحکماء قفطی میں لکھا ہے کہ اس کی ران میں تشنجی درد تھا، اور وہ اس کے لیے پرانی شراب پیتا تھا، جس سے وہ اچھا ہو جاتا تھا، لیکن بعد کو شراب سے توبہ کر لی، اور شہد کی شراب پینے لگا، لیکن اس شراب کی حرارت کا اثر جسم کے اندرونی حصہ تک نہ پہنچ سکا، اور درد نے شدت اختیار کر لی اور اعصاب میں سخت درد پیدا ہو گیا، جس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا اور اسی اثر سے کندی نے انتقال کیا۔[2]

اخلاق و عادات

ہمارے تذکرہ نویسوں نے یعقوب کندی کے اخلاق و عادات کے متعلق نہایت بخل سے کام لیا ہے، ابن ندیم نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ بخیل تھا، لیکن اس کی تائید کسی واقعہ سے

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۶ - ۲۴۷ [2] ایضاً ص ۲۴۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کی ہے ، البتہ اس نے اپنے بیٹے ابوالعباس کو چند وصیتیں کی جن میں بعض وصیتوں میں اس نے بخل وطمع کی ترغیب شاعرانہ الفاظ میں دی ہے ۔ اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اس وصیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اگر یہ کندی کی وصیت ہے تو ابن ندیم نے بالکل سچ لکھا ہے کہ وہ بخیل تھا [1]

تلامذہ

یعقوب کندی کا مشغلہ صرف درس و تدریس اور تصنیف و تالیف تھا ، اس لیے اس کے پاس ہمیشہ چند لکھنے پڑھنے والے لوگ رہتے تھے ، جن میں ہمارے تذکرہ نویسوں نے حسنویہ ، نفطویہ ، سلمویہ ، رحمویہ اور احمد بن الطیب کا نام تخصیص سے لیا ہے [2] ان میں حسنویہ ، نفطویہ اور رحمویہ کا حال تو کسی تذکرہ میں نہیں ملتا ، اور غالباً یہ وہ لوگ تھے جو اس کا مسودہ صاف کیا کرتے تھے ، البتہ سلمویہ اور احمد بن الطیب کے حالات ہمارے تذکرہ نویسوں نے لکھے ہیں ۔

سلمویہ معتصم کا طبیب خاص تھا ، اور اس کے دربار میں اس قدر رسوخ و اقتدار رکھتا تھا کہ معتصم جس قدر فرامین و احکام جاری کرتا تھا ، سب کے سب سلمویہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوتے تھے ، معتصم کا قول تھا کہ میرا طبیب سلمویہ میرے نزدیک قاضی القضاۃ سے بھی بڑا ہے ، کیونکہ قاضی القضاۃ میرے مال کے متعلق فیصلہ کرتا ہے اور یہ میری جان کے متعلق ، اور میری جان ، میرے مال پر شرف رکھتی ہے ، سلمویہ بیمار ہوا تو معتصم نے خود عیادت کی اور اپنے فرزند کو اس کی عیادت کا حکم دیا ، اور کہا کہ مجھ کو یقین ہے کہ میں اس کے بعد زندہ نہ رہ سکوں گا ، کیونکہ وہ میری زندگی کا محافظ ہے ، چنانچہ اس کے بعد اسی سال معتصم کا بھی انتقال ہو گیا ، سلمویہ نے انتقال کیا تو معتصم نے اس روز کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اس کا جنازہ محل

---

[1] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۰۹ [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بس لایا جائے، اور عیسائیوں کے دستور کے مطابق اس پر شمع و بخور کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے۔

احمد بن الطیب سرخسی فلسفیانہ علوم کے ساتھ نحو، شعر اور علم حدیث کا بھی ماہر تھا، پہلے وہ خلیفہ معتضد کا استاد تھا، پھر بغداد کا محتسب مقرر ہوا۔ اور معتضد کا ندیم خاص ہو گیا، اور اس نے اس کو اپنا ہمراز بنا لیا۔ اور امور سلطنت میں اس سے مشورہ لینے لگا، لیکن یہی تقرب و اختصاص اس کے قتل کا سبب بھی ہوا۔ چنانچہ اس نے معتضد کے ایک راز کو فاش کر دیا اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ معتضد نے اس کو قتل کر دیا، احمد بن الطیب سرخسی نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کے نام طبقات الاطباء وغیرہ میں مذکور ہیں، اور وہ یعقوب کندی کے مخصوص تلامذہ میں تھا۔

فلسفہ

یعقوب کندی کا شمار عباسی دور کے بہترین مترجمین میں کیا گیا ہے، اور تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا، اور فلسفہ کی مشکل کتابوں کی توضیح اور تفصیل کی، اس کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ یونانی، ایرانی اور ہندوستانی فلسفہ کا بہت بڑا ماہر تھا، لیکن تذکروں سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کن کن کتابوں کے ترجمے کیے، اور کن کن زبانوں سے کیے، البتہ اس کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے، جس کو علامہ ابن ابی اصیبعہ نے چار پانچ صفحوں میں نقل کیا ہے۔ اخبار الحکما قفطی اور فہرست ابن ندیم میں اس فہرست کی تقسیم علوم و فنون پر کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فلسفہ، منطق، ہندسہ، حساب، موسیقی، نجوم، طب، جدل اور سیاست وغیرہ کے متعلق بکثرت کتابیں لکھی ہیں، لیکن ان کتابوں میں سب سے پہلے ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں اس کی منطقیانہ کتابوں پر ان الفاظ میں نکتہ چینی کی ہے۔

" ان کتابوں کا عام رواج ہو گیا ہے، لیکن علوم میں ان سے بہت کم فائدہ اٹھایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ صناعت تحلیل سے خالی ہیں اور حق و باطل میں امتیاز صرف اسی سے ہو سکتا ہے، رہ گئی صناعت ترکیب جس کا یعقوب کندی نے ان کتابوں میں لحاظ رکھا ہے، ان سے وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کے پاس مقدمات موجود ہوں جن سے وہ ترکیب دے سکے۔ لیکن ہر مطلب کے مقدمات صرف صناعت تحلیل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یعقوب نے اس عظیم الشان صناعت کو کیوں نظر انداز کر دیا، کیا وہ اس کی اہمیت سے ناواقف تھا؟ یا اس کی توضیح میں بخل سے کام لیا؟ بہر حال جو صورت بھی ہو وہ نقص سے خالی نہیں، ان کے علاوہ اور علوم میں اس کے بکثرت رسالے ہیں جس سے اس نے آراء فاسدہ کا اظہار کیا ہے، اور ایسے مذاہب بیان کئے ہیں جو حقیقت سے دور ہیں[1]،،

جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں اسی اعتراض کو اور زیادہ واضح الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

" اکثر علوم میں اس کی مشہور تصنیفات ہیں، جن میں بعض طویل اور بعض چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں، لیکن باوجود تبحر علمی کے وہ اپنی تصنیفات میں کوتاہی کرتا ہے، اور کبھی غیر یقینی دلائل بیان کرتا ہے، اور کبھی خطیبانہ اور شاعرانہ اقوال سے کام لیتا ہے، اس نے صناعت تحلیل کو نظر انداز کر دیا جس کے بغیر منطق کے قواعد واضح نہیں ہو سکتے اگر وہ اس سے ناواقف تھا تو یہ بہت بڑی جہالت ہے، اور اگر بخل سے کام لیا تو یہ علماء کی شان کے خلاف ہے۔ رہ گئی صناعت ترکیب جس کو اس نے اپنی تصنیفات میں پیش نظر رکھا ہے تو اس سے صرف

---

[1] طبقات الامم ص ۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو اپنے تبحر علمی کی وجہ سے اس سے بے نیاز ہے[1]۔

لیکن علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ قاضی صاعد اندلسی کی یہ نکتہ چینی زیادہ تر تعصب پر مبنی ہے، اور اس سے یعقوب کندی کے علم میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔

بہر حال کوئی چیز دفعتہً ترقی نہیں کر سکتی، صناعت تحلیل کے نظر انداز کر دینے سے یعقوب کندی میں جو کمی رہ گئی تھی، اس کو اس کے بعد فارابی نے پورا کر دیا۔ یعقوب کندی کو خالص فلسفی خیال کیا جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں سب سے پہلے فلسفی کے لقب سے مشہور ہوا، لیکن اسی کے ساتھ اس میں متکلمانہ شان بھی پائی جاتی ہے، اور اس نے متعدد رسالے علم کلام کے مسائل و مباحث پر بھی لکھے ہیں، مثلاً ایک رسالہ منانیہ اور ایک رسالہ ثنویہ کے رد میں لکھا ہے، ایک رسالہ میں ملاحدہ کی تردید کی ہے، ایک رسالہ نبوت پر لکھا ہے، ایک رسالہ میں یہ بیان کیا ہے کہ اجرام فلکی خدا کا سجدہ کیونکر کرتے ہیں، ایک رسالہ میں بعض متکلمین کی تردید کی ہے۔ ان ہی تصنیفات کی بنا پر شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ اس نے اپنی بعض تصنیفات میں شریعت اور حکمت میں تطبیق دی ہے، ڈی بوئر تاریخ فلاسفۂ اسلام میں لکھتا ہے کہ

"کندی کئی پہلوؤں سے معتزلی متکلمین اور اپنے زمانہ کے نوفیثا غورثی فلاسفۂ فطرت سے علاقہ رکھتا ہے۔"

لیکن عام طور پر وہ صرف ارسطو کا مقلد خیال کیا جاتا ہے۔ موجد اور مجتہد نہیں خیال کیا جاتا۔ اگرچہ بعض یورپین محققین نے اس کو بہت بڑا مجتہد اور موجد بھی تسلیم کیا ہے، لیکن ڈی بوئر اس کی نسبت لکھتا ہے:۔

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کندی ہمہ گیر طبیعت رکھتا تھا، اسے اپنے زمانہ کے سارے علم وفضل پر عبور تھا ممکن ہے کہ اس نے جغرافیہ دان، مورخ تمدن اور طبیب کی حیثیت سے نئے مشاہدات کیے ہوں اور ان سے دوسروں کو فیض پہنچایا ہو، لیکن وہ ذہن خلاق ہرگز نہیں رکھتا تھا۔"

محمد لطفی تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ :۔

یعقوب کندی باوجود اس وسعت علم اور کثرت تصنیفات کے صحیح معنوں میں موجد اور مجتہد نہ تھا، کیونکہ اس کا کوئی خاص فلسفیانہ اصول نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک ایسا مصنف تھا جو علم کی اشاعت امہاتِ کتب کی شروح وحواشی کے ذریعہ سے اور اپنی کتابوں میں فیثا غورث اور ارسطو کے پیرووں کے مذہب کے داخل کرنے سے کرتا تھا۔[1]

افسوس ہے کہ یعقوب کندی کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے، اس لیے ہم اس کے طرز تحریر اور مسائل کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتے۔

---

[1] تاریخ فلاسفۃ الاسلام ص ۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم یحییٰ بن ابی منصور

ان کے حالات اگرچہ نہایت مختصر ملتے ہیں، لیکن ایک خاص کارنامے کی وجہ سے ان کو حکمائے اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اس لیے تذکرہ نویسوں نے ان کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔

تتمہ صوان الحکمۃ میں ان کا نام یحییٰ بن منصور لکھا ہے، لیکن فہرست ابن ندیم، ابن خلکان، طبقات الامم اور اخبار الحکماء قفطی میں ان کا نام یحییٰ بن ابی منصور بتایا ہے۔ بہرحال وہ ایک خاندانی منجم اور ریاضی داں تھے، ان کا باپ ابو منصور خلیفہ ابوجعفر کا منجم تھا، اور مجوسی مذہب رکھتا تھا، اور ان کا بیٹا یحییٰ فضل بن سہل ذوالریاستین کے دربار سے تعلق رکھتا تھا، اور احکام نجوم میں فضل اسی کی رائے پر عمل کرتا تھا، لیکن جب فضل بن سہل حوادثِ زمانہ کا شکار ہو تو یحییٰ مامون کے منجم اور ندیم ہو گئے، اور اس نے ان کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور وہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے[1]

تتمہ صوان الحکمۃ کے حاشیہ میں ابن اسفندیار سے نقل کیا ہے کہ ان کا نام بزیست ابن فیروزان تھا، لیکن مامون نے ان کے اور ان کے باپ دونوں کے ناموں کو بدل دیا۔

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۹۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یحییٰ اور ابو منصور تو ریاضی داں تھے لیکن ان کے خاندان میں ادیبوں اور شاعروں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی پیدا ہوئی جس نے خلفاء کی منادمت و مجالست کا شرف حاصل کیا ثعالبی نے یتیمہ کے ایک مستقل باب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

یحییٰ بن ابی منصور کا سال ولادت کسی تذکرے میں مذکور نہیں ہے۔ البتہ ان کی وفات کے متعلق ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جس سال مامون طرسوس کے قصد سے نکلا یحییٰ نے حلب میں وفات پائی اور وہیں قریش کے قبرستان میں دفن ہوئے، اور ان کی قبر پر ان کا نام لکھا ہوا ہے، لیکن فہرست ابن ندیم میں ہے کہ انھوں نے روم کے شہر میں وفات پائی، لیکن ان دونوں روایتوں میں ان کا سال وفات معلوم نہیں ہوتا۔ تتمہ صوان الحکمۃ کے حاشیے میں فہرست ابن ندیم سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے مامون کی وفات کے بعد جو ۲۱۸ھ میں واقع ہوئی انتقال کیا، بہرحال مامون نے ۲۱۶ھ میں طرسوس پر چڑھائی کی اور اسی سفر جہاد میں ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔ اس لیے یحییٰ کی وفات بھی قریب قریب اسی زمانے میں ہوئی۔

یحییٰ کی تصنیفات میں صرف چند کتابیں ہیں اور سب کی سب ریاضی سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) کتاب الزیج الممتحن دو نسخے اول و ثانی

(۲) کتاب مقالۃ فی عمل ارتفاع سدس ساعۃ لعرض مدینۃ السلام

(۳) کتاب بحیتوی علی ارصاد لہ

(۴) رسائل الی جماعۃ فی الارصاد

لیکن ریاضی کے متعلق اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مامون نے جو رصدگاہ قائم کی اس کے مہتمم یہی تھے، یا ان لوگوں میں جو اس کام میں شریک تھے، سب سے نمایاں شخص یہی ہیں، چنانچہ تتمہ صوان الحکمۃ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:۔

ھو صاحب الرصد فی ایام المامون	مامون کے زمانے میں وہ رصدگاہ کے مہتمم تھے
وکان متبحرا فی علوم الھندسۃ	اور علم ہندسہ میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ اسلام میں یہ پہلی رصدگاہ تھی، اس لیے ہمارے تذکرہ نویسوں نے اس کا ذکر خاص طور پر کیا ہے، چنانچہ ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے کہ جب مامون خلیفہ ہوا اور اس نے فلسفہ وحکمت سے واقفیت حاصل کرنی چاہی اور اس کے زمانے کے علمائے کتاب مجسطی سے واقفیت حاصل کی اور اس میں جن آلات رصد کا بیان تھا ان کی صورت سمجھی تو اس نے اپنی سلطنت کے اطراف وجوانب سے اپنے زمانے کے علماء کو جمع کیا، اور ان کو حکم دیا کہ وہ بھی اسی قسم کے اصول وقواعد وضع کریں اور بطلیموس سے پہلے لوگوں نے جس طرح ستاروں کے حالات معلوم کیے ہیں اسی طرح وہ بھی معلوم کریں، چنانچہ ان علماء نے ایسا ہی کیا اور ملک دمشق کے شہر شماسیہ میں ۲۱۴ھ میں ایک رصدگاہ قائم کی اور اس کے ذریعہ سے سورج اور بہت سے ثوابت و سیارات کے حالات معلوم کیے لیکن ۲۱۸ھ میں مامون کی وفات کی وجہ سے یہ علماء اپنے مقاصد کو پورا نہ کرسکے اور تحقیقات کے جس درجہ کو پہنچ چکے تھے، اس کو لکھ لیا اور اس کا نام رصد مامونی رکھا، اور اس کام کو اس زمانے کے رئیس المنجمین یحییٰ بن ابی منصور، خالد بن عبدالملک المروزی، سند بن علی اور عباس بن سعید الجوہری نے انجام دیا اور ہر ایک نے اس کے متعلق ایک زیج مرتب کی جو اس کی طرف منسوب ہے اور آج تک لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہے۔ ان کی یہ رصد سلطنت اسلام میں پہلی رصد تھی[1]۔

ابن صاعد اندلسی نے غلطی سے شماسیہ کو دمشق کا شہر قرار دیا ہے، حالانکہ وہ بغداد کا شہر ہے لیکن غالباً اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ یہ رصدگاہ دو جگہ قائم کی گئی تھی، ایک تو بغداد کے شہر شماسیہ میں دوسرے دمشق کے پہاڑ قاسیون پر اور رصد کا کام ۲۱۵ھ سے ۲۱۷ھ تک جاری رہا، لیکن ۲۱۸ھ میں مامون کی وفات کی وجہ سے بند ہوگیا، چنانچہ جمال الدین قفطی یحییٰ بن ابی منصور کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ "وہ مامون کا منجم اور اس علم میں فاضل اور عظیم المرتبہ ہے، انہوں نے امیر المومنین مامون

---

[1] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۵۰ - ۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دربار سے تعلق پیدا کیا، اور فن نجوم اور ستاروں کی رفتار کے علم میں نمایاں حیثیت حاصل کی اور جب مامون نے ستاروں کی رصد کا قصد کیا تو یحییٰ اور ایک جماعت کو جن کے نام ان کے حروف تہجی میں آئیں گے، رصد اور آلات رصد کی اصلاح کا حکم دیا اور انہوں نے بغداد کے شہر شماسیہ اور دمشق کے پہاڑ قاسیون پر اس حکم کی تعمیل کی اور یہ کام ۲۱۵ھ سے ۲۱۷ھ تک جاری رہا، پھر ۲۱۸ھ میں مامون کی وفات کی وجہ سے بند ہوگیا ہے[1]

رصد گاہ کے علاوہ مامون کے دربار میں بعض اور واقعات بھی پیش آئے، جس سے علم نجوم میں یحییٰ بن ابی منصور کی مہارت کا اظہار ہوا، چنانچہ خود یحییٰ بن ابی منصور کا بیان ہے کہ میں مامون کی خدمت میں حاضر ہوا اور کے یہاں منجمین کی ایک جماعت موجود تھی اور اس کے پاس ایک شخص تھا جو نبوت کا دعویٰ کرتا تھا، لیکن ہم کو اس دعویٰ کا حال معلوم نہ تھا، مامون نے مجھ سے اور دوسرے منجمین سے کہا کہ جاؤ اور طالع لے کر بتاؤ کہ اس شخص کا دعویٰ سچ ہے یا جھوٹ ؟ لیکن مامون نے ہم کو یہ نہیں بتایا کہ وہ متنبی یعنی مصنوعی پیغمبر ہے۔ ہم سب نے طالع کیا اور تمام منجمین نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے، لیکن میں خاموش رہا، مامون نے مجھ سے کہا کہ "تم کیا کہتے ہو" ؟ میں نے کہا کہ وہ اپنے دعویٰ کی صحت کی فکر میں ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوگا۔ مامون نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے علم نجوم کی رو سے اس کی وجہ بتا دی۔ مامون نے اس کو پسند کیا، پھر کہا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ کون شخص ہے ؟ ہم سب نے کہا "نہیں" اس نے کہا کہ "یہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔" میں نے کہا کہ "اے امیرالمؤمنین کیا اس کے پاس کوئی حجت ہے" ؟ مامون نے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ "ہاں ! میرے پاس دو نگینے والی ایک انگوٹھی ہے جس کو میں پہنتا ہوں تو مجھ میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوتا، اور دوسرا پہنتا ہے تو ہنستے ہنستے بے قابو ہو جاتا ہے، اور ہنسی نہیں رکتی، اور میرے پاس ایک شامی قلم ہے جس کو پکڑ کر میں تو لکھ سکتا ہوں لیکن دوسرا پکڑتا ہے تو

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۳۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس کی انگلی نہیں جلتی، لیکن اس نے اس کو عملی صورت میں دکھایا، تو ہم سب نے کہہ دیا کہ یہ ایک قسم کا طلسم ہے، مامون برابر مدتوں کوشش کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے اقرار کیا اور نبوت کے دعویٰ سے برائت ظاہر کی، اور اس حیلے کو بیان کیا جس سے انگوٹھی اور قلم میں کام لیا تھا۔ مامون نے اس کو ہزار دینار دیئے' اور اس کے بعد ہم نے اس سے ملاقات کی تو معلوم ہوا کہ وہ علم نجوم کا بہت بڑا عالم اور عبداللہ بن السری کے اکابر تلامذہ میں شامل تھا جس نے بغداد کے اکثر گھروں میں طلسم الخنافس بنایا۔[1]

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۲۴-۲۲۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عباس بن سعید جوہری

جن ریاضی دانوں نے مامون کی رصدگاہ کو قائم کیا تھا ان میں ایک ریاضی دان عباس بن سعید جوہری بھی ہے، غالباً وہ مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا، کیونکہ جو لوگ کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے تھے وہ اس کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام کہے جاتے تھے اور طبقات الاطباء میں ایک ضمنی موقع پر عباس بن سعید جوہری کو مامون کا مولیٰ لکھا ہے۔[1] بہرحال وہ ریاضی کی تمام شاخوں میں علم ہندسہ کا بہت بڑا ماہر تھا[2] قفطی نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ "وہ صناعتِ تسییر اور حساب فلک کا بہت بڑا ماہر اور آلاتِ رصدیہ کے بنانے کا مہتمم تھا، اس نے مامون کی صحبت اختیار کی اور شماسیۂ بغداد میں جو لوگ رصدگاہ قائم کرنے کے لیے مقرر ہوئے ان میں مامون نے اس کو بھی مقرر کیا، اس نے چاند، سورج اور بعض سیاروں کے مقامات کی تحقیق کی اور اس کے متعلق ایک زیج تیار کی جو اس فن کے لوگوں میں مشہور ہے، بہرحال اس نے اور اس کے رفقاء سند بن علی، خالد بن عبدالملک المروزی، اور یحییٰ بن ابی منصور نے مسلمانوں میں سب سے پہلے رصد کی بنیاد قائم کی، پھر اور لوگوں نے ان کی تقلید کی، جیسا کہ ہر شخص کے حال میں اس کا تذکرہ آئے گا۔ عباس بن سعید جوہری کی تصنیفات میں ایک تو زیج ہے، دوسری کتاب تفسیر اقلیدس، تیسری کتاب الاشکال التی فی المقالۃ الاولیٰ من کتاب اقلیدس۔"[3]

افسوس ہے کہ ان عناصر اربعہ میں خالد بن عبدالملک المروزی کے حالات بالکل نہ مل سکے۔

---

[1] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۳۲ [2] فہرست ابن ندیم ص ۳۷۹ [3] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۴۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالطیب سند بن علی

مامون الرشید نے رصدگاہ کے قیام کے لیے جن چار ریاضی دانوں کو طلب کیا تھا، ان میں یہ ایک نہایت ممتاز ریاضی دان ہے، اس کی کنیت ابوالطیب[۱] اور سند بن علی نام ہے، ابتدا میں یہودی تھا، لیکن بعد کو مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا[۲]، وہ اپنے زمانے کے فضلاء میں تھا، اور اور اصطرلاب اور آلاتِ رصد کے بنانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا، مامون نے شماسیۂ بغداد میں رصدگاہ قائم کرنی چاہی تو اس کو آلاتِ رصد کی اصلاح کے لیے طلب کیا[۳] اور اس کو رصد کا ممتحن مقرر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریاضی کی شاخوں میں فن انجینیری کا بھی ماہر تھا، اور اس نے اس سلسلے میں بعض عملی کام بھی کیے، چنانچہ شماسیۂ بغداد میں معزالدولہ ابوالحسین احمد بن بویہ نے جو عظیم الشان اور کثیر المصارف مکان تعمیر کرایا تھا اور جس کی تعمیر سے اس کو ۳۰۵ھ میں فراغت حاصل ہوئی، اس کے حریم میں باب الشماسیہ کی پشت پر جو گرجا تعمیر کیا گیا تھا اس کو اسی سند بن علی نے تعمیر کیا تھا[۴]

فن انجینیری میں اس کی مہارت کا ایک ثبوت اور بھی ملتا ہے وہ یہ کہ موسیٰ بن شاکر کے

---

[۱] فہرست ابن ندیم ص ۳۸۳ [۲] ایضاً و اخبار الحکماء قفطی ص ۱۴۱ [۳] معجم البلدان ج ۵ ص ۲۹۱ فہرست ابن الندیم ص ۳۸۳ و اخبار الحکماء قفطی ص ۱۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں بیٹے محمد اور احمد فن ریاضی کے بہت بڑے ماہر تھے، خلیفہ متوکل نے ان کو نہر جعفری کھدوانے کا حکم دیا اور انہوں نے یہ خدمت احمد بن کثیر الفرغانی کے متعلق کی، جس نے مصر میں مقیاس جدید بنایا تھا، لیکن بدقسمتی سے اس نے جو کام کیے اس کا انجام اچھا نہیں ہوا چنانچہ اس نے اس نہر کے دہانے کے بنانے میں غلطی کی اور اس کو اس کے بقیہ حصوں سے پست بنایا، اس لیے دہانے میں جس قدر پانی آتا تھا اس قدر نہر کے اور حصوں میں نہیں آتا تھا، اس معاملے میں متوکل سے محمد اور احمد کی شکایت کی گئی، اور اس نے تحقیقات کے لیے سند بن علی کو بغداد سے بلوایا، محمد اور احمد کی یہ عادت تھی کہ اس زمانے کے تمام ماہرین فن کو زک دینے اور نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے متوکل سے سند بن علی کی بھی شکایت کی تھی۔ اس لیے جب سند بن علی آیا تو ان دونوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا اور اپنی زندگی سے ناامید ہوگئے، چنانچہ متوکل نے سند بن علی کو بلا کر کہا کہ "ان دونوں نے مجھ سے تمہاری ہر قسم کی برائیاں بیان کی ہیں، اور اس نہر کے کھدوانے میں میرا بڑا مال ضائع کردیا ہے۔ تم جاکر بغور دیکھو کہ اس میں کیا غلطی ہوئی ہے؟ کیونکہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر واقعہ وہی ہے جو مجھ سے بیان کیا گیا ہے تو میں ان دونوں کو اسی نہر کے کنارے پھانسی دے دوں گا۔ یہ بات محمد اور احمد کے بالکل سامنے ہوئی؛ اور وہ ان دونوں کے ساتھ تحقیقات کے لیے چلا۔ اب محمد نے سند بن علی سے کہا کہ اے ابوالطیب! شریف آدمی کی قدرت اسکے غصے کو زائل کردیتی ہے ہم کو اس سے انکار نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے لیکن جرم کا اقرار جرم کو زائل کردیتا ہے اب جسطرح ہوسکے ہم کو بچاؤ" اور سند بن علی نے جس طریقہ سے ان دونوں کی جان بچائی اس سے اس کی علمی اور اخلاقی بلند پایگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے پہلے محمد اور احمد نے یعقوب کندی کی شکایت کرکے اس کے کتب خانے پر قبضہ کر لیا تھا، اور یعقوب کندی سے سند بن علی کو بھی عداوت تھی، لیکن اس نے کہا کہ "خدا کی قسم تم دونوں جانتے ہو کہ مجھ میں اور یعقوب کندی میں عداوت تھی، لیکن حق اتباع کا سب سے زیادہ مستحق ہے، تم نے اس کی کتابوں کو جو چھین لیا کیا یہ کوئی اچھا کام تھا؟ اگر تم اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابوں کو واپس کر دو تو میں تمہارا ذکر خیر کر دوں گا۔" اب محمد بن موسیٰ نے کتابیں اس کے حوالے کر دیں اور ان کی رسید لے لی۔ اس نے کہا کہ "یعقوب کندی کی کتابوں کے واپس کرنے سے مجھ پر معاہدے کی ذمہ داری عائد ہو گئی، اور علم کے معاہدے کی ذمہ داری جس کا تم نے میرے معاملے میں لحاظ نہیں کیا، اس پر مستزاد ہے، اس نہر میں جو غلطی ہے وہ دجلہ کے پانی کی زیادتی سے چار مہینے تک چھپی رہے گی، اور نجومیوں کا اتفاق ہے کہ امیرالمومنین اتنے دنوں تک زندہ نہ رہیں گے، اور میں ابھی امیرالمومنین کو اطلاع دے دیتا ہوں کہ تم دونوں سے اس نہر میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی تاکہ تم دونوں کی جان سلامت رہے، اگر منجم سچے ہیں تو ہم تینوں بچ جائیں گے اور اگر جھوٹے ہیں اور وہ اس مدت سے زیادہ زندہ رہا، یہاں تک کہ دجلہ کے پانی میں کمی آئی اور وہ اتر گیا تو ہم تینوں پر مصیبت آئے گی۔" محمد اور احمد نے اس کا شکریہ ادا کیا، اور سند بن علی نے متوکل کے پاس جا کر کہہ دیا کہ ان دونوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ دجلہ کا پانی بھی بڑھ کر نہر میں آ گیا اور اس غلطی کا حال چھپا رہا، دو مہینے کے بعد متوکل قتل کر دیا گیا اور محمد اور احمد کی جان بچ گئی[1]

سند بن علی کی تصنیفات نجوم و حساب میں ہیں اور مشہور ہیں فہرست ابن ندیم سے اس کی حسب ذیل کتابوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔

کتاب المنفصلات والمتوسطات، کتاب القواطع، کتاب الحساب السندی، کتاب الجمع والتفریق، کتاب الجبر والمقابلہ۔

---

[1] طبقات الاطباء ج ۱، ص ۲۰۷-۲۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنو موسیٰ بن شاکر

محمدؒ، احمد، حسن

مامون کے زمانے میں موسیٰ بن شاکر ایک نہایت بہادر شخص تھا، جو ابتدا میں فوجی وضع میں رہتا تھا اور نہایت عجیب وغریب طریقہ سے رہزنی کرتا تھا، یعنی مسجد میں پہلے اپنے ہمسایوں کے ساتھ عشا کی نماز پڑھتا تھا، پھر رہزنی کے لیے خراسان کے راستے میں کوسوں دور نکل جاتا تھا۔ اس کا گھوڑا سرخ رنگ کا تھا، لیکن اس کے پاؤں میں سفید رنگ کا کپڑا لپیٹ دیتا تھا تاکہ جو لوگ رات کو دیکھیں ان کو یہ معلوم ہو کہ گھوڑے کے پاؤں سفید ہیں اور خود اپنی وضع بدل لیتا تھا، اس نے ایک جاسوس مقرر کیا تھا، جب کوئی شخص مال لے کر سفر کرتا تھا تو وہ اس کو اس کی اطلاع دیتا تھا، بسا اوقات اس نے ایک جماعت پر ڈاکہ ڈالا ہے اور اس پر غالب آیا ہے، بہرحال وہ عشا کی نماز پڑھ کر رہزنی کے لیے نکل جاتا تھا اور اسی رات کو واپس آکر مسجد میں باجماعت فجر کی نماز پڑھتا تھا۔ اس کی رہزنی کا چرچا پھیلا تو وہ اس جرم میں گرفتار کر لیا گیا، لیکن لوگوں نے شہادت دی کہ وہ رات کے اول اور آخر اوقات میں ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اس لیے اس کا جرم مشتبہ ہو گیا۔ بعد کو اس نے رہزنی سے توبہ کی اور مامون کے اہلِ صحبت میں شامل ہو گیا، غالباً اس نے توبہ کے بعد علمی زندگی اختیار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلی تھی اور علم ہندسہ میں کمال پیدا کیا تھا چنانچہ اخبار الحکماء قفطی میں اس کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

مقدم فی علم الہندسة[1] وہ علم ہندسہ کا ماہر تھا

اور غالباً اسی بنا پر مامون نے اس کو اپنے ارباب صحبت میں شامل کر لیا تھا، اس نے وفات پائی تو تین چھوٹے چھوٹے بچے جن کے نام محمد، احمد اور حسن تھے، اپنی یادگار چھوڑے، مامون نے اسحاق بن ابراہیم مصعبی کی نگرانی میں ان کی پرورش کرائی اور یحییٰ بن ابی منصور کے زیر تربیت ان کو بیت الحکمت میں رکھا، یحییٰ بن ابی منصور مامون کے دربار کا نہایت مشہور ریاضی دان تھا، اور مامون نے جن لوگوں کو بغداد میں بہ مقام شماسیہ رصد خانہ قائم کرنے کا حکم دیا تھا، ان میں وہ بھی شامل تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اس کی زیر تربیت علم ریاضی میں کمال حاصل کیا، اور مسلمانوں میں اسی حیثیت سے مشہور ہوئے ان میں سب سے بڑا لڑکا ابوجعفر محمد بن موسیٰ ہندسہ ہیئت، اقلیدس، مجسطی اور ریاضی کی تمام شاخوں کا بڑا ماہر تھا، بعد کو وہ سپہ سالار ہوگیا اور ترکوں پر غلبہ حاصل کیا، ابتدا میں ان لوگوں کی مالی حالت نہایت خراب تھی، لیکن سپہ سالار ہونے کے بعد وہ اس قدر دولت مند ہوگیا کہ اس کی سالانہ آمدنی چار لاکھ دینار ہوگئی، اس کے چھوٹے بھائی احمد کی آمدنی بھی ستر ہزار دینار تھی، اگرچہ علم میں وہ اپنے بڑے بھائی سے کم رتبہ تھا، تاہم علم الحیل میں اس نے اس قدر کمال حاصل کیا کہ ابوجعفر محمد بلکہ قدما میں بھی اس کا کوئی ہمسر نہیں پیدا ہوا، سب سے چھوٹے بھائی حسن نے اپنے لیے صرف علم ہندسہ کو مخصوص کر لیا اور اس میں محض اپنی جودت طبع سے کمال کا درجہ حاصل کیا، اس نے ہندسہ کی کتابوں میں صرف اقلیدس کے چھ مقالے پڑھے تھے، لیکن بایں ہمہ چند ایسے مسائل ایجاد کیے جن کی طرف قدما کا ذہن بھی نہیں پہنچا تھا، ان ہی مسائل میں زاویہ کا تین مساوی حصوں میں تقسیم ہونا ہے، اس نے یہ کمال صرف اپنی قوت متخیلہ اور غور و فکر سے پیدا کیا تھا، اس کا خود

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان ہے کہ جب وہ غور وفکر کرتا تھا تو جس صحبت میں ہوتا تھا اس میں کسی کی بات کو نہیں سنتا تھا۔ ایک دن وہ غور وفکر کے بعد چونکا تو معلوم ہوا کہ دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہو گئی ہے اور وہ بیہوشی یا خواب کی حالت میں ہے۔ ایک دن حسن نے مامون کے سامنے مروزی سے جو اقلیدس کی کتاب اور مجسطی کا بہت بڑا عالم تھا، لیکن اپنی قوتِ فکریہ سے استنباطِ مسائل نہیں کر سکتا تھا، کہا کہ تم میرے سامنے ایک مسئلہ پیش کرو، اور میں تمہارے سامنے ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں۔ مروزی نے مامون سے کہا کہ اے امیر المومنین اس نے اقلیدس کی کتاب کے صرف چھ مقالے پڑھے ہیں چونکہ مامون کا خیال تھا کہ جب تک کوئی شخص اقلیدس کی کتاب کو نہ پڑھ لے وہ ہندسہ دان نہیں ہو سکتا اس لئے اس نے مروزی کے قول کی تصدیق نہیں کی اور حسن کی طرف اس طرح متوجہ ہوا گویا وہ مروزی کے قول کا انکار کرتا ہے۔ حسن نے کہا کہ اگر میں جھوٹ بولنا چاہوں تو اس کے قول کا انکار کر سکتا ہوں، کیونکہ اقلیدس کے جو مقالے میں نے نہیں پڑھے ہیں ان کی جس شکل کو بھی وہ میرے سامنے پیش کرے میں اپنی قوتِ فکریہ سے اس کو حل کر سکتا ہوں۔ ایسی حالت میں اگر میں نے اقلیدس کی پوری کتاب نہیں پڑھی ہے تو اس سے مجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، لیکن پوری کتاب کے پڑھ لینے کے بعد بھی اگر مروزی ہندسہ کا ایک معمولی مسئلہ بھی حل نہیں کر سکتا تو اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، مامون نے کہا یہ سچ ہے لیکن باوجود اس کے میں تمہارا عذر قبول نہیں کر سکتا۔ تم نے اقلیدس کی پوری کتاب کے پڑھنے میں غفلت و کاہلی سے کام لیا، حالانکہ بولنے اور لکھنے کے لیے جس طرح الف، ب، ت بطور اصل کے کام میں لائے جاتے ہیں اسی طرح ہندسہ کی اصل اقلیدس کی کتاب ہے۔[1]

ان لوگوں نے ریاضی کی مختلف شاخوں پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، جن کے نام اخبار الحکماء قفطی اور فہرست ابن ندیم میں مذکور ہیں لیکن ان کی سب سے زیادہ مشہور کتاب علم حیل میں ہے، جس

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعہ سے مختلف قسم کے متحرک اور مکانک آلات مثلاً گھڑی وغیرہ بنائے جاتے ہیں، اور ان سے عملی کام لیے جاتے ہیں، یونان میں اس علم کا سب سے بڑا ماہر ایرن خیال کیا جاتا تھا، لیکن یہ لوگ اس علم میں اس پر بھی سبقت لے گئے، چنانچہ اخبار الحکما قفطی میں ہے کہ "احمد بجز علم الحیل کے اپنے بھائی سے کم رتبہ تھا، البتہ علم الحیل میں اس کو وہ دسترس حاصل ہوئی جو اس کے بھائی محمد اور علم الحیل کے دوسرے قدما محققین مثلاً ایرن وغیرہ کو بھی حاصل نہ تھی[1]۔ ان لوگوں نے علم الحیل پر جو کتاب لکھی تھی اس کو ابن خلکان نے بچشم خود دیکھا تھا۔ وہ اس کی نسبت لکھتا ہے کہ علم الحیل میں ان کی ایک عجیب کتاب ہے جو ہر قسم کی نادر باتوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے اور میں نے اس کو بہترین مفید کتاب پایا، مذہب اسلام میں یہ ان کا مخصوص فن ہے اور وہی اس کو قوت سے فعل میں لائے، اگرچہ اسلام سے پہلے ارباب ارصاد نے اس فن کو لیا تھا، لیکن اہل اسلام میں ان کے سوا اور کسی نے اس فن کی طرف توجہ نہیں کی[2]۔ خلیفہ متوکل باللہ کو چونکہ آلات متحرکہ کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اس لیے اس فن کی بدولت ان لوگوں کو اس کے دربار میں بہت زیادہ رسوخ حاصل ہوا، اور اس سے نہر جعفری کے کھدوانے کا کام ان کے سپرد کیا، البتہ افسوس یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس رسوخ و اقتدار سے کوئی اچھا کام نہیں لیا، بلکہ اور ریاضی دانوں مثلاً یعقوب کندی اور سند بن علی کی بیخ کنی کرنی چاہی اور سند بن علی نے شرافت سے کام نہ لیا ہوتا تو اس نہر کے کھدوانے میں جو غلطی ہوگئی تھی اس کے بدلے میں یہ لوگ خود تباہ ہوجاتے[3]۔

مامون نے بھی اپنے دور خلافت میں ان کی ریاضی دانی سے عملی کام لیا، اور ان کے ذریعہ سے کرۂ زمین کے دور کی پیمائش کرائی جس کی پوری تفصیل ابن خلکان میں مذکور ہے[4]۔ ان کو اگرچہ اصلی دلچسپی ہندسہ، علم الحیل، موسیقی اور نجوم سے تھی۔ تاہم انہوں نے اپنی علمی دلچسپی

---

[1] اخبار الحکما قفطی ص ۲۸۷ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۹۷، [3] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۰۷ - ۲۰۸

[4] ابن خلکان ج ۲ ص ۹۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ان ہی علوم تک محدود نہیں رکھا، بلکہ بلاد روم میں اپنے بہت سے گماشتے بھیجے اور ان کے ذریعہ سے یونانی علوم وفنون کی کتابیں منگوائیں اور دور دور سے مترجمین طلب کیے، اور بیش قرار معاوضے دے کر ان سے ان کتابوں کے ترجمے کرائے۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن موسیٰ نے اس غرض سے خود بلاد روم کا سفر کیا تھا، چنانچہ ثابت بن قرہ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ثابت بن قرہ حران میں صرافی کا پیشہ کرتا تھا، لیکن جب محمد بن موسیٰ روم سے پلٹا تو چونکہ اس کو فصیح پایا اس لیے اپنے ساتھ لیتا آیا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے خود محمد بن موسیٰ سے اس کے گھر میں تعلیم حاصل کی۔ اس لیے اس پر اس کا حق واجب ہوگیا، اور اس نے اس کو معتضد کے دربار کے منجمین میں داخل کرا دیا۔[2]

ان لوگوں کے مترجمین میں حنین بن اسحاق، حبیش بن حسن اور ثابت بن قرہ وغیرہ شامل تھے جن کو ماہوار پانچ سو اشرفیاں ملتی تھیں۔[3]

---

[1] اخبار الحکمار قفطی ص ۲۰۸ [2] طبقات الاطبار ج ا ص ۲۱۵ [3] طبقات الاطبار ج ا ص ۸۷،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد بن موسیٰ خوارزمی

مامون کے زمانے تک مسلمانوں میں فلسفی تو صرف یعقوب کندی ہی پیدا ہوا لیکن ریاضی دانوں میں متعدد اشخاص نے شہرت حاصل کی، جن میں ایک محمد بن موسیٰ خوارزمی بھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے حالات تذکروں میں بالکل نہیں ملتے، صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مامون کے بیت الحکمۃ سے تعلق رکھتا تھا، اور اس کا شمار ہیئت دانوں میں کیا جاتا تھا[1]

فن ریاضی میں سب سے پہلے جبر و مقابلہ پر اسی نے کتاب لکھی، جس کی نسبت علامہ شبلی مرحوم المامون میں لکھتے ہیں کہ

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اوّل جو کتاب لکھی گئی وہ اسی عہد کے ایک مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی فرمائش سے لکھی، یہ تصنیف آج بھی موجود ہے، اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ علمائے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سینکڑوں نادر کتابیں لکھیں لیکن اصل مسائل میں اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے۔

اس کا یہ جبر و مقابلہ یورپ میں مع انگریزی ترجمہ کے چھپ گیا ہے۔

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابونصر فارابی

نام ونسب

ابونصر محمد بن محمد بن اوزلغ بن طرخان دراصل ایرانی نسل کا تھا، لیکن ۲۵۹ھ میں ترکستان کے ایک شہر فاراب میں پیدا ہوا[1]۔ اس لیے اس کا شمار ترکوں میں کیا جاتا ہے اور اس کے آبا واجداد میں اوزلغ اور طرخان کے نام بھی ترکی ہیں۔ آبائی پیشہ سپہ گری تھا اور اس کا باپ محمد فوج کا سپہ سالار تھا[2]۔

تعلیم وتربیت

لیکن فارابی خاندانی پیشہ کو چھوڑ کر علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوا اور ابتدا میں متعدد زبانیں سیکھیں، خود اس نے ایک موقع پر بیان کیا ہے کہ وہ ستر زبانوں سے زیادہ زبانوں کا ماہر تھا تاہم باوجود اس زباں دانی کے عربی زبان سے واقف نہ تھا، لیکن جب اپنے وطن کو چھوڑ کر

---

[1] فارابی کا سنہ ولادت معلوم نہیں، لیکن تمام تذکرے اس پر متفق ہیں کہ اس نے ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔ اور ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وفات کے وقت اس کی عمر تقریباً اسی سال کی تھی، اس لحاظ سے اس کا سنہ ولادت ۲۵۹ھ ہوگا [2] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۴،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے بغداد پہنچا تو عربی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل کرلی[۱]

اس کے بعد علوم عقلیہ کی طرف متوجہ ہوا، اور اس کی تحریک اس طرح ہوئی کہ ایک شخص نے اس کے پاس ارسطو کی بہت سی کتابیں امانۃً رکھیں، فارابی نے ان کو دیکھا تو وہ اس کو نہایت پسند آئیں، اور اس نے بالتواتر ان کا مطالعہ جاری رکھا، یہاں تک کہ ان کے مطالب کو اچھی طرح سمجھ لیا، اور پورا فلسفی ہوگیا[۲]

ارسطو کے ساتھ اس کے حسن عقیدت کا یہ حال تھا کہ اس کی تصنیفات کو بار بار پڑھتا تھا اور سیر نہیں ہوتا تھا، ارسطو کی ایک تصنیف کے متعلق اس کا خود بیان ہے کہ "میں نے اس کو چالیس بار پڑھا اور مجھ کو اس کے پڑھنے کی اور بھی ضرورت ہے"[۳] ارسطو کی کتاب النفس کا ایک نسخہ ملا تو اس پر فارابی کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ فقرہ تھا کہ میں نے اس کتاب کو سو بار پڑھا ہے[۴] لیکن علوم عقلیہ کی تحصیل میں اس نے صرف ارسطو کی کتابوں کے مطالعہ پر قناعت نہیں کی، بلکہ ان کو اس زمانے کے ان اساتذہ سے بھی حاصل کیا، جن کا اشاعت فلسفہ کی تاریخ سے نہایت ابتدائی تعلق ہے، اور خود فارابی نے اس تاریخ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ "فلسفہ کی اشاعت یونانی بادشاہوں کے زمانے میں اور اسکندریہ میں ارسطو کی وفات کے بعد ایک ملکہ کے زمانے تک ہوتی رہی، چنانچہ ارسطو کی وفات کے بعد اسکندریہ میں فلسفہ کی تعلیم بدستور جاری رہی اور اس کا سلسلہ ۱۳ بادشاہوں تک قائم رہا، اور ان کے دور حکومت میں فلسفہ کے بارہ استاد پیدا ہوئے جن میں ایک اندرونیقوس کے نام سے مشہور ہے، ان تمام بادشاہوں کا آخری سلسلہ ایک عورت پر ختم ہوا، جس کو روم کے بادشاہ اگسٹس نے قتل کر دیا، اور اس کے ملک پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے کتب خانوں کو دیکھا تو اس میں ارسطو کی

---

[۱] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۶ - ۷۷، [۲] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۴ [۳] ایضاً ص ۱۳۶، [۴] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابوں کے چند نسخے پائے، جو ارسطو اور تاوفرسطس کے زمانے میں لکھے گئے تھے، اس کے علاوہ اس نے معلمین فلسفہ کی وہ کتابیں پائیں جن کو انہوں نے ارسطو کے مسائل و مطالب پر لکھا تھا، اب اس نے حکم دیا کہ ارسطو اور اس کے تلامذہ کے زمانے میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں، وہ نقل کرلی جائیں، اور ان ہی کے ذریعہ سے فلسفہ کی تعلیم دی جائے، اور بقیہ کتابیں نظرانداز کردی جائیں، اس نے اندرونیقوس کو اس کام پر مامور کیا، اور اس کو حکم دیا کہ چند نسخوں کی نقل کرکے ان کو اس کے ساتھ روم میں لے چلے اور چند نسخے اصلی تعلیم گاہ اسکندریہ میں چھوڑ دے اور اسکندریہ میں تعلیم کے لئے چند اساتذہ کو اپنی جگہ مقرر کردے اور خود اس کے ساتھ روم چلے، اب تعلیم کے دو مرکز ہو گئے، اور ان ہی دونوں مرکزوں میں فلسفہ کی تعلیم جاری ہو گئی، اس کے بعد عیسائیت کا دور شروع ہوا تو رومی مرکز میں فلسفہ کی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا، اور وہ صرف اسکندریہ میں محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد عیسائی بادشاہ نے اس پر غور کیا، اور پادریوں نے اس پر باہم مشورہ کیا کہ اس تعلیم کا کونسا حصہ چھوڑنے کے قابل ہے، اتفاق رائے اس پر ہوا کہ منطق کی کتابوں میں سے اشکالِ وجودیہ تک کی تعلیم دی جا سکتی ہے، اس کے بعد کے حصے چھوڑ دینے کے قابل ہیں، کیونکہ اس سے عیسائیت کو نقصان پہنچے گا، غرضیکہ انہوں نے صرف اس قدر تعلیم کی اجازت دی جس سے عیسائی مذہب کی حمایت کی جا سکے، اس لیے صرف اسی قدر تعلیم باقی رہ گئی اور باقی حصے نظرانداز کردیے گئے، اس کے مدتوں بعد اسلام کا دور آیا تو فلسفہ کی تعلیم اسکندریہ سے انطاکیہ منتقل ہو گئی، اور وہاں ایک زمانۂ دراز تک جاری رہی، یہاں تک کہ وہاں فلسفہ کا صرف ایک استاد رہ گیا، جس سے دو آدمیوں نے تعلیم حاصل کی اور وہاں سے اپنے ساتھ کتابیں لے کر نکلے، ان میں ایک حران کا اور دوسرا مرو کا باشندہ تھا، مرو کے باشندہ سے دو آدمیوں نے تعلیم حاصل کی، ایک ابراہیم مروزی اور دوسرے یوحنا بن حیلان اور حرانی سے اسرائیل اسقف اور قویری نے تعلیم حاصل کی اور دونوں بغداد میں آئے، ان میں ابراہیم دینی کاموں میں مشغول ہو گئے، اور قویری نے تعلیمی کام کا سلسلہ جاری رکھا۔ یوحنا بن حیلان بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینی کاموں میں مشغول ہوگیا، اور ابراہیم مروزی نے بغداد میں آکر قیام کیا اور ان سے متی بن یونان[1] نے تعلیم حاصل کی اور اس وقت منطق کی تعلیم صرف اشکال وجودیہ تک دی جاتی تھی[1]۔

اساتذہ

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فارابی کے زمانے میں فلسفیانہ تعلیم کا جو سلسلہ جاری تھا، اس کی آخری کڑی متی بن یونان اور یوحنا بن حیلان تھے، اور فارابی نے ان دونوں سے تعلیم حاصل کی متی بن یونان کا نام اخبار الحکماء قفطی میں ابوبشر متی بن یونس، ابن خلکان میں ابوبشر متی یونس اور تاریخ الحکماء شہرزوری میں صرف متی بن یونس لکھا ہے، وہ ایک عیسائی حکیم تھا اور ارسطو کی کتابوں کی شرح کرتا تھا، اور منطق وغیرہ میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ بغداد اور مشرق کے دوسرے اسلامی شہروں میں علم منطق میں اسی کی کتابوں پر علماء کا اعتماد تھا[2]۔ وہ بغداد میں علم منطق کی تعلیم دیتا تھا اور اس فن میں بے نظیر خیال کیا جاتا تھا، اور اس کی شہرت اور عظمت کی بنا پر اس فن کے سیکڑوں طالب العلم اس کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، اور وہ ارسطو کی کتاب المنطق کا درس دیتا تھا، اور اپنے شاگردوں کو اس کی شرح کا املا کراتا تھا، فارابی بھی اس کے وسیع حلقۂ درس میں شریک ہوا، اور ایک زمانے تک اس سے مستفید ہوتا رہا[3]۔

یوحنا بن حیلان کا حال ہمارے تذکرہ نویسوں نے بالکل نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ اس کا صحیح نام بھی معلوم نہیں ہوتا، طبقات الاطباء میں اس کا نام یوحنا بن حیلان، اخبار الحکماء قفطی میں یوحنا بن جیلاد اور ابن خلکان میں یوحنا بن خیلان لکھا ہے۔ بہرحال وہ ایک عیسائی حکیم تھا، اور طبقات الاطباء اور اخبار الحکماء قفطی کی روایت کے مطابق فارابی نے اس سے بغداد میں علوم حکمیہ کی تعلیم حاصل کی[4]۔ لیکن ابن خلکان میں ہے کہ وہ بغداد سے حران گیا اور وہاں یوحنا بن خیلان

---

[1] طبقات الاطباء، ج ۲ ص ۱۳۵، [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۸۳ [3] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۶،

[4] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۵ و اخبار الحکماء قفطی ص ۱۸۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے منطق کا ایک حصہ پڑھا، حران سے پلٹ کر بغداد آیا اور وہاں فلسفہ کی تکمیل اور ارسطو کی تمام کتابوں میں مہارت حاصل کی[1]۔ لیکن علوم عقلیہ کی مشغولیت کے ساتھ وہ علوم ادبیہ کی تحصیل بھی کرتا تھا، ورابوبکر محمد بن السری المعروف بابن السراج سے نحو کی کتابیں پڑھتا تھا، اور وہ اس سے منطق کی تعلیم حاصل کرتے تھے[2]۔

ابوبکر محمد بن السراج نحو کے بہت بڑے امام تھے، اور مبرّد کے بعد وہی اس فن کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے مقتدر کی خلافت میں ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔

فارابی علوم طبیہ کا بھی ماہر تھا، لیکن اس نے عملاً کبھی طبابت نہیں کی، اور نہ اس فن میں اس کے اساتذہ کا حال معلوم ہے؛ اسی طرح وہ علم موسیقی کا بھی بہت بڑا ماہر تھا اور ایک باجا ایجاد کیا تھا جس سے محرک جذبات نغمے سنائی دیتے تھے[3]۔ ابن خلکان میں ہے کہ جس باجے کا نام قانون ہے وہ فارابی ہی کی ایجاد ہے[4]۔

طبقات الاطباء میں ہے کہ وہ ابتدا میں قاضی تھا، لیکن جب علوم حکمیہ کی طرف متوجہ ہوا تو اس عہدے کو چھوڑ دیا اور ہمہ تن اس کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگیا[5]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فقہ کی تعلیم بھی حاصل کی تھی، کیونکہ فقہ کی تعلیم کے بغیر کوئی شخص قاضی نہیں ہوسکتا، لیکن اس فن میں اس کے اساتذہ کا حال معلوم نہیں۔

سفر

بغداد میں علوم عقلیہ کی تکمیل کے بعد فارابی نے ۳۳۰ھ میں شام کا سفر کیا، کیونکہ طبقات الاطباء میں اس کی کتاب سیاست مدنیہ کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب بغداد میں لکھنی شروع کی

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص ۷۶ [2] طبقات الاطباء جلد ۲ ص ۱۳۶ [3] ایضاً ص ۱۳۴ [4] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۷ [5] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ۳۳۰ھ کے آخر میں اس کو اپنے ساتھ شام لے گیا اور ۳۳۱ھ میں دمشق میں اس کو تمام کیا۔[1] ابن خلکان میں ہے کہ فارابی بغداد میں علوم حکمیہ کی تحصیل و تکمیل کرتا رہا اور وہیں اس نے اپنی اکثر کتابیں لکھیں، پھر بغداد سے دمشق کا سفر کیا، لیکن وہاں قیام نہیں کیا، پھر مصر گیا۔ اس نے خود اپنی کتاب سیاست مدنیہ میں لکھا ہے کہ اس نے اس کو بغداد میں لکھنا شروع کیا اور مصر میں اس کو مکمل کیا۔ پھر دمشق واپس آیا اور وہاں قیام کیا۔[2] دمشق میں اس نے اپنا ابتدائی زمانہ نہایت عسرت کی حالت میں بسر کیا۔ اول اول وہ ایک باغ کا رکھوالا مقرر ہوا، لیکن اس حالت میں بھی اس نے اپنے مطالعہ و تصنیف کا سلسلہ بدستور جاری رکھا، غربت کی حالت یہ تھی کہ چراغ تک میسر نہیں تھا لیکن باوجود اس کے راتوں کی فرصت میں پہرہ داروں کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ و تصنیف کرتا رہتا تھا، بالآخر ایک مدت کے بعد اس کے فضل و کمال کا چراغ روشن ہوا، اور اس کی تصنیفات نے شہرت حاصل کی اور نہایت کثرت سے اس کے شاگرد پیدا ہو گئے۔[3]

سیف الدولہ کے دربار سے تعلق

اس وقت سیف الدولہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حمدان تغلبی شام کا بادشاہ تھا، جو ۱۷ ذی الحجہ ۳۰۳ھ یا ۳۰۱ھ میں پیدا ہوا، اور صفر ۳۵۶ھ میں بہ مقام حلب وفات پائی، اور میافارقین میں دفن ہوا، وہ نہایت فیاض، فصیح و بلیغ اور علم و ادب کا بڑا قدردان تھا، خلفاء کے بعد کسی بادشاہ کے دربار میں اس کے دربار سے زیادہ شعراء اور ارباب کمال کا مجمع نہیں ہوا، عربی زبان کے مشہور شعراء میں وہ متنبی کا خاص طور پر ممدوح تھا، اس کے علاوہ جن شعراء نے اس کی مدح میں قصائد لکھے ان کا انتخاب متعدد لوگوں نے دس ہزار اشعار میں کیا۔ وہ

---

[1] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۸ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۷، لیکن سیاست مدنیہ چھپ گئی ہے اور اس پر یہ تصریح نہیں ہے [3] طبقات الاطباء، ج ۲ ص ۱۳۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بذاتِ خود بھی نہایت عمدہ اشعار کہتا تھا۔[۱]

علوم ادبیہ کے ساتھ وہ علوم عقلیہ کا بھی بہت بڑا قدردان تھا، اور بہت سے اطباء و حکماء اس کے خوانِ کرم سے فیض یاب ہوتے تھے، وہ جب کھانا کھاتا تھا تو اس کے دسترخوان پر ۲۴ اطباء حاضر رہتے تھے جن میں جو شخص دو علموں کا ماہر ہوتا تھا اس کو دو وظیفہ اور جو شخص تین علموں کا ماہر ہوتا تھا اس کو تین وظیفہ ملتا تھا، ان ہی میں عیسی الرقی المعروف بالتفلیسی بھی تھا جو سریانی زبان کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس لیے اس کو ۴ وظیفے ملتے تھے ایک وظیفہ طب کا، دوسرا ترجمہ کا اور ۲ وظیفے دو اور علوم کی وجہ سے ملتے تھے۔[۲]

فارابی اس کے دربار میں جس حکیمانہ شان سے آیا اس کی دلچسپ تفصیل ابن خلکان نے اس طرح بیان کی ہے کہ سیف الدولہ کی مجلس میں ہر علم و فن کے فضلا کا مجمع رہتا تھا۔ فارابی ترکی وضع میں جس کا وہ ہمیشہ پابند رہتا تھا، اس مجلس میں آیا اور کھڑا رہا۔ سیف الدولہ نے اس سے کہا کہ "بیٹھ جاؤ"۔ فارابی نے کہا کہ "کہاں؟ جہاں میں ہوں یا جہاں تم ہو؟" سیف الدولہ نے کہا کہ "جہاں تم ہو"۔ اب وہ صف کو چیرتا ہوا سیف الدولہ کی مسند تک جا پہنچا، اور اس کو وہاں سے ہٹانا چاہا۔ سیف الدولہ کے ارد گرد بہت سے غلام کھڑے رہتے تھے، جن سے وہ ایک خاص زبان میں جس کو بہت کم لوگ سمجھ سکتے تھے، راز کی بات کہتا تھا، اسی زبان میں اس نے ان غلاموں سے کہا کہ "اس بڈھے نے بے ادبی کی ہے، میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں، اگر وہ ان کا جواب نہ دے سکا تو تم لوگ اس کو بیوقوف بنانا"۔ فارابی نے اسی زبان میں کہا کہ "اے امیر صبر کیجئے کیونکہ تمام چیزیں ان کے نتائج پر موقوف ہیں"۔ سیف الدولہ کو اس پر تعجب ہوا، اور اس نے کہا کہ "تم اس زبان کو جانتے ہو؟" فارابی نے جواب دیا کہ "میں ستر سے زیادہ زبانیں جانتا ہوں"۔ اب سیف الدولہ کے دل میں اس کی وقعت پیدا ہوگئی، اور اس کے بعد فارابی نے علماء

---

[۱] ابن خلکان ج ۱ ص ۳۶۵ - ۳۶۶ [۲] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۴۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہر فن میں گفتگو شروع کی اور ان پر اس قدر چھا گیا کہ سب کے سب خاموش رہ گئے اور فارابی بولتا رہا، اور وہ لوگ اس کی گفتگو کو لکھتے رہے اب سیف الدولہ نے تمام علماء کو ہٹا دیا اور فارابی کو خلوت میں لے گیا اور کہا کہ "آپ کچھ کھانا چاہتے ہیں؟" فارابی نے انکار کیا، پھر کہا کہ "آپ کچھ پینا چاہتے ہیں؟" فارابی نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ پھر اس نے کہا کہ "آپ، کچھ سننا چاہتے ہیں"۔ فارابی نے کہا کہ "ہاں"، اب سیف الدولہ نے گانے والی لونڈیوں کو طلب کیا اور جو لونڈیاں فن موسیقی کی ماہر تھیں مختلف قسم کے ساز لے کر حاضر ہوئیں، اور ان کو بجانا شروع کیا تو فارابی نے سب میں غلطیاں نکالیں اس پر سیف الدولہ نے کہا کہ "آپ اس فن سے بھی واقف ہیں؟ فارابی نے اثبات میں جواب دیا اور اپنی کمر سے ایک تھیلی نکالی اور اس کو کھول کر چند لکڑیاں نکالیں اور ان کو جوڑ کر بجانا شروع کیا، جس سے تمام حاضرین مجلس ہنس پڑے، پھر ان کو کھول کر دوسرے طریقہ سے جوڑ کر بجایا تو سب کے سب رو پڑے، پھر ان کو تیسرے طریقے سے جوڑ کر بجایا تو سب کے سب یہاں تک کہ دربان بھی سو گئے اور وہ سب کو سوتا ہوا چھوڑ کر چلتا ہوا[1]

اس کے بعد فارابی نے ایک مدت تک حلب میں صوفیانہ وضع میں قیام کیا پھر سیف الدولہ کے ساتھ دمشق واپس آیا[2] سیف الدولہ نے اگرچہ اس کی قدردانی میں کوئی کمی نہیں کی لیکن فارابی نے اس حالت میں بھی اپنی حکیمانہ اور صوفیانہ شان میں کوئی تغیر نہیں کیا بلکہ اس کی فیاضیوں سے صرف اس قدر فائدہ اٹھایا کہ اس سے روزانہ چاندی کے چار درہم لیتا تھا اور ان کو اپنی ضروریات میں صرف کرتا تھا[3]

وفات

اسی زاہدانہ شان کے ساتھ اس نے ۳۳۹ھ میں دمشق میں اسی سال کی عمر میں وفات

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۷ [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۸۳ [3] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالآخر سیف الدولہ نے اپنے چار خواص کے ساتھ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی اور ظاہر دمشق یں باب الصغیر کے باہر دفن ہوا۔[1] لیکن شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ فارابی دمشق سے عسقلان کو جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں نے اس کو گھیر لیا۔ فارابی نے ان سے کہا کہ سواریاں ہتھیار اور کپڑے جو کچھ میرے ساتھ ہیں، ان کو لے لو اور مجھ کو چھوڑ دو، لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا اور اس کو قتل کرنا چاہا۔ مجبوراً فارابی نے بھی مقابلہ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مارا گیا۔ امرائے شام پر اس حادثے کا نہایت سخت اثر ہوا، اور انہوں نے ڈاکوؤں کو گرفتار کیا اور فارابی کو دفن کر کے اس کی قبر پر ان کو پھانسی دے دی۔[2]

اخلاق و عادات

فارابی صرف علمی حیثیت سے حکیم نہ تھا، بلکہ عملاً بھی حکیم تھا، تاریخ الحکماء شہرزوری میں لکھا ہے کہ حکمائے قدیم مثلاً ارسطو اور افلاطون زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ابن سینا پہلا شخص ہے جس نے ان کی اخلاقی روش میں تبدیلی پیدا کی۔ فارابی نے بھی ان ہی حکمائے قدیم کی اخلاقی روش اختیار کی تھی اور نہایت قناعت پسندی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ وضع، لباس، مکان اور پیشہ سے بالکل بے نیاز اور بے پروا تھا اور صرف بکری کے دل کی یخنی، شراب ریحانی کے ساتھ ملا کر پیتا تھا۔[3] سیف الدولہ کے دربار میں وہ کافی دنیوی فائدے اٹھا سکتا تھا، لیکن اس نے صرف چار درہم روزانہ پر قناعت کی۔ سیف الدولہ کے علاوہ صاحب ابن عباد نے بھی اس سے تعلقات پیدا کرنے چاہے اور اس کے پاس ہدیے اور تحفے روانہ کیے لیکن فارابی نے ان کے قبول کرنے سے انکار کیا، اتفاق سے ایک مدت کے

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۷، طبقات الاطبا ج ۲ ص ۱۳۴ میں ان خواص کی تعداد ۱۵ بتائی گئی ہے۔

[2] اخبار الحکماء شہرزوری ص ۱۶، [3] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد فارابی رے پہنچا۔ اس کی وضع یہ تھی کہ بدن پر ایک میلی قبا اور سر پر ایک ٹوپی تھی، بال کھچڑی تھے اور ترکوں کی شکل کے مطابق پست قد تھا، صاحب بن عباد کہا کرتا تھا کہ جو شخص فارابی کو میرے پاس لائے گا، میں اس کو اس قدر مال و دولت دوں گا کہ وہ بالکل بے نیاز ہو جائے گا۔ فارابی ایک بار موقع پا کر اس کی مجلس عیش میں جو ندماء، ظرفاء اور ارباب لہو سے معمور تھی، پہنچا اور سب نے اس کی وضع و قطع دیکھ کر اس کی ہنسی اڑائی اور فارابی ان کے اہانت آمیز برتاؤ کو برداشت کرتا رہا۔ فارابی بیٹھ گیا اور جب شراب کے دور نے ان سب کو بے خود کر دیا تو فارابی نے ستار کو اٹھا کر اس طریقے سے بجایا کہ سب کے سب بے ہوش ہو گئے اور فارابی ستار پر یہ الفاظ لکھ کر کہ

"ابونصر فارابی آیا اور تم نے اس کی ہنسی اڑائی، اس لیے تم کو سلا کر غائب ہو گیا۔"

رے سے بغداد کی طرف روانہ ہو گیا، جب صاحب اور اس کے ہم نشین ہوش میں آئے تو ان کو فن موسیقی کی اس مہارت پر تعجب ہوا اور سب نے اس پر افسوس ظاہر کیا کہ ایسے ماہر فن کی منادمت سے محروم رہ گئے۔ اس کے بعد صاحب بن عباد نے کہا کہ اس کے نام پر شراب کا دور چلاؤ، ممکن ہے کہ زمانہ پھر اس کو واپس لائے، مطرب نے ستار اٹھایا تو کہا کہ وہ میرے ستار پر کچھ لکھ کر گیا ہے۔ صاحب بن عباد نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ابونصر فارابی تھا۔ اب اس نے سر پیٹ لیا اور بہت سے لوگوں کو اس کی تلاش میں روانہ کیا، لیکن فارابی کا پتہ نہ چلا اور اس کو عمر بھر اس کا افسوس رہا۔[1]

فارابی کے نزدیک علوم حکمیہ کے پڑھنے کے جو شرائط ہیں، ان سے بھی اس کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جو شخص علم حکمت کو شروع کرنا چاہتا ہے

---

[1] تاریخ الحکماء شہرزوری ص ۱۴-۱۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو جوان، صحیح المزاج اور نیک لوگوں کے اخلاق کا پابند ہونا چاہیے، اور سب سے پہلے اس کو قرآن، لغت اور شرعی علوم کی تحصیل کرنی چاہیے، اس کو پاکباز اور سچا ہونا چاہیئے۔ بدکاری، فریب، خیانت اور مکر و حیلہ سے اجتناب کرنا چاہیئے، اس کو معاش کی طرف سے مطمئن ہونا چاہیئے اور ہمیشہ شرعی اعمال کو ادا کرنا چاہیئے اور شریعت کے ارکان و آداب میں سے کسی کو چھوڑنا نہیں چاہیئے، علم اور علماء کی عزت کرنا چاہیئے اور علم اور اہل علم کے سوا، اس کو کسی دوسری چیز کی قدر نہیں کرنی چاہیئے، اس کو چاہیئے کہ علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہ بنائے، اور جو شخص اس کے خلاف عمل کرتا ہے، وہ جھوٹا حکیم ہے، اس کا شمار حکماء میں نہیں ہو سکتا، جس شخص کا علم دنیا میں اس کے اخلاق کی اصلاح و تہذیب نہیں کرتا وہ آخرت میں سعادت نہیں حاصل کر سکتا، سعادت کی تکمیل مکارم اخلاق سے ہوتی ہے جس طرح درخت کی تکمیل پھل سے ہوتی ہے۔[1]

درس و تدریس

فارابی ہمیشہ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مصروف رہتا تھا۔ ابن خلکان میں ہے کہ وہ دمشق میں اکثر ان مقامات پر رہتا تھا جہاں آب رواں اور باغات ہوتے تھے، اور یہیں تصنیف و تالیف کرتا تھا، اور طلباء کو درس دیتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے تمام تلامذہ کے نام معلوم نہیں، صرف اس کے دو ممتاز شاگردوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔ ایک ابراہیم بن عدی جس کی نسبت طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ ابراہیم بن عدی فارابی کا ایک شاگرد تھا جس سے اس نے حلب میں ارسطو کی کتاب البرہان کی شرح کا املا کرایا۔[2] تاریخ الحکماء شہرزوری میں ہے کہ وہ فارابی کے مخصوص تلامذہ میں تھا، اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔[3] ترصوان الحکمۃ

---

[1] تاریخ الحکماء شہرزوری ص ۱۶-۱۷، [2] طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۳۹ [3] شہرزوری ص ۸۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے کہ وہ فارابی کی کتابوں کا مدون تھا[1]۔ فارابی کا دوسرا ممتاز شاگرد یحییٰ بن عدی تھا، جو مذہباً یعقوبی عیسائی تھا، اس نے ابو بشر متی بن یونس، فارابی اور دوسرے لوگوں سے تعلیم حاصل کی تھی، اور اپنے زمانے میں علوم عقلیہ کا سب سے بڑا ماہر خیال کیا جاتا تھا، ارسطو کی کتابوں کی شرح کرتا تھا اور فارابی کی تصنیفات کی تلخیص کی تھی۔ وہ بہت بڑا مترجم بھی تھا اور سریانی زبان سے فلسفہ و منطق کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کرتا تھا، وہ بہت بڑا کاتب بھی تھا اس نے بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کی تھیں، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ میں نے ایک موقع پر اس کی کثرت نویسی پر اس کو ملامت کی تو اس نے کہا کہ تم کو اس پر تعجب کیا ہے۔ میں نے تفسیر ابن جریر طبری کے دو نسخے خود اپنے ہاتھ سے لکھے اور بادشاہوں کی خدمت میں روانہ کیے اور میں رات دن میں سو ورق لکھ سکتا ہوں، وہ بذاتِ خود بہت بڑا مصنف بھی تھا، اور بہ کثرت کتابیں لکھی تھیں، چنانچہ طبقات الاطبا میں اس کی تمام تصنیفات کے نام لکھے ہیں[2]۔

تصنیفات

فارابی جیسا کہ ابھی گزرا ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتا تھا، اور نہایت کثرت سے کتابیں لکھی تھیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) بطلیموس کی مجسطی کی شرح

(۲) ارسطو کی کتاب البرہان کی شرح

(۳) ارسطو کی کتاب الخطابیہ کی شرح

(۴) ارسطو کی کتاب الجدل کے دوسرے اور آٹھویں مقالہ کی شرح

(۵) ارسطو کی کتاب المناظرہ کی شرح

(۶) ارسطو کی کتاب القیاس کی شرح جو نہایت ضخیم ہے۔

(۷) ارسطو کی کتاب باریمیناس کی شرح بطور حاشیہ کے۔

---

[1] تتمہ صوان الحکمۃ ص ۱۰۱، [2] طبقات الاطبا ج ۱ ص ۲۳۵ و شہرزوری ص ۳۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۸) ارسطو کی کتاب المقولات کی شرح بطور حاشیہ کے
(۹) کتاب المختصر الکبیر فی المنطق
(۱۰) کتاب المختصر الصغیر فی المنطق بطریقہ متکلمین
(۱۱) کتاب المختصر الاوسط فی القیاس
(۱۲) کتاب التوطیۃ فی المنطق
(۱۳) فرفوریوس کی کتاب الیساغوجی کی شرح
(۱۴) ملا، فی معانی الیساغوجی
(۱۵) کتاب القیاس الصغیر
(۱۶) ان قضایا و قیاسات کا مجموعہ جو تمام صنائع قیاسیہ میں عموماً استعمال کیے جاتے ہیں۔
(۱۷) کتاب شروط القیاس
(۱۸) کتاب البرہان
(۱۹) کتاب الجدل
(۲۰) کتاب المواضع المنتزعۃ من المقالۃ الثامنۃ فی الجدل
(۲۱) کتاب المواضع المغلطۃ
(۲۲) کتاب اکتساب المقدمات
(۲۳) کلام فی المقدمات المختلطۃ من وجودی و ضروری
(۲۴) کلام فی الخلاء
(۲۵) صدر الکتاب الخطابۃ
(۲۶) ارسطو کی کتاب سماع طبعی کی شرح بطور حاشیہ کے
(۲۷) ارسطو کی کتاب سماء و عالم کی شرح بطور حاشیہ کے
(۲۸) ارسطو کی کتاب الآثار العلویہ کی شرح بطور حاشیہ کے
(۲۹) شرح مقالۃ الاسکندر الافرودیسی فی النفس بطور حاشیہ کے
(۳۰) ارسطو کی کتاب الاخلاق کی شرح
(۳۱) کتاب فی النوامیس
(۳۲) کتاب احصار العلوم و ترتیبہا
(۳۳) کتاب الفلسفتین لفلاطون و ارسطا طالیس (غالباً الجمع بین الرائین)
(۳۴) کتاب المدینۃ الفاضلہ (یعنی سیاست مدنیہ)
(۳۵) کتاب الالفاظ و الحروف
(۳۶) کتاب الموسیقی الکبیر (وزیر ابو جعفر محمد بن قاسم کرخی کے لیے لکھی)
(۳۷) کتاب فی احصاء الایقاع
(۳۸) کلام لہ فی النقلۃ مضافاً الی الایقاع
(۳۹) کلام فی الموسیقی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴۰) کتب فلاسفہ کی فلسفیانہ فصول کا مختصر انتخاب

(۴۱) کتاب المبادی الانسانیہ

(۴۲) کتاب الرد علی جالینوس فیما تاولہ من کلام ارسطا طالیس علی غیر معناہ

(۴۳) کتاب الرد علی ابن الراوندی فی ادب الجدل

(۴۴) کتاب الرد علی یحیی النحوی فیما ردبہ علی ارسطا طالیس۔

(۴۵) کتاب الرد علی الرازی فی العلم الالٰہی

(۴۶) کتاب الواحد والوحدۃ

(۴۷) کلام لہ فی الخیر والمقدار

(۴۸) کتاب فی العقل صغیر

(۴۹) کتاب فی العقل کبیر

(۵۰) کلام لہ فی معنی اسم الفلسفۃ

(۵۱) کتاب الموجودات المتغیرۃ الموجود بالکلام الطبیعی

(۵۲) کتاب شرائط البرہان

(۵۳) کلام لہ فی شرح المستغلق من مصادرۃ المقالۃ الاولی والخامسۃ من اوقلیدس

(۵۴) کلام فی اتفاق آراء بقراط وافلاطن

(۵۵) رسالۃ فی التنبیہ علی اسباب السعادۃ

(۵۶) کلام فی الجزء ومالا یتجزاء

(۵۷) کلام فی اسم الفلسفۃ وسبب ظہورہا واسماء المبرزین فیہا وعلی من قرا منہم

(۵۸) کلام فی الجن

(۵۹) کلام فی الجوہر

(۶۰) کتاب الفحص المدنی

(۶۱) کتاب السیاست المدنیہ ویعرف بمبادی الموجودات

(۶۲) کلام لہ فی الملۃ والفقہ مدنی

(۶۳) کلام جمعہ من اقاویل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر فیہ الی صناعۃ المنطق

(۶۴) کتاب فی الخطابۃ کبیر ۲۰ جلد

(۶۵) رسالۃ فی قود الجیش

(۶۶) کلام فی المعایش والحروب

(۶۷) کتاب فی التاثیرات العلویۃ

(۶۸) مقالۃ فی الجہۃ التی یصح علیہا القول باحکام النجوم

(۶۹) کتاب فی الفصول المنتزعۃ لاجتماعات

(۷۰) کتاب فی الحیل والنوامیس

(۷۱) کلام لہ فی الرؤیا

(۷۲) کتاب فی صناعۃ الکتابۃ

(۷۳) شرح کتاب البرہان لارسطا طالیس بطرز حاشیہ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۷۴) کلام لہ فی العلم الالٰہی

(۷۵) شرح المواضع المستغلقۃ من کتاب قاطیغوریاس
ارسطاطالیس یعرف بتعلیقات الحواشی

(۷۶) کلام فی اعضاء الحیوان

(۷۷) کتاب مختصر جمیع الکتاب المنطقیہ

(۷۸) کتاب المدخل الی المنطق

(۷۹) کتاب التوسط بین ارسطاطالیس وجالینوس

(۸۰) کتاب غرض المقولات

(۸۱) کلام لہ فی الشعر والقوافی

(۸۲) شرح کتاب العبارۃ لارسطاطالیس
بطور حاشیہ کے

(۸۳) تعالیق علی کتاب القیاس

(۸۴) کتاب فی القوۃ المتناہیۃ وغیر المتناہیۃ

(۸۵) تعلیق لہ فی النجوم

(۸۶) کتاب فی الاشیاء التی یحتاج ان تعلم
قبل الفلسفہ

(۸۷) فصول لہ ما جمعہ من کلام القدماء

(۸۸) کتاب فی اغراض ارسطاطالیس فی کل واحد
من کتبہ

(۸۹) کتاب المقائیس

(۹۰) مختصر کتاب الجدل

(۹۱) کتاب فی اللغات

(۹۲) کتاب فی الاجتماعات المدنیۃ

(۹۳) کلام فی ان حرکۃ الفلک دائمۃ

(۹۴) کلام فیما یصلح ان یذم المودب

(۹۵) کلام فی المعالیق والمجون وغیر ذلک

(۹۶) کلام فی موازم الفلسفۃ

(۹۷) مقالۃ فی وجوب صناعۃ الکیمیاء والرد علی
مبطلیہا

(۹۸) مقالۃ فی اغراض ارسطاطالیس فی کل مقالۃ
من کتاب الموسوم بالحروف وہو تحقیق غرضہ
فی کتاب ما بعد الطبیعۃ

(۹۹) کتاب فی الدعاوی المنسوبۃ الی ارسطاطالیس
فی الفلسفۃ مجردۃ عن بیانہا وحججہا

(۱۰۰) تعالیق فی الحکمۃ

(۱۰۱) کلام الماہ علی مسائل سالہ عن معنی ذات و
معنی جوہر ومعنی طبیعہ

(۱۰۲) کتاب جوامع السیاسۃ مختصر

(۱۰۳) کتاب باریمینیاس لارسطاطاس

(۱۰۴) کتاب المدخل الی الہندسۃ الوہمیۃ مختصراً

(۱۰۵) کتاب عیون المسائل علی رائے ارسطاطالیس
وہی مائیۃ وستون مسئلۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۰۶) جوابات لمسائل سُئل عنها وہی ثلاث و عشرون مسئلۃ

(۱۰۷) کتاب اصناف الاشیاء البسیطۃ التی تنقسم الیہا القضایا فی جمیع الصنائع القیاسیہ جوامع

(۱۰۸) کتاب النوامیس لفلاطن

(۱۰۹) کلام من املائہ وقد سُئل عما قال ارسطاطالیس فی امار

(۱۱۰) تعلیقات انا لوطیقا الاولی لارسطاطالیس

(۱۱۱) کتاب شرائط الیقین

(۱۱۲) رسالۃ فی ماہیۃ النفس

(۱۱۳) کتاب السماع الطبیعی

شہرزوری نے لکھا ہے کہ اس کی اکثر تصنیفات شام میں موجود ہیں، اور خراسان میں بھی چند کتابیں (جن کے نام شہرزوری نے لکھے ہیں) پائی جاتی ہیں، میں نے رے میں نقیب النقباء کے کتب خانے میں اس کی وہ کتابیں دیکھیں جن کے نام بھی کسی نے سنے نہ ہوں گے، اور یہ کتابیں زیادہ تر خود اس کے یا اس کے شاگرد یحییٰ بن عدی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں[۱]" اس وقت بھی یورپ کے کتب خانوں میں اس کی تصنیفات کے متعدد قلمی نسخے پائے جاتے ہیں، اور اس کے چند رسالے مصر اور ہندوستان میں چھپ بھی گئے ہیں۔

(۱) فارابی کی تصنیفات کے جو نام اوپر گزرے اگرچہ وہ تعداد میں بہت ہیں، لیکن یہ ضخیم کتابیں نہیں ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کو مقالہ، حاشیہ یا رسالہ کہا جا سکتا ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ زیادہ تر اپنی کتابیں کاغذ کے پرزوں پر لکھا کرتا تھا، کاغذ کے مستقل صفحات یا کاغذ کے دستوں پر بہت کم لکھتا تھا، اس لیے اس کی اکثر تصنیفات کی حیثیت فصول و حواشی کی ہے، اور بعض تصنیفات ناقص و پراگندہ حالت میں پائی جاتی ہیں[۲] دائرۃ المعارف حیدرآباد میں اس کے متفرق مضامین کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۲) فارابی کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معانی و مطالب کو نہایت

---

[۱] شہرزوری قلمی ص ۱۳-۱۴ [۲] ابن خلکان ج ۲ ص ۷۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح اور آسان الفاظ میں بیان کرتا ہے، اس کے استاد ابوبشر متی بن یونس کی تصنیفی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی کتابوں میں عبارت کی شگفتگی پائی جاتی تھی، اور وہ ان میں بسط و تفصیل سے کام لیتا تھا، منطق کے بعض علماء کا خیال ہے کہ اہم معانی کو آسان الفاظ میں ادا کرنے کا یہ طریقہ فارابی نے اسی ابوبشر سے سیکھا ہے[۱]۔ بہر حال اگرچہ جیسا کہ اس کی تصنیفات کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے، اس نے فلسفہ کی تمام شاخوں پر کتابیں لکھیں، لیکن اس کا اصلی کارنامہ فن منطق کی تہذیب و اصلاح ہے، ابن صاعد اندلسی طبقات الامم میں لکھتا ہے کہ فارابی نے بغداد میں یوحنا بن جیلانی سے فن منطق کی تعلیم حاصل کی اور اس میں تمام مسلمانوں پر تفوق حاصل کیا، اس نے اس فن کی تمام پیچیدگیاں دور کردیں، اس کے اسرار ظاہر کر دیے اس کو قریب المأخذ بنا دیا اور منطق کی تمام ضروری شاخوں کو ایسی کتابوں میں جمع کر دیا جن کی عبارت صحیح تھی، اور یعقوب کندی وغیرہ نے صناعت تحلیل اور طرق تعلیم کی جن چیزوں کو سادا چھوڑ دیا تھا، ان کتابوں نے ان کی اطلاع بہم پہنچائی۔ اس نے ان کتابوں میں منطقِ پنجگانہ کے متعلق تمام اقوال کی توضیح کی، ان کے استعمال کے طریقے بتائے اور یہ بتایا کہ اس کے ہر مادہ میں کیونکر قیاس شکلیں بنائی جا سکتی ہیں، اس لحاظ سے اس فن میں اس کی کتابیں نہایت بلند پایہ ہیں[۲]۔

کہا جاتا ہے کہ صرف چار حکیم پیدا ہوئے، دو اسلام سے پہلے یعنی ارسطو اور سکندر، اور دو اسلام میں یعنی ابونصر فارابی اور ابوعلی سینا، لیکن ابوعلی سینا فارابی کی وفات کے ۳۰ سال بعد پیدا ہوا اور اس کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا، چنانچہ اس کا خود بیان ہے کہ میں علم مابعد الطبیعۃ سے بالکل ناواقف تھا، اتفاق سے مجھ کو اس فن میں فارابی کی ایک کتاب مل گئی، اس پر میں نے خدا کا شکر کیا، روزہ رکھا اور جو کچھ میرے پاس تھا خیرات کر دیا، اس لیے اگرچہ خود ابوعلی سینا، فارابی کا شاگرد نہ تھا، تاہم اس کی تصنیفات کا شاگرد تھا[۳]۔

---

[۱] ایضاً ص۶۷، [۲] طبقات الامم ص۵۳ [۳] شہرزوری قلمی ص ۱۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فارابی کے یہ حالات جیسا کہ حوالوں سے ظاہر ہوا ہوگا قدیم تصنیفات سے ماخوذ ہیں، حال میں چند مخصوص حکمائے اسلام کے حالات میں ایک جدید کتاب شائع ہوئی ہے جس میں فارابی کے حالات بھی ہیں۔ اس سے جن جدید معلومات پر روشنی پڑتی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

متنبی فارابی کا معاصر ہے اور سیف الدولہ دونوں کی قدردانی کرتا تھا، متنبی کے قصائد میں کثرت سے جو حکیمانہ باتیں پائی جاتی ہیں، وہ اسی معاصرت کا اثر و نتیجہ ہیں، بغداد میں شورش پیدا ہوئی جس کی وجہ سے فارابی حلب گیا۔ وہ حلب سے دمشق کو جا رہا تھا کہ راہ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ آخر میں فارابی نے صوفیانہ وضع اختیار کر لی تھی، اس لیے اس کے سوگ میں سیف الدولہ نے بھی صوفیانہ وضع اختیار کر لی۔

لوگوں کا بیان ہے کہ وہ دنیا کی تمام زبانیں جن کی تعداد ستر تھی جانتا تھا، لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ عربی، فارسی اور ترکی جانتا تھا، اور غالباً یونانی اور سریانی زبان سے بھی واقف تھا اور اس زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے یہ پانچوں زبانیں کافی تھیں۔

تیسری صدی ہجری میں حکمائے عرب کے دو فرقے ہو گئے تھے، ایک متکلمین کا فرقہ تھا، جو صرف الٰہیات اور ماوراء طبیعۃ سے بحث کرتا تھا، یہ فرقہ مرو میں پیدا ہوا تھا، اور اس تقسیم سے پہلے نیشا غورث کی تقلید کرتا تھا، اس کے بعد اس کی تقلید چھوڑ کر ارسطو کا مقلد ہو گیا، اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ارسطو کی تعلیمات نے افلاطونیتِ جدیدہ کی شکل اختیار کر لی تھی، یہ فرقہ اشیاء کے اصول، معنی اور روح سے بحث کرتا تھا، اور مخلوقات میں خدا کی جو حکمت ہے اور نیز یہ کہ وہ ہر چیز کی علتِ اولیٰ ہے، اس سے اس کو بحث نہ تھی، بلکہ وہ اس کو صرف واجب الوجود مانتا تھا، غرضیکہ اس کو صرف ہر چیز کے وجود سے بحث تھی، سب سے پہلے یعقوب کندی نے اس فلسفیانہ روش کو اختیار کیا، اس کے بعد فارابی اس کا علمبردار ہوا۔

دوسرا فرقہ فلاسفہ طبیعین کا تھا جو حران اور بصرہ میں پیدا ہوا، وہ صرف مادیات اور محسوسات سے بحث کرتا تھا۔ اس کے بعد اس نے کسی قدر ترقی کی، لیکن ان آثار کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث سے آگے نہ بڑھ سکا، جو اشیا رسے عالم حس میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، پھر اس نے نفس روح اور قوتِ الٰہیہ سے بحث کی اور خدا کو علت اولیٰ قرار دیا، جس کی حکمتیں اس کے مخلوقات میں ظاہر ہیں اور ابوبکر محمد بن زکریا رازی اس فرقہ کا پیشوا تھا۔[1]

فارابی کا فلسفہ

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حکمائے یونان تین فرقوں میں منقسم ہیں :۔

۱۔ دہریہ :

یہ لوگ خدا کے وجود کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک عالم قدیم ہے، اور ہمیشہ موجود رہے گا اس فرقہ کا بانی تالیس ملطی ہے، اور جو لوگ اس کے فلسفہ کی تقلید کرتے ہیں ان کو زندیق کہا جاتا ہے۔

۲۔ طبعی : یہ لوگ صرف طبیعت اور اس کے افعال سے بحث کرتے ہیں اور نباتات، حیوانات اور ان کے اعضا کی ترکیب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، ان سے خدا کے وجود پر استدلال کرتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ جس طرح تمام چیزیں پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور دوبارہ ان کا اعادہ نہیں ہوتا، اسی طرح انسان بھی پیدا ہو کر فنا ہو جاتا ہے اور دوبارہ زندہ نہیں ہوتا اس لیے یہ لوگ حشر و نشر کے منکر ہیں اور ان کو بھی زندیق کہا جاتا ہے۔

۳۔ حکمائے الٰہین :

اس فرقے میں متاخرین حکمائے یونان مثلاً سقراط، افلاطون اور ارسطو داخل ہیں، اور اپنے استاد افلاطون کے بعد ارسطو نے الٰہیات میں اس فرقے کے اصول و قواعد کو مستحکم

---

[1] تاریخ فلاسفۃ الاسلام تذکرہ فارابی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے دلائل کو مضبوط کیا۔[1]

امام غزالی نے منقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ فارابی اور ابن سینا کی نقل کے مطابق ارسطو نے الٰہیات میں اپنے مذہب کو مسلمانوں کے مذہب سے قریب تر کر دیا۔[2] اس بنا پر فارابی کا فلسفہ اسلامی عقائد سے قریب تر ہے اور اس نے جو فلسفیانہ رائیں اختیار کی ہیں، وہ مذہب اسلام کے بہت کچھ موافق ہیں، چنانچہ ہم چند اہم مسائل کے متعلق اس کے فلسفہ کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

حدوث عالم

فارابی نے الجمع بین الرائین کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ارسطو اور افلاطون کے ان مسائل میں تطبیق دی ہے جو باہم مختلف معلوم ہوتے ہیں، ان ہی مسائل میں ایک مسئلہ عالم کے حدوث و قدم کا بھی ہے، جس کی نسبت مشہور ہے کہ ارسطو قدم عالم کا قائل تھا لیکن اس مسئلہ کی نسبت فارابی لکھتا ہے کہ "ارسطو کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی رائے میں عالم قدیم اور افلاطون کی رائے میں حادث ہے، لیکن ارسطو کی نسبت اس بدگمانی کا سبب یہ ہے کہ اس نے کتاب طوبیقا میں بیان کیا ہے کہ بعض قضیے ایسے پائے جاتے ہیں جن کے مخالف اور موافق دونوں پہلوؤں پر مشہور مقدمات سے قیاس مرکب بنا کر استدلال کیا جا سکتا ہے، مثلاً یہ قضیہ کہ "عالم قدیم ہے یا حادث"؟ لیکن اولاً تو جو چیز بطور مثال کے بیان کی جاتی ہے اس کو اعتقاد نہیں کر سکتے، دوسرے کتاب طوبیقا میں ارسطو کا مقصد عالم کے حدوث و قدم کا بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد صرف ان قیاسات کا بیان کرنا ہے جو مشہور مقدمات سے مرکب ہوتے ہیں، اور اس کے زمانے میں لوگ عالم کے حدوث و قدم کے

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۳۸ [2] منقذ من الضلال ص ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعلق بحث و مباحثہ کر رہے تھے، اور ہر مسئلہ پر مشہور قیاسات سے استدلال کرتے تھے ارسطو نے اس کتاب اور نیز اپنی دوسری کتابوں میں بیان کیا ہے کہ مقدمہ مشہورہ میں صدق و کذب کا لحاظ نہیں کیا جاتا، کیونکہ مشہور مقدمہ بعض اوقات کاذب ہوتا ہے، لیکن جدل میں اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور بعض اوقات صادق ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی شہرت کی وجہ سے جدل میں اور اپنی صداقت کی وجہ سے برہان میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض اس مثال کی وجہ سے اس کی طرف عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

اس بدگمانی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے کتاب السماء والعالم میں یہ بیان کیا ہے کہ کل کے لیے زمانہ کی ابتدا نہیں، اس سے لوگوں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ وہ قدم عالم کا قائل ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، کیونکہ اس نے اس کتاب میں نیز طبیعات اور الٰہیات کی دوسری کتابوں میں یہ بیان کیا ہے کہ زمانہ آسمان کی حرکت کی تعداد کا نام ہے اور آسمان ہی سے پیدا ہوتا ہے اور جو چیز کسی چیز سے پیدا ہوتی ہے وہ اس کو شامل نہیں ہوتی، اس لیے اس کے اس قول کا کہ "عالم کے لیے زمانہ کی ابتدا نہیں" یہ مطلب ہے کہ عالم تدریجاً اپنے اجزاء کے ساتھ نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ گھر یا حیوان تدریجاً اپنے اجزاء کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ان کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء پر مقدم بالزمان ہوتے ہیں، لیکن زمانہ خود آسمان کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے آسمان کے پیدا ہونے کے لیے ابتدائی زمانی کا ہونا محال ہے، بلکہ اس کا خود خدا نے دفعۃً بلا زمانہ کے پیدا کیا اور اس کی حرکت سے زمانہ پیدا ہوا۔

ارسطو نے اثولوجیا میں ربوبیت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اس کے پیش نظر رکھنے کے بعد اس میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ عالم کی ایجاد کے لیے خدا کے وجود کو تسلیم کرتا ہے، یعنی ہیولی کو خدا نے کسی چیز سے نہیں پیدا کیا، بلکہ وہ خدا کے ارادے سے مجسم ہوا، پھر اس میں ترتیب پیدا ہوئی، اس نے کتاب السماع الطبیعی میں بیان کیا ہے کہ مجموعہ عالم بخت و اتفاق سے نہیں پیدا ہو سکتا اور اس سے اس عجیب نظام پر استدلال کرتا ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو اجزائے عالم میں پایا جاتا ہے۔

تمام اہل مذاہب نے حدوث عالم اور اثبات خدا کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس کو ارسطو اور ارسطو سے پہلے افلاطون کے بیان سے کوئی نسبت نہیں، کیونکہ تمام اہل مذاہب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم قدیم ہے، مثلاً مذہبی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں صرف پانی تھا جس سے جھاگ اٹھا اور منجمد ہو کر زمین بن گیا، زمین سے دھواں اٹھا اور اس سے آسمان بنا۔

یہود، مجوس اور تمام قوموں کے بیان سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ استحالہ اور تغیر کے بعد عالم پیدا ہوا اور یہ بات ابداع و ایجاد کے خلاف ہے، پھر ان کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان و زمین لپیٹ کر اور پراگندہ کر کے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان میں کسی بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عالم ایک دن بالکل فنا ہو جائے گا۔ صرف ارسطو اور افلاطون ہی ایسے حکیم گزرے ہیں جنہوں نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ عالم کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا، کیونکہ جو چیز کسی چیز سے پیدا ہوتی ہے، وہ فنا ہو کر اسی چیز کی شکل اختیار کر لیتی ہے لیکن چونکہ عالم کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا، اس لیے وہ بالکل فنا ہو جائے گا اور فنا ہونے پر کسی چیز کی شکل اختیار نہ کرے گا، لیکن اسی کے ساتھ ہم ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ شرعی اقوال بھی بالکل صحیح ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ خدا تمام عالم کا مدبر ہے، اور ایک ذرہ بھی اس کے علم سے مخفی اور اس کی عنایت سے محروم نہیں اور اس کی عنایت کے معنی یہ ہیں کہ تمام اجزائے عالم کی ترتیب نہایت مناسب اور حکیمانہ انداز پر واقع ہوئی ہے، جیسا کہ تشریحات اور منافع اعضا کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ان طبعی اجزاء سے ترقی کر کے برہانیات، سیاسیات اور شرعیات کی نوبت آتی ہے۔ ان میں برہانیات کا تعلق عقلائے حکماء سے، سیاسیات کا تعلق اہل الرائے سے، اور شرعیات کا تعلق اصحاب وحی و الہام سے ہے۔ ان سب میں عام شرعیات ہے، اور شریعت کے الفاظ اس کے مخاطبین کی عقل کے مطابق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں اسی لیے ان سے وہ بات نہیں کہی جاتی جس کا وہ تصور نہیں کر سکتے۔ مثلاً جس شخص کا خیال یہ ہے کہ خدا جسمانی ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس کے افعال کے لیے حرکت اور زمانہ کی ضرورت نہیں، تو یہ بات اس کے ذہن میں نہ آئے گی اور اگر اس کو اس پر مجبور کیا جائے تو وہ اور بھی گمراہ ہو جائے گا، اس لیے وہ اس اعتقاد میں معذور ہے، اور اس کا یہ اعتقاد صحیح ہے اور اگر وہ اس کو مان بھی لے تو وہ اس کو نہیں مان سکتا کہ خدا کسی مکان میں نہیں، اسی طرح عام لوگ یہ تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی چیز بغیر کسی چیز کے پیدا ہو سکتی ہے، اور وہ فنا ہو کر بالکل لاشے ہو جائے گی، اسی لیے شریعت نے ان کو ایسے طریقے سے مخاطب کیا، جو ان کے ذہن و عقل کے بالکل مطابق تھا، اور یہ طریقہ بالکل صحیح ہے، غرض براہین حقیقیہ کے موجد فلاسفہ ہیں جن کے پیشوا یہ دونوں حکیم یعنی ارسطو اور افلاطون ہیں، اور مفید ظنی دلیلوں کے موجد ارباب شریعت ہیں جن کو ابداع و ایجاد کے معاوضے میں وحی و الہام عطا کیے گئے ہیں[1]

نبوت

نبوت اور نبوت کے اجزا و لوازم کے متعلق فارابی نے اپنے رسالوں میں متفرق طور پر بہت کچھ لکھا ہے، اور اس کے بعد نبوت کے متعلق حکماء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ماخذ فارابی کے یہی رسالے ہیں، اس نے ارسطو کے ایک شاگرد زینون کبیر کے ایک رسالے کی شرح کی ہے جو گویا ایک مذہبی رسالہ ہے، اس موقع پر لکھتا ہے کہ "پیغمبر کا نفس قدسی اپنے نشو و نما کے آغاز میں فیض کو دفعۃً قبول کرتا ہے، ترتیب قیاسی کا محتاج نہیں ہوتا، لیکن جو نفس قدسی نہیں ہوتا وہ علوم بدیہیہ کو بلا واسطہ اور علوم غیر بدیہیہ کو قیاس کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے، پیغمبر سنن و شرائع وضع کرتا ہے اور امت کو ترغیب و ترہیب دلاتا ہے اور اس کو یہ بتاتا ہے کہ اس کا

---

[1] الجمع بین الرائین ص ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک خدا ہے، جو اچھے کاموں پر ثواب اور برے کاموں پر عذاب دیتا ہے اور اس کو ان باتوں کی تکلیف نہیں دیتا، جس کو وہ برداشت نہ کر سکے۔ علم کا یہ وہ درجہ ہے، جہاں ہر شخص نہیں پہنچ سکتا، میراث دار سطاطالیس اپنے استاد افلاطون سے نقل کرتا ہے کہ معرفت کی چوٹی تک ہر ایک پرند نہیں اڑ سکتا، اور بصیرت کے پردے کو ہر شخص نہیں اٹھا سکتا۔[۱]

معجزات

رسالہ فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ "نبوت کی روح قوت قدسیہ سے ممتاز ہوتی ہے، جس طرح عالم خلق اصغر تمہاری روح کا مطیع و منقاد ہوتا ہے، اسی طرح عالم خلق اکبر پیغمبر کی روح کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے، اس لیے اس سے ایسے معجزات صادر ہوتے ہیں جو طبیعت اور عادت کے مخالف ہوتے ہیں، اس کا آئینہ زنگ آلود نہیں ہوتا اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، اس میں اس کے نقش ہو جانے سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی۔ اسی طرح خدا کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کو عامۂ خلق تک پہنچا دیتا ہے۔"[۲]

وحی و مشاہدۂ ملائکہ

جب کسی انسان کی قوت متخیلہ درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ بیداری کی حالت میں عقل فعال سے جزئیات حاضرہ اور مستقبلہ کو قبول کرتا ہے، اور معقولات مفارقہ اور موجودات شریفہ کو دیکھتا ہے، اور اس عقلی مشاہدہ سے اس کو اسرار الٰہی کی واقفیت ہو جاتی ہے، قوت متخیلہ کے کمال کا یہ انتہائی درجہ ہے، اور قوت متخیلہ کے ذریعہ سے انسان جس درجہ تک پہنچ

---

[۱] رسالہ زینون ص ۸ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

[۲] فصوص الحکم مطبوعہ یورپ ص ۷۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے، اس کا درجۂ کمال صرف یہی ہے، اس سے کم درجہ یہ ہے کہ بعض لوگ ان میں سے بعض چیزوں کو بیداری کی حالت میں اور بعض کو خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں بعض لوگ ان اشیاء کا تخیل تو قائم کر لیتے ہیں، لیکن ان کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتے، اس سے کم درجہ ان لوگوں کا ہے جو ان چیزوں کو صرف حالت خواب میں دیکھتے ہیں، اس قسم کے لوگوں کے اقوال، رمز، معما اور تشبیہات وغیرہ قسم کے ہوتے ہیں، پھر ان لوگوں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے، بعض لوگ صرف جزئیات کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں، لیکن معقولات کو قبول نہیں کرتے، بعض لوگ صرف معقولات کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں، لیکن جزئیات کو قبول نہیں کرتے، بعض لوگ صرف بعض چیزوں کو دیکھتے ہیں، اور بعض کو نہیں دیکھتے، بعض لوگ بعض چیزوں کو بیداری کی حالت میں تو دیکھتے ہیں لیکن خواب کی حالت میں نہیں دیکھتے، بعض لوگ صرف خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں، بیداری کی حالت میں نہیں دیکھتے، یہ لوگ صرف جزئیات کو دیکھتے ہیں، معقولات سے محروم رہتے ہیں، بعض لوگ چند جزئیات کو اور چند معقولات کو قبول کرتے ہیں، بعض لوگ صرف چند جزئیات کو قبول کرتے ہیں اور اکثر لوگوں کا معاملہ یہی ہوا کرتا ہے[1]

ملأ اعلیٰ

ملأ اعلیٰ صور علمیہ کو کہتے ہیں جن کی حقیقت علوم الٰہیہ ہے، وہ [illegible] کے مانند [illegible] جن میں نقوش ہوتے ہیں، بلکہ وہ علوم الٰہیہ [illegible] خود قائم ہیں اور [illegible] دیکھتے رہتے ہیں اور وہ ان کی ذات میں منطبع ہو جاتے ہیں، وہ معلق ہیں [illegible] ان سے بیداری کی حالت میں خطاب کرتی ہے [illegible] ان سے حالت خواب میں

---

[1] [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملتی ہے۔[1]

معاد

افلاطون اور ارسطو کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اخروی جزا و سزا کے منکر ہیں، حالانکہ افلاطون نے کتاب السیاستہ کے آخر میں ایک ایسا قصہ لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حشر و نشر، فیصلہ انصاف، میزان اور برے بھلے اعمال پر ثواب و عذاب کا قائل ہے اور ارسطو نے سکندر کے مرنے پر اس کی والدہ کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف تصریح کی ہے کہ "اسکندر کی موت پر جزع و فزع نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ نیکوں کے زمرے میں یہ تم کو اس کی ملاقات سے محروم کر دے۔" اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ جزا و سزا کا اعتقاد رکھتا تھا۔[2]

عبادات

پیغمبر لوگوں پر ایسے اعمال فرض کر دیتا ہے جو ان کو متنبہ کرتے رہیں: مثلاً نماز اور زکوٰۃ کیونکہ نماز میں خشوع اور فیضانِ رحمت کے قبول کرنے کی استعداد پائی جاتی ہے، اور وہ خدا اور اس کے رسول کو یاد دلاتی رہتی ہے اور زکوٰۃ سے عدل و انصاف اور محتاجوں کی امداد ہوتی ہے، اور اس سے دنیا کا نظام کلی قائم رہتا ہے۔[3]

فارابی کے ایک رسالہ کا نام "الدعاوی القلبیہ" ہے، جس میں اس نے ارسطو کے ایسے دعوے نقل کیے ہیں جو دلائل سے خالی ہیں، اس رسالہ میں لکھا ہے کہ "پیغمبروں کے معجزے

---

[1] فصوص الحکم ص ۲۷۔ [2] شرح رسالہ زینون ص ۸

[3] الجمع بین الرائین ص ۳۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق اور ممکن الوجود ہیں، اور دعا حق ہے اور اس سے نفع پہنچتا ہے، رویا اور خواب حق ہیں اور پیغمبروں کی نسبت جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بغیر سخت تعلیم کے علوم کا احاطہ کر لیتے ہیں وہ حق ہے۔ ان کا امور غیبی کی خبر دینا حق ہے، اور عبادتیں واجب ہیں اور پیغمبر لوگ شرائع، احکام اور امر و نہی کا جو حکم دیتے ہیں وہ حق اور واجب ہے، اور انسان کو پورا کمال صرف علم و عمل سے حاصل ہوتا ہے۔[1]

ان تمام اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے فلسفہ اور ارسطو کے خیالات و معتقدات کو شریعت اسلامیہ سے قریب تر کرنے کی کوشش کی ہے۔

سیاست مدن

ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ کا ایک جزو سیاست مدن بھی ہے، لیکن حکمائے اسلام نے اس حصے کو اس لیے نظر انداز کر دیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں سیاست مدن کے اصول نہایت جامعیت کے ساتھ موجود ہیں کہ ان کو اس معاملے میں حکمائے یونان سے مدد لینے کی ضرورت نہیں، صرف فارابی ایک ایسا حکیم ہے جس نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور اس نے "سیاسات المدنیہ" اور "آراء اہل المدینۃ الفاضلہ" کے نام سے دو مستقل رسالے لکھے ہیں۔ ہم ان دونوں رسالوں سے سیاست مدن کے اصول و قواعد نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ فلسفہ کی اس شاخ کے متعلق حکمائے اسلام کے کیا خیالات ہیں۔

وہ اس اجتماعی بحث کو اس طرح شروع کرتا ہے۔

حیوانات اور نباتات کی بعض قسمیں ایسی ہیں جو بلا اجتماع کے اپنی ضروریات مہیا نہیں کر سکتیں، بعض اگرچہ انفرادی حیثیت سے بھی اپنی ضروریات پوری کر لیتی ہیں، لیکن وہ اجتماع کے

---

[1] شہرزوری، طبقیہ ص ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغیر اپنی بہترین حالت تک نہیں پہنچ سکتیں، بعض اگرچہ انفرادی حیثیت سے ان دونوں باتوں کو حاصل کر لیتی ہیں، لیکن اجتماع کے بعد بھی ان کا کوئی فرد ان کے حاصل کرنے میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا۔

بعض قسمیں ایسی ہیں کہ جب ان میں اجتماع ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے فرد کے لیے ضروری یا افضل چیز کے حاصل کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، اس لیے بعض جانوروں کی قسمیں ایسی ہیں کہ ان کے افراد ہمیشہ انفرادی زندگی بسر کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا کوئی جوڑا بھی نہیں ہوتا، سمندر کے اکثر جانور اسی قسم کے ہوتے ہیں، بعض قسمیں ایسی ہیں کہ اکثر حالات میں اجتماعی زندگی بسر کرتی ہیں، مثلاً چیونٹی، شہد کی مکھی اور وہ چڑیاں جو جھنڈ باندھ کر چرتی ہیں اور اڑتی ہیں۔

لیکن انسان ایک ایسی نوع ہے کہ اس کے ضروری امور اور بہترین حالات اجتماع کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتے، اور انسانی جماعتیں بعض بڑی ہوتی ہیں مثلاً بہت سی قوموں کی وہ جماعتیں جو اجتماع و تعاون کے لیے قائم ہوتی ہیں، بعض متوسط درجہ کی ہوتی ہیں مثلاً ایک قوم کی جماعت، بعض چھوٹی ہوتی ہیں مثلاً وہ انسانی جماعت جو ایک شہر میں رہتی ہے، یہ تینوں کی مکمل جماعتیں ہیں، اس لیے شہر کمالات کے حاصل کرنے کا اولین درجہ ہے، ان کے علاوہ دیہاتوں، محلوں، گلیوں اور گھروں میں جو اجتماع ہوتا ہے وہ ناقص اجتماع ہے، اور ان میں سب سے ناقص اجتماع گھر کا ہے جو گلی کے اجتماع کا ایک جز ہے، اور گلی کا اجتماع محلے کے اجتماع کا اور محلے کا اجتماع شہر کے اجتماع کا ایک جزو ہے۔

محلے اور دیہات دونوں کے اجتماع شہری اجتماع کے لیے قائم ہوتے ہیں۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ محلے شہر کے جزو اور دیہات شہر کے خادم ہوتے ہیں، شہر کی جماعت قوم کا جز ہوتی ہے، اور قوم شہروں میں تقسیم ہو جاتی ہے، اور بالکل کامل ترین انسانی جماعت قوموں کے منقسم ہو جاتی ہے، اس صورت میں ایک قوم دوسری قوم سے دو طبعی چیزوں کی وجہ سے ممتاز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے، ایک تو طبعی اخلاق اور دوسرا طبعی عادات ایک تیسری چیز بھی جو وضع ہے لیکن طبعی چیزوں سے اس کو بھی کسی قدر تعلق ہے، یعنی زبان جو اظہار ما فی الضمیر کا ذریعہ ہے۔

ان چیزوں میں قوموں میں جو اختلاف ہوتا ہے اس کا پہلا طبعی سبب

(۱) آسمان و ثوابت کے اجزاء اور اس زمین کے اجزاء کا اختلاف ہے، جس میں قومیں رہتی ہیں، زمین کے اجزاء کے اختلاف سے مختلف قسم کے بخارات پیدا ہوتے ہیں اور ان بخارات کا اثر آب و ہوا پر پڑتا ہے، جو نباتات و حیوانات قوموں کی غذا بنتے ہیں ان کے اختلافات کا اثر بھی قوموں پر مختلف پڑتا ہے، ان تمام مختلف اسباب اور ان کے اختلاط و امتزاج سے، قوموں کے اخلاق و عادات مختلف ہو جاتے ہیں۔

چونکہ انسان کے وجود کا مقصد یہ ہے کہ وہ سعادت کے انتہائی درجہ کو پہنچ جائے۔ اس لیے اس درجہ تک پہنچنے کے لیے اس کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ سعادت کیا ہے؟ اور سعادت کے حاصل کرنے کے لیئے کن کن چیزوں پر عمل کرنا چاہیئے؟ اس کے بعد عمل کی باری آئے گی، چونکہ انسان کی فطرتیں مختلف ہوتی ہیں، اس لیے فطرۃً ہر شخص بذات خود نہ سعادت سے واقف ہو سکتا ہے اور نہ ان چیزوں سے جن پر عمل کرنے سے سعادت حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس کو ایک معلم اور مرشد کی ضرورت ہوتی ہے، پھر بعض افراد کو نہایت معمولی اور بعض کو غیر معمولی ارشاد و ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے، اس ارشاد و ہدایت کے بعد بھی جب تک کوئی خارجی محرک نہ ہو، ہر شخص اس راستے کو نہیں جان سکتا جس پر چلنے کی اس کو ہدایت کی گئی ہے، اکثر لوگوں کی یہی حالت ہے، اس لئے تمام لوگ ایک ایسے شخص کے محتاج ہیں جو انکو سیدھا راستہ بھی دکھائے اور انکو اس پر چلنے کیلئے آمادہ بھی کرے لیکن ہر شخص نہ دوسرے کو سیدھا راستہ دکھا سکتا ہے اور نہ دوسرے کو اس پر چلنے کیلئے آمادہ کر سکتا ہے اور جو شخص صرف دوسرے کو سیدھا راستہ تو دکھا سکتا ہے لیکن اس پر چلنے کیلئے اس کو آمادہ نہیں کر سکتا وہ کبھی حاکم نہیں ہو سکتا، بلکہ ہمیشہ محکوم ہی رہے گا، لیکن جس شخص میں سیدھا راستہ دکھانے کی قدرت ہے اور وہ اس پر چلنے کیلئے آمادہ بھی کر سکتا ہے وہ اس شخص کا حاکم ہے جس میں یہ قدرت نہیں ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کسی شخص میں بذاتِ خود استنباط کی قدرت نہیں ہے، لیکن اگر اس کو ایک چیز بتا دی جائے تو وہ اس سے واقف ہو جاتا ہے، اور وہ دوسرے کو اس پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کر سکتا ہے، تو وہ ایک شخص کا حاکم اور دوسرے کا محکوم ہوتا ہے، اس لیے ایک حاکم کبھی حاکم اوّل ہوتا ہے اور کبھی حاکم ثانی، حاکم ثانی وہ ہے جس پر پہلے ایک انسان حکومت کرتا ہے، پھر وہ دوسرے انسان پر حکومت کرنے لگتا ہے۔ یہ دونوں حکومتیں کبھی ایک ہی جنس میں ہوتی ہیں، مثلاً زراعت، تجارت اور طب اور کبھی تمام انسانی اجناس میں ہوتی ہیں۔

حاکم اوّل یا حاکم اعلیٰ الاطلاق وہ شخص ہوتا ہے جو کسی چیز میں دوسرے انسان کا محکوم نہیں ہوتا بلکہ تمام علوم و معارف اس کو بالفعل حاصل ہوتے ہیں، اور اس کو کسی دوسرے انسان کی ہدایت کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو ایک ایک جزئیات کا صحیح علم ہو اور جو کچھ اس کو معلوم ہے دوسرے کو بھی اس کی ہدایت کر سکے اور ہر شخص سے اس چیز پر عمل کرا سکے جس کی اس میں صلاحیت ہے، اور اعمال کا اندازہ اور ان کی تحدید کر سکے اور ٹھیک طور پر سعادت کی طرف ان کا رُخ پھیر سکے، یہ بات صرف ان جلیل القدر ہستیوں کو حاصل ہوتی ہے جن کے نفس عقلِ فعّال سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں، قدماء کے نزدیک اسی انسان کو فرشتہ کہتے ہیں اور اسی کی طرف وحی کی جاتی ہے، کیونکہ جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس پر وحی کی جاتی ہے، اور یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اس میں عقلِ فعّال میں کوئی واسطہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن چونکہ عقلِ فعّال علتِ اولیٰ (خدا) سے صادر ہوتی ہے، اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ علتِ اولیٰ (خدا) ہی عقلِ فعّال کے ذریعہ سے اس پر وحی نازل کرتی ہے، اوّل درجہ کی حکومت اسی انسان کی ہے اور تمام حکومتیں اس کے بعد کی چیزیں ہیں۔

جو لوگ اس حاکم کے زیرِ حکومت ہوتے ہیں وہی لوگ فاضل، اخیار اور سعادت مند ہوتے ہیں، اگر یہ لوگ ایک قوم ہیں تو یہ قوم برگزیدہ کہی جاتی ہے، اگر چند لوگ ہیں جو ایک مقام پر سکونت رکھتے ہیں تو اس مقام کو برگزیدہ شہر کہا جاتا ہے، اگر مختلف مقامات میں سکونت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہیں اور ان پہ دوسری حکومتیں حکومت کرتی ہیں تو یہ برگزیدہ لوگ ہیں جو ان مقامات میں پردیسی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ تفریق اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ایسے شہر میسر نہیں آ سکا جس میں یہ لوگ مجتمع ہو کر رہ سکیں یا یہ کہ وہ لوگ ایک شہر میں تو رہتے تھے لیکن کوئی مصیبت مثلاً وبا یا قحط کی آ گئی، اس لیے وہ لوگ مجبوراً متفرق اور پراگندہ ہو گئے، اگر ایک شہر یا ایک قوم یا مختلف قوموں میں ایک ہی وقت میں اس قسم کے فرمانرواؤں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو چونکہ اس کے مقاصد و اغراض اور ان کی سیرت و روش ایک ہی روش ہے، اس لیے یہ جماعت مثل ایک فرمانروا کے ہے، اور اگر یہ لوگ مختلف مذاہب یکے با دیگرے آتے رہے تو مثل ایک ذات کے ہوں گے، اور دوسرا وہی روش اختیار کرے گا جو پہلے کی تھی اور موجودہ فرمانروا گزشتہ فرمانروا کے نقش قدم پر چلے گا، اور جس طرح ایک فرمانروا کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر اس نے کسی وقت میں ایک شریعت قائم کی ہے، پھر دوسرے وقت اس میں تبدیلی مناسب نظر آتی ہے تو وہ اس کو بدل سکتا ہے، اسی طرح موجودہ فرمانروا بھی جو گزشتہ فرمانروا کا جانشین ہے، گزشتہ فرمانروا کی شریعت میں تبدیلی کر سکتا ہے، کیونکہ اگر موجودہ حالت میں گزشتہ فرمانروا ہوتا تو وہ خود اسی قسم کی تبدیلی کرتا۔

ریاست اور خدمت کے لحاظ سے اہل شہر کے درجے ان کی فطرت اور اخلاق کے بنا پر یکساں نہیں ہوتے، اس لیے حاکم اول مختلف گروہ بناتا ہے، اور ہر انسان کی اہلیت اور صلاحیت کے موافق اس کا درجہ مقرر کرتا ہے، اور یہ درجہ یا تو خدمت کا ہوتا ہے یا ریاست کا، اس طریقے سے بعض ایسے درجے قائم ہو جاتے ہیں جو حاکم اول کے درجے کے قریب قریب ہوتے ہیں، اور بعض درجے کسی قدر اس سے کم اور بعض اس سے بہت ہی کم ہوتے ہیں، ریاستوں کے یہ درجے ہیں جو حکومت اعلیٰ کے درجے سے کم ہوتے ہوتے خدمت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں، جس میں حکومت نہیں ہوتی اور اس کے نیچے کوئی درجہ نہیں ہوتا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح شہر کے اجزا میں باہم ربط و نظام پیدا ہو جاتا ہے، اور ان میں ترتیب و نظام کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ موجودات طبعیہ کے مشابہ ہو جاتے ہیں، اور ان کے درجے بھی موجودات طبعیہ کے مشابہ ہو جاتے ہیں، جن کی آخری تحلیل مادہ اولی اور عناصر کی طرف ہوتی ہے، اور یہ ربط و نظام مختلف موجودات کے ربط و نظام سے مشابہ ہوتا ہے اور اس شہر کا مدبر سبب اول (خدا) کے مشابہ ہوتا ہے جس سے تمام موجودات کو وجود ہوتا ہے۔ اس کے بعد تمام موجودات کے درجے آہستہ آہستہ کم ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ہر ایک حاکم بھی ہوتا ہے اور محکوم بھی۔ آخری درجہ ان موجودات کا ہوتا ہے جن میں بالکل ریاست نہیں پائی جاتی، بلکہ وہ خادم ہوتے ہیں اور ان کا وجود دوسرے کے لیے ہوتا ہے، یعنی مادہ اور عناصر۔

سعادت کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ارادی اور طبعی دونوں قسم کی برائیوں کا شہر اور مختلف قوموں سے ازالہ کر دیا جائے اور تمام ارادی اور طبعی بھلائیاں حاصل ہو جائیں، اس لیے شہر کے مدبر یعنی بادشاہ کا کام یہ ہے کہ وہ شہر کے اجزا میں باہم ایسا ربط و نظام قائم کرے جس سے یہ تمام اجزا بھلائیوں کے حاصل کرنے میں تمام برائیوں کو زائل کر سکیں۔ اگر حصول سعادت میں کوئی چیز معین و مفید ہو تو اس کو قائم رکھے، یا اس کو ترقی دے اور جو چیز مضر ہو اس کو مفید بنائے، اور جو چیز ایسی نہ ہو اس کو بالکل مٹا دے اور اس کو کم کر دے، غرض دونوں قسم کی برائیوں کو مٹائے اور دونوں قسم کی بھلائیوں کو پیدا کرے۔ اس کو اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ تمام اہل مدینۂ فاضلہ کو موجودات قصوی کے مبادی، ان کے مراتب، سعادت، مدینۂ فاضلہ کی ریاست اور اس کے درجے بتائے، پھر ان بعض اعمال کی تعلیم دے جن کے کرنے سے سعادت حاصل ہوتی ہے، صرف تعلیم ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ان سے ان پر عمل بھی کرائے۔

مدینۂ فاضلہ کے مخالف مدینۂ جاہلہ، مدینۂ فاسقہ اور مدینۂ ضالہ ہیں۔ اس کے علاوہ مدینۂ فاضلہ میں جو مفسد ہوتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے گیہوں میں گھن، کھیتوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کانٹے یا دوسری غیر مفید یا وہ مضر گھاسیں جو کھیتوں کو نقصان پہنچاتی ہیں، جو بہائم طبع انسان ہیں، وہ متمدن نہیں ہوتے اور اجتماعی اور تمدنی زندگی بسر نہیں کرتے، بلکہ ان کی مثال وحشی جانوروں کی ہوتی ہے، ان میں بعض درندہ جانوروں کے مثل ہوتے ہیں، اسی لیے وہ لوگ جنگلوں میں متفرق طور پر زندگی بسر کرتے ہیں، اور بعض اجتماعی طریقے سے بھی رہتے ہیں۔ ان میں بعض شہروں کے متصل بھی رہتے ہیں، بعض کچا گوشت کھاتے ہیں اور بعض گھاس پات پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بعض درندہ جانوروں کی طرح چیرتے پھاڑتے ہیں، یہ سب اقصائے شمال یا اقصائے جنوب میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرنا چاہیئے جن لوگوں سے شہر کے کسی کام میں فائدہ اٹھایا جا سکے ان کو چھوڑ دینا چاہیئے، اور ان سے جانوروں کی طرح غلاما نہ کام لینا چاہیئے جن سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جا سکے یا وہ مضر ہوں ان سے وہی سلوک کرنا چاہیئے جو نقصان رساں جانوروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ شہر کے باشندوں میں بھی جو شخص بہیمانہ فطرت رکھتا ہو اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کرنا چاہیئے۔

اہل جاہلیت متمدن ہوتے ہیں، اور ان کے تمدنی اجتماعات کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں بعض ضروری اجتماع ہوتے ہیں بعض پست درجہ کا اجتماع ہوتا ہے، جیسا کہ پست درجہ کے شہروں میں پست درجہ کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، بعض ذلیل قسم کا اجتماع ہوتا ہے جو ذلیل شہروں میں ہوتا ہے، بعض شریفانہ اجتماع ہوتا ہے جو شریف شہروں میں پایا جاتا ہے غلبہ پسند شہروں میں غلبہ کا اجتماع ہوتا ہے، آزادوں کے شہر میں آزادوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

ان میں ضروری اجتماع وہ ہے جس سے ضروریات معاش کے حاصل کرنے میں مدد لی جا سکے اور ضروریات معاش کے حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً کاشتکاری، گلہ بانی شکار اور چوری وغیرہ، ان میں بعض کام مخفی طور پر اور بعض علانیہ طور پر کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کے بعض شہروں میں وہ تمام پیشے پائے جاتے ہیں جن سے ضروری چیزیں حاصل کی جاتی ہیں اور بعض میں صرف ایک پیشے سے ضروری چیزیں حاصل کی جاتی ہیں، مثلاً کاشتکاری یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کوئی پیشہ۔

پست درجہ کا شہر اور پست درجہ کے لوگوں کا اجتماع وہ ہے جس سے کسب کے تمام طریقوں یا ان طریقوں سے جو اس شہر میں جاری ہیں، دولت کے جمع کرنے میں مدد لی جائے اور ضرورت سے زیادہ روپیہ پیسہ جمع کیا جائے؛ اور اس کا سبب دولت کی محبت اور بخل کے سوا کچھ نہیں۔

دولت ان تمام طریقوں سے حاصل کی جاسکتی ہے جس سے ضروریات معاش حاصل کی جاتی ہیں؛ مثلاً کاشتکاری، گلہ بانی، شکار، چوری اور ان کے علاوہ تجارت اور اجارہ اور معاملات کی دوسری صورتیں۔

ذلیل قسم کا اجتماع وہ ہے جس کا مقصد کھانے پینے اور کھیل کود کی لذتوں سے متمتع ہونا ہو، جس سے بدن کو کوئی فائدہ نہ پہنچے، بلکہ مقصد صرف حصول لذت ہو، اہل جاہلیت کے نزدیک سب سے زیادہ خوش نصیب تمدن یہی ہے کیونکہ اس قسم کے تمدن کا درجہ ضروری چیزوں اور دولت کے حاصل ہو جانے کے بعد آتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ خوش نصیب وہ شخص ہے جس کو حصول لذت کے ذرائع و اسباب سب سے زیادہ حاصل ہوں۔

شریفانہ تمدن اور شریفانہ اجتماع وہ ہے جس میں اس قسم کا تعاون حاصل کیا جائے جس سے لوگوں کی عزت، قول و فعل کے ذریعہ سے کی جائے، یعنی یہ کہ دوسرے شہروں کے لوگ ان کی عزت کریں، یا یہ لوگ خود باہم ایک دوسرے کی عزت کریں۔ دوسری صورت میں یہ عزت یا مساویانہ طریقے سے کی جائے، یا غیر مساویانہ طریقہ سے، مساویانہ طریقہ کی عزت یہ ہے کہ ایک شخص کسی وقت میں ایک خاص طریقہ سے دوسرے کی عزت کرے، پھر دوسرے وقت میں دوسرا شخص بھی اسی طریقہ کے موافق اس کے ساتھ عزت سے پیش آئے۔

غیر مساویانہ طریقہ کی عزت یہ ہے کہ ایک شخص ایک طریقہ سے دوسرے کی عزت کرے، پھر وہ دوسرا شخص اس سے بہتر طریقہ پر اس کی عزت کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل جاہلیت کے نزدیک ایک اور چیز بھی محبوب ہے، یعنی غلبہ، جو شخص اپنی ذات یا اپنے مددگاروں کی قوت یا دونوں کے ذریعہ سے غالب آسکتا ہے، اور وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور خود اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ اہل جاہلیت کے نزدیک قابل عزت سمجھا جاسکتا ہے اور جس شخص میں یہ فضیلت بہت زیادہ پائی جاتی ہے وہ بہت زیادہ قابل اعزاز ہوتا ہے۔

انسان کا صاحب حسب ہونا یعنی اس کے آباء و اجداد کا دولت مند ہونا، یا اسباب لذت کا ان کے پاس زیادہ جمع ہونا، یا بہت زیادہ غالب ہونا اور جماعت یا اہل شہر کو ان چیزوں سے فائدہ پہنچانا، یا خوبصورت اور بہادر ہونا، اور موت کو حقیر سمجھنا بھی غلبہ کے ذرائع و اسباب میں سے ہے۔

کبھی خود عزت بھی ایک قسم کی اہلیت ہوتی ہے، کیونکہ جو شخص معزز ہوتا ہے، دوسرے لوگ اس کی عزت کرنے لگتے ہیں، غرض جس شخص میں اور تمام اہل شہر سے یہ فضائل زیادہ جمع ہو جاتے ہیں وہ شہر کا رئیس اور بادشاہ ہو جاتا ہے، اگر اہل جاہلیت کے نزدیک ریاست کا دارومدار حسب پر ہے تو اس کو زیادہ صاحب حسب ہونا چاہیئے۔ اگر دولت پر ہے تو اس کو سب سے زیادہ دولت مند ہونا چاہیئے، لیکن اگر کوئی شخص صاحب حسب اور دولت مند نہیں ہے تو اس کو کسی قسم کی ریاست حاصل نہیں ہو سکتی؛ اسی طرح اگر کسی شخص میں ایسی صلاحیتیں نہیں جن سے دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو وہ بھی رئیس نہیں ہو سکتا۔

ان رؤسا میں سب سے اچھا رئیس وہ ہے جو ان چیزوں سے اہل شہر کو تو فائدہ پہنچائے، لیکن خود ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے، مثلاً ان کو مال و دولت دے اور خود مال و دولت کا خواستگار نہ ہو، ان کو لذت سے بہرہ اندوز کرے اور خود لذت کا طلبگار نہ ہو، بلکہ صرف عزت عام اور دائمی شہرت اور قول و فعل سے مدح و تعظیم کا خواستگار رہے، لیکن یہ رئیس بھی اکثر اوقات مال و دولت کا محتاج ہوتا ہے، تاکہ اہل شہر کو دولت اور لذت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرہ اندوز کر سکے، اور ان کی حفاظت کا سامان بہم پہنچائے، اور چونکہ اس کو عظیم الشان کام انجام دینے پڑتے ہیں، اس غرض سے ان میں بعض رئیس مال و دولت کے خواستگار ہوتے ہیں، اور اس کو اہل شہر سے یا تو خراج کے طور پر حاصل کرتے ہیں یا دوسرے قوم پر غلبہ حاصل کر کے اس کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس کو شہر پر خرچ کر کے خوب عزت حاصل کرتے ہیں جو شخص عزت کا خواہشمند ہو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ ان میں بعض چیزوں کو اپنی زندگی ہی میں یا اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے مخصوص کرے، تاکہ اس کی اولاد کے ذریعہ سے اس کے بعد اس کا نام زندہ رہے، اس لیے وہ سلطنت کو اپنی اولاد یا اپنی قوم کے لیے مخصوص کر دیتا ہے، عزت حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے لیے کچھ مال بھی مخصوص کر لیتا ہے، اور ایک قوم کی عزت اس لیے کرتا ہے کہ وہ بھی اس کی عزت کرے، عزت کے ان تمام اسباب کے مہیا ہو جانے کے بعد وہ مکان، لباس اور دوسری چیزوں میں کچھ امتیازی علامات بھی مقرر کر لیتا ہے، اور دوسروں سے چھپا رہتا ہے، پھر وہ درجہ بدرجہ اور لوگوں کے اعزازی مراتب مقرر کرتا ہے، اور عزت کے قانون نافذ کرتا ہے، اس قسم کا شہر اہل جاہلیت کا بہترین شہر ہے، لیکن عزت کی خواہش جب بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو یہ شہر قصابوں کا شہر ہو جاتا ہے اور غلبہ کے شہر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

غلبہ کا شہر اور غلبہ کا اجتماع یہ ہے کہ لوگ غلبہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کریں، اور یہ اجتماعی حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب سب میں غلبہ حاصل کرنے کی عام خواہش پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اس عام خواہش میں کمی، بیشی اور غلبے کے اقسام کے لحاظ سے لوگ باہم مختلف ہوتے ہیں۔

بعض لوگ صرف خون کے پیاسے ہوتے ہیں، بعض لوگ صرف انسان کی ذات پر غلبہ حاصل کرتے ہیں اور اس کو اپنا غلام بناتے ہیں، بعض لوگ صرف مال و دولت پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبضہ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مغلوب بالکل غالب کے زیر فرمان ہو، اور جان و مال کسی چیز پر اس کو حق مالکانہ حاصل نہ ہو، یہاں تک کہ غلبہ کے خواستمندوں میں جو لوگ زیادہ بلند ہمت ہوتے ہیں وہ اس چیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے جو غلبہ کے بغیر حاصل ہو، ان میں بعض لوگ متانت، سنجیدگی اور خوش سلیقگی کے ساتھ اور بعض لوگ لڑ بھڑ کر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے ان میں سے بہت سے لوگ حالت خواب میں نہ کسی کو قتل کرتے، نہ بیدار ہونے سے پہلے اس کا مال لیتے بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرا ان کا مقابلہ کرے تاکہ وہ اس کو مغلوب کر سکیں، غرض ان لوگوں کا مقصد صرف غلبہ حاصل کرنا ہوتا ہے، اور وہ تمام اہل شہر کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔

جو شخص دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے میں ان لوگوں سے زیادہ خوش تدبیری سے کام لے، اور ان پر دوسروں کو غلبہ حاصل نہ کرنے دے وہی ان کا رئیس اور بادشاہ ہوتا ہوتا ہے، یہ لوگ اپنے سوا ہر شخص کے دشمن ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے رسوم و قواعد ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی پابندی سے وہ دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں، یہ لوگ غلبہ کی کثرت یا اس کی اہمیت یا غلبہ کے ساز و سامان پر باہم فخر کرتے ہیں، اور غلبہ کے ساز و سامان یا تو انسان کی رائے میں یا اس کے جسم میں یا اس کے جسم کے باہر پائے جاتے ہیں، رائے میں، یہ کہ وہ غلبہ حاصل کرنے میں خوش تدبیر ہو، جسم میں یہ کہ وہ طاقتور ہو، جسم سے باہر یہ کہ اس کے پاس ہتھیار ہوں۔

اس قسم کے لوگ نہایت سنگدل، جفا پیشہ، مغلوب الغضب، فخار، کھانے پینے اور نکاح کے حریص ہوتے ہیں، اور ہر قسم کے فوائد پر، ہر شخص پر اور ہر چیز پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، بعض اوقات غالب صرف ایک شخص ہوتا ہے، باقی اس کی قوم دوسرے لوگوں کے مغلوب کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے، اور اس شخص کو ضروریات زندگی کی صرف اس قدر حاجت ہوتی ہے جس سے وہ اپنی زندگی اور اپنے جسم کو قائم رکھ سکے، بقیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام اہل شہر اس کے غلام ہوتے ہیں، اس شخص کی خواہش کے مطابق اس کی خدمت کرتے ہیں، خود کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے، بعض لوگ اس کے لیے کھیتی باڑی اور بعض لوگ اس کے لیے تجارت کرتے ہیں، اس کا مقصد صرف قہر و غلبہ ہوتا ہے، اور ان لوگوں سے بجز مغلوب ہونے کے اس کو نہ کوئی فائدہ پہنچتا، نہ دوسری ذلت حاصل ہوتی، لیکن اگر وہ ضروریات زندگی یا مال و دولت، یا حصول لذت، یا اعزاز یا ان تمام چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ دوسری قسم کے غلبہ کا شہر ہے اور اس قسم کے لوگ ان شہروں میں داخل ہیں جن کا بیان اوپر گزرا۔

غلبہ پسند شہر اقتدار پسند لوگوں کے شہر ہوتے ہیں، بعض اوقات دولت مند اور کمینہ لوگوں کے شہر کے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اور شہروں کے باشندوں سے افضل ہیں اور اس خیال کی بنا پر وہ اور شہروں کے باشندوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور ان میں کبر و فریب نفاقی اور مدح پسندی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو شریف اور صاحب عزت سمجھتے ہیں اور دوسروں کو ادنیٰ خیال کرتے ہیں، لیکن جب ان کو نظر آتا ہے کہ ان کے پاس ایسے پیشے نہیں ہیں جن سے وہ دولت اور لذت کو حاصل کر سکیں، بلکہ وہ صرف قہر اور غلبہ سے اس کو حاصل کر سکتے ہیں، تو یہ لوگ بھی اقتدار پسند لوگوں کے زمرے میں داخل ہو جاتے ہیں بعض اوقات اعزاز پسند لوگ بھی اعزاز کو اعزاز کے لیے حاصل کرنا نہیں چاہتے، بلکہ ان کا مقصد صرف دولت ہوتی ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کا اعزاز اس لیے کریں تاکہ اس کے ذریعہ سے دولت حاصل کریں، بہت سے لوگ لہو و لعب اور حصول لذت کے لیے دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس لیے وہ ریاست چاہتے ہیں، تاکہ ان کو دولت حاصل ہو اور وہ اس کو لہو و لعب میں صرف کریں۔

جماعت کا شہر وہ ہے جس میں ہر شخص مطلق العنان اور آزاد ہو اور جو چاہے کرے، اس شہر کے باشندوں میں مساوات پائی جاتی ہے، اور ان کا قانون یہ ہے کہ کسی کو کسی پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضیلت نہیں ہے، ان میں کسی کا کسی پر اقتدار نہیں ہوتا۔ اس لیے ان میں بہت سے اخلاق، بہت سے مقاصد، بہت سی خواہشیں، بہت سی لذتیں جمع ہو جاتی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا، اور ان میں بہت سے گروہ قائم ہو جاتے ہیں، جو باہم موافق بھی ہوتے ہیں اور مخالف بھی، ان کا حاکم بالکل محکوموں کی خواہش کے مطابق حکومت کرتا ہے، اور جب ان کی آزادی کی حالت یہ ہوتی ہے تو ان میں نہ کوئی حاکم ہوتا نہ محکوم، صرف وہ لوگ حاکم ہوتے ہیں جو ان کے نزدیک قابل مدح سمجھے جاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اہل شہر کو آزادی بخشتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں، اور ان کی مختلف خواہشوں کو پورا کرتے ہیں، بیرونی دشمنوں کے حملے سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں، اور خود صرف ضروری خواہشوں پر قناعت کرتے ہیں۔

چونکہ اس قسم کے شہر میں ہر شخص کی خواہش پوری ہو سکتی ہے، اس لیے مختلف قومیں اس میں آباد ہو جاتی ہیں، اور وہ ایک بڑا شہر بن جاتا ہے، اور اس میں مختلف قسم کی نسلیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی فطرت اور تربیت میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔ اس طرح یہ شہر بہت سے شہروں کو پیدا کر دیتا ہے جو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں، لیکن با ایں ہمہ اس کے اجزا ایک دوسرے میں شامل ہوتے ہیں اور پردیسی اور اصل باشندے میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، چونکہ اس شہر میں مختلف اخلاق اور مختلف جذبات کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اس لیے امتداد زمانہ سے اس میں حکما، خطبا اور شعرا پیدا ہو جاتے ہیں اور اس سے مدینۂ فاضلہ کے اجزا کا انتخاب کیا جا سکتا ہے اسی لیے جاہلی شہروں میں سب سے زیادہ برائی اور بھلائی کا اجتماع اسی شہر میں ہوتا ہے۔

بدکار شہر وہ ہیں جن کے باشندے سعادت کا اعتقاد تو رکھتے ہیں اور ان اعمال سے بھی واقف ہوتے ہیں جن سے سعادت حاصل کی جاتی ہے، لیکن وہ اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ ان کا میلان اہل جاہلیت کے اغراض و مقاصد کی طرف ہوتا ہے اور اپنے قویٰ اور اعمال کو انہی کے حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں، ان کے اعمال و اخلاق بالکل اہل جاہلیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہوتے ہیں، صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ وہ سعادت کے اصول پہ اعتقاد رکھتے ہیں، اور اہلِ جاہلیت کو یہ اعتقاد نہیں ہوتا، ان شہروں کے تمام باشندے سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

گمراہ شہر وہ ہیں جن کے اصول ان چیزوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جن کو ہم نے بیان کیا، اور حقیقی سعادت کے علاوہ ان کی سعادت دوسری ہوتی ہے اور وہ ایسے اعمال و خیالات کے پابند ہوتے ہیں جن سے حقیقی سعادت نہیں حاصل ہوتی، مدن فاضلہ میں جو مفسد پیدا ہو جاتے ہیں ان کی مختلف قسمیں ہیں، بعض تو ایسے افعال کے پابند ہوتے ہیں جن سے سعادت حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن وہ ان سے سعادت حاصل کرنا نہیں چاہتے، بلکہ ان کا مقصد دوسرا ہوتا ہے جس کو انسان دوسری فضیلت مثلاً عزت، ریاست اور دولت سے حاصل کر سکتا ہے، بعض لوگ اہلِ جاہلیت کے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، لیکن شہری اور مذہبی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لیے وہ واضع قانون کے الفاظ کی تاویل اپنی خواہش کے مطابق کر لیتے ہیں، اور ان کو محرف کہتے ہیں، بعض لوگ تحریف تو نہیں کرتے لیکن واضع قانون کے مقصد کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں، اس لیے ان کے افعال رئیس اول کے مقصد کے مطابق نہیں ہوتے، اور وہ نادانستہ طور پر گمراہ ہو جاتے ہیں، اس قسم کے لوگوں کو مارقہ کہا جاتا ہے۔

یہ فارابی کے رسالہ "سیاست مدنیۃ" کا خلاصہ ہے، لیکن اس موضوع پر اس نے ایک اور رسالہ "آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ" کے نام سے لکھا ہے، جس میں بہت سی باتیں تو مکرر ہیں لیکن بہت سی باتیں اس سے زائد ہیں، ان زائد باتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"جس شہر میں اجتماع کا مقصد یہ ہو کہ جن چیزوں سے حقیقی سعادت حاصل ہو سکے ان کے حاصل کرنے میں باہمی تعاون سے کام لیا جائے، اس کو "مدینہ فاضلہ" اور اس کے اجتماع کو "اجتماع فاضل" اور اس قوم کو "امت فاضلہ" کہتے ہیں، مدینہ فاضلہ کی مثال صحیح اور کامل بدن کی سی ہے جس کے اعضا زندگی کے تکمیل و تحفظ کے لیے باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اور جس طرح بدن کے اعضا فطرت اور قویٰ کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں، اور ان اعضا میں ایک عضو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رئیس ہوتا ہے جس کو قلب کہتے ہیں، اس کے علاوہ اور اعضاء ہوتے ہیں جن کے درجے اس عضو رئیس کے قریب قریب ہوتے ہیں، یہاں تک کہ درجہ بدرجہ ان اعضاء پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے جو صرف خادم ہوتے ہیں، مخدوم نہیں ہوتے، بعینہٖ اسی طرح شہر کے اجزاء کی فطرت اور ان کے ارادات بھی مختلف ہوتے ہیں، ان میں ایک انسان رئیس ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کا درجہ اس کے قریب قریب ہوتا ہے، یہاں تک کہ درجہ بدرجہ آخیر میں ایسے لوگ نکلتے ہیں جو صرف خادم ہوتے ہیں، مخدوم نہیں ہوتے، اور یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے، صرف یہ ہے کہ بدن کے اجزاء طبعی ہوتے ہیں، اور ان میں جو قوتیں ہیں وہ طبعی ہوتی ہیں، لیکن شہر کے اجزاء بھی اگرچہ اس حیثیت سے طبعی ہوتے ہیں کہ ان کی مختلف قابلیتیں بھی فطری ہوتی ہیں، تاہم وہ محض اس فطری قابلیت کے لحاظ سے شہر کے اجزاء نہیں سمجھے جاتے بلکہ اس میں ملکاتِ ارادیہ کو بھی دخل ہے، اور ان ہی ملکات ارادیہ سے مختلف پیشے پیدا ہوتے ہیں۔

جس طرح بدن کا عضو رئیس (یعنی قلب) تمام اعضاء میں کامل ترین ہوتا ہے، اس کے بعد جو اعضاء اس کے شریک ہوتے ہیں اس سے کم درجہ کے کامل ہوتے ہیں، یہی حال شہر کے رئیس کا بھی ہوتا ہے کہ وہ شہر کے تمام اجزا میں کامل ترین ہوتا ہے، پھر اس کے بعد اور اجزاء میں کمال کا درجہ کم ہوتا جاتا ہے، اور جس طرح سب سے پہلے قلب پیدا ہوتا ہے، پھر وہ اور تمام اعضائے بدن کے پیدا ہونے کا سبب بن جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ان اعضاء میں قوتیں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے مدارج قائم ہوتے ہیں اور جب کسی عضو میں نقص پیدا ہوتا ہے تو وہ اس نقص کو دُور کر دیتا ہے۔ اسی طرح سب سے پہلے شہر کا رئیس پیدا ہوتا ہے، پھر وہ شہر اور شہر کے اجزاء کے پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اور ان اجزاء کے مدارج قائم کرنے کے لیے وہ ان میں ملکاتِ ارادیہ پیدا کرتا ہے، اور جب ان اجزاء میں خلل واقع ہوتا ہے تو وہ اس خلل کو دُور کر دیتا ہے، اور جس طرح اعضائے بدن کے طبعی افعال قلب کے مقاصد کے لحاظ سے شرف و فضیلت میں درجہ بدرجہ کم ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اعضا مثلاً مثانہ اور معدے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام نہایت ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں، یہی حال شہر کے اجزار کا بھی ہوتا ہے کہ آخر میں ایسے غیر مفید اور آسان کام نکل آتے ہیں جو نہایت کم درجہ کے ہوتے ہیں۔

لیکن شہر کا رئیس ہر انسان نہیں ہو سکتا، کیونکہ ریاست دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہ فطرۃً اور طبعاً اس کے لیے موزوں ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس میں خاص اوصاف اور خاص ملکاتِ ارادیہ ہوں۔

پھر جو شخص فطرۃً ریاست کے لیے موزوں ہے وہ ہر پیشے کے ذریعہ سے ریاست نہیں کر سکتا، بلکہ اکثر پیشے شہر میں خادمانہ حیثیت رکھتے ہیں، اور اکثر فطرتیں خادمانہ ہوتی ہیں، بہت سے پیشے ایسے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے دوسرے پیشوں پر حکومت کی جاتی ہے، اور بہت سے پیشوں کے ذریعہ سے صرف خدمت کی جاتی ہے، حکومت نہیں کی جاتی، اسی طرح ہر پیشہ مدینۂ فاضلہ کی ریاست کے کام نہیں آسکتا اور ہر سلطنت اس ریاست کے لیے موزوں نہیں ہو سکتی، جس طرح رئیس الاعضار یعنی دل پر دوسرا عضو حکومت نہیں کر سکتا، اسی طرح مدینۂ فاضلہ کے رئیس اول کا پیشہ خدمت گزاری کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور دوسرے پیشوں کے زیر حکومت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ پیشہ اور تمام پیشوں کا مرکز اور مقصد ہوتا ہے، اور اس انسان پر کوئی دوسرا انسان حکومت نہیں کر سکتا، بلکہ وہ ایک کامل انسان ہوتا ہے، اور جب اس کی قوتِ نظریہ، قوت عقلیہ اور قوت متخیلہ تینوں میں کمال پیدا ہو جاتا ہے تو اس پر براہ راست خدا کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، اب اس کی عقل پر جو فیضان ہوتا ہے اس کے لحاظ سے وہ پیغمبر ہوتا ہے، اور آئندہ کے واقعات کی پیشین گوئی کرتا ہے اور موجودہ جزئیات سے باخبر رہتا ہے، یہ انسانیت کے مراتب میں کامل اور سعادت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے، اس کو ان اعمال سے واقفیت ہوتی ہے جن سے سعادت حاصل کی جا سکتی ہے، اس کے ساتھ اس کی زبان میں بھی یہ طاقت ہونی چاہیئے کہ جو کچھ اس کو معلوم ہے اس کو خوبی کے ساتھ ظاہر کرے۔ اس میں یہ قدرت بھی ہونی چاہیے کہ خوبی کے ساتھ سعادت اور سعادت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعمال کی طرف رہنمائی کرسکے، اس کے جسم میں بھی ایسی طاقت ہونی چاہیئے کہ جزئیات اعمال کو اچھی طرح انجام دے سکے۔

لیکن ایسے رئیس اور ایسے امام میں فطرۃً بارہ اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اس کے تمام اعضاء مکمل ہوں، اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنے تمام کاموں کو آسانی کے ساتھ کرسکے۔

(۲) وہ بہت زیادہ سمجھدار ہوتا کہ اس سے جو کچھ کہا جائے اس کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

(۳) اس کی قوت حافظہ نہایت قوی ہوتا کہ وہ تمام مشاہدات، مسموعات اور مدرکات کو بھول نہ سکے۔

(۴) وہ نہایت ذہین ہوتا کہ ایک چیز کی معمولی دلیل سے بھی اس کو اسی طرح سمجھ سکے جس طرح یہ دلیل اس پر دلالت کرتی ہے۔

(۵) وہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا کہ اپنے مافی الضمیر کو پوری وضاحت کے ساتھ ظاہر کرسکے۔

(۶) تعلیم و افادہ کا شائق ہو اور تعلیم دینے میں جو زحمتیں پیش آتی ہیں ان کو برداشت کرسکے۔

(۷) کھانے پینے کا حریص نہ ہو، لہو و لعب سے فطرۃً بیزار ہو، اور ان کی لذتوں کو محبوب نہ رکھے۔

(۸) سچ اور سچوں کا دوست، جھوٹ اور جھوٹوں کا دشمن ہو۔

(۹) نہایت بلند ہمت ہو، عز و شرف کو محبوب رکھے، عزت پر دھبہ لگانے والے کاموں سے اعراض کرے اور بلند کاموں کی طرف فطرۃً مائل ہو۔

(۱۰) روپیہ پیسہ اور دنیوی اعراض کو نہایت حقیر سمجھے۔

(۱۱) عدل و انصاف کا فطرۃً دوست اور ظلم و جور کا دشمن ہو، اگر اس کو عدل و انصاف کی دعوت دی جائے تو اس کو نہایت آسانی اور نرمی سے قبول کرلے، لیکن اگر ظلم و جور کی دعوت دی جائے تو اس کو کبھی نہ قبول نہ کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۲) اولوالعزم ہو' اور جو کام کرنے کے قابل ہیں ان کو دلیری اور بے خوفی سے کرے' بزدل نہ ہو۔

لیکن یہ تمام اوصاف ایک شخص میں بمشکل جمع ہو سکتے ہیں، اس لیے فطرۃً ایسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں۔

مدن فاضلہ کے بادشاہ جو مختلف زمانوں میں یکے بادیگرے پیدا ہوتے رہتے ہیں سب کے سب گویا متحد الذات اور گویا ایک ہی بادشاہ ہوتے ہیں، اسی طرح اگر ان کی ایک جماعت ایک ہی وقت میں ایک ہی شہر یا بہت سے شہروں میں پیدا ہو جائے تو یہ جماعت مثل ایک ہی بادشاہ کے اور ان کی ذات مثل ایک ہی ذات کے ہوتی ہے۔

اہل مدینۂ فاضلہ کے بہت سے علم وعمل سب میں مشترک ہوتے ہیں' اور بہت سے علم وعمل ہر ایک کے لیے مخصوص ہوتے ہیں' اور سعادت ان دونوں قسم کے علم وعمل کے اجتماع سے حاصل ہوتی ہے' اور جس قدر ان پر مداومت کی جائے اسی قدر عمدہ ہیئت نفسانیہ پیدا ہوتی ہے' اور جب نفس اس حیثیت سے سعادت کے درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو مادہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے' اور مادہ کے فنا ہونے سے فنا نہیں ہوتا' اور اس حالت میں اعراض جسمانی اس سے زائل ہو جاتے ہیں' نہ وہ حرکت کرتا نہ اس کو سکون ہوتا، غرض اس حالت میں اس کو جسمانی عوارض سے متصف نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس حالت کا تصور مشکل اور عادت جاریہ کے خلاف ہے' اس قسم کے نفوس جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے رہتے ہیں جسم سے الگ ہونے کے بعد باہمی مناسبت اور مجالست کی وجہ سے باہم مل جاتے ہیں' اور چونکہ وہ جسم نہیں ہوتے اس لیے ان کی تعداد کتنی ہی ہو ان کے لیے جگہ کی تنگی نہیں ہوتی، کیونکہ ان کا اجتماع کسی مکان میں نہیں ہوتا۔ اس لیے اس قسم کے نفوس کی جس قدر کثرت ہوتی جاتی ہے' اسی قدر ان کو اجتماع کا لطف زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

جس طرح مختلف چیزوں میں نوعیت، مقدار اور کیفیت کے اختلاف سے باہم ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے، مثلاً پارچہ بافی، بزازی، رقاصی، فقہ اور حکمت وخطابت میں ایک دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر جو فضیلت حاصل ہے وہ نوعی ہے، یعنی ان پیشوں کی نوعیت مختلف ہے، لیکن ایک کاتب کے پیشے کی نوعیت دوسرے کاتب کے پیشے سے مختلف نہیں ہے، اس لیے ان میں ایک کو دوسرے پر جو فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ صرف مقدار اور کیفیت کے اختلاف کا نتیجہ ہے، مثلاً اس پیشے کے اجزا میں ایک کاتب کو لغت، خطابت، حساب اور خوشخطی سب کا علم ہے، اور دوسرے کو صرف بعض اجزاء کا علم ہے، اس لیے پہلے کو دوسرے پر اس مقدار کی زیادتی کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہوگی، یا یہ کہ دونوں کو ان تمام اجزاء کا علم تو حاصل ہے لیکن ایک کو ان میں زیادہ مہارت حاصل ہے، اس لیے اس کو اس کیفیت کے اختلاف سے دوسرے پر فضیلت حاصل ہوگی، اسی طریقہ پر سعادتوں کے درجے بھی نوعیت، مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے باہم ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

ان تمام سعادتوں کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ بذاتِ خود حاصل ہو جائیں، دوسرے یہ کہ وہ مناسبت اور تمثیل کے ذریعہ سے حاصل ہوں، یعنی ایسی مثالیں لوگوں کے دلنشین ہو جائیں جو ان سعادتوں کی تصویر نگاہ کے سامنے کر دیں تو مدینۂ فاضلہ کے حکمران ان کو دلیل اور اپنے ضمیر سے جانتے ہیں، ان کے بعد جو حکماء پیدا ہوتے ہیں وہ پہلے حکماء کی تقلید و تصدیق و اعتماد کے ذریعہ سے ان کا علم حاصل کرتے ہیں اور باقی لوگوں کو ان کا علم صرف مثالوں سے حاصل ہوتا ہے، یہ مثالیں بعض قریب ہوتی ہیں بعض بعید، اور بعض ان سے بھی بعید اور ہر قوم کے یہاں مثالیں مشہور اور واضح ہوتی ہیں ان ہی کے ذریعہ سے ان کی تمثیل پیش کی جاتی ہیں، اس لیے ان مثالوں میں باہم اختلاف ہوتا ہے، اس لیے امم فاضلہ اور مدن فاضلہ کے مقاصد اگرچہ ایک ہی ہوتے ہیں اور سب کے سب سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں تاہم ان کے مذاہب مختلف ہو جاتے ہیں۔

مدن فاضلہ پر بحث کرنے کے بعد فارابی نے مدن جاہلہ اور مدن ضالہ یعنی جاہل اور گمراہ شہروں کی خصوصیات پر بحث کی ہے، اور ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نٹشے کے فلسفۂ اخلاق اور یورپ کی موجودہ سیاست سے ملتا جلتا ہے۔ ان لوگوں کے خیالات کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ موجودات طبعیہ باہم ایک دوسرے کے ضد ہیں، اور ایک ضد دوسرے ضد کو مٹانا اور مغلوب کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے حیوانات دوسرے حیوانات پر حملہ کرکے ان کو فنا کر دینا چاہتے ہیں، حالانکہ اس سے ان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، گویا ان کی فطرت کا اقتضا ہی یہ ہے کہ ان کے سوا کوئی دوسرا حیوان زندہ نہ رہنے پائے، اس سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ اس کا غلام بنا رہے، جس سے وہ اپنے فائدے کے کام لے سکے، موجودات میں غلبہ کا یہی اصول جاری ہے، غالب جس چیز کو اپنے لیے مضر سمجھتا ہے اس کو فنا کرتا ہے، اور جس چیز کو مفید سمجھتا ہے اس کو اپنا غلام بناتا ہے۔ اس کے نزدیک نہ دُنیا میں کوئی نظام ہے، نہ مختلف درجے ہیں، نہ مختلف قابلیتیں ہیں، بلکہ موجودات طبعیہ کی فطرت صرف غلبہ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے انسان کو بھی اپنے ارادہ و اختیار سے یہی روش اختیار کرنا چاہیئے، اور اپنے فائدے کے لیے دوسروں کو مغلوب کرنا چاہیئے۔ اس سے ایک دوسرا اصول یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں بالطبع اور بالارادہ کوئی ربط و تعلق نہیں ہے، بلکہ ہر شخص کو دوسرے سے نفرت رکھنی چاہیئے، صرف ضرورت کے وقت دو انسانوں میں ربط تعلق پیدا ہو سکتا ہے، اور اس ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد اس تعلق کو منقطع کر دینا چاہیئے۔

لیکن ان میں کچھ لوگوں کے نزدیک چونکہ صرف ایک انسان اپنی تمام ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا، اس لیے وہ اجتماع کو ایک ضروری چیز سمجھتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک یہ اجتماع صرف غلبہ و اقتدار سے حاصل ہو سکتا ہے، یعنی جس شخص کو اجتماعی ضروریات کے لیے اعوان و انصار کی ضرورت ہے۔ اس کا فرض ہے کہ دوسری قوم کو اپنا غلام بنائے اور ان کو آلہ بنا کر ان سے اپنی خواہشیں پوری کر لے۔ لیکن ان میں ایک گروہ کے نزدیک دنیا میں ربط و علاقہ اور الفت و محبت کا سلسلہ قائم ہے۔ البتہ ان میں اس کے وجوہ و اسباب کے متعلق باہم اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ ایک باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ ان میں یہ ربط و علاقہ بہت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستحکم ہوتا ہے، پھر جس قدر اس میں بعد ہوتا جاتا ہے، یہ ربط بھی کمزور ہوتا جاتا ہے، اور باہم تنافر پیدا ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کے نزدیک یہ ارتباط رشتہ داری اور قرابت داری سے پیدا ہوتا ہے، بعض لوگوں کے نزدیک یہ ارتباط اس پہلے رئیس سے پیدا ہوتا ہے جس نے ان کو ایک قوم بنایا، اور اس کے ذریعہ سے غلبہ حاصل کیا، بعض لوگوں کے نزدیک اس کا سبب وہ معاہدہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ باہم مل کر ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کریں، بعض لوگوں کے نزدیک اخلاق و عادات اور زبان کا اتحاد اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک سکونت کا اشتراک یعنی ایک گھر میں، ایک گلی میں، ایک محلے میں، ایک شہر میں اور ایک خطے میں رہنا اس ارتباط کا سبب ہے، اس کے علاوہ جزئی ارتباط کے اور چھوٹے چھوٹے ذریعے ہیں۔ مثلاً باہمی ملاقات باہمی خورد و نوش ہم پیشگی اور ہمسفری وغیرہ۔

اب جب ان اسباب سے مختلف قبیلے، مختلف قومیں اور مختلف شہر پیدا ہو جاتے ہیں تو ان کو عزت، دولت اور لذت حاصل کرنے کے لیے باہم ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، یہ ہر انسان ہر گروہ بلکہ تمام موجودات طبعیہ کی ایک طبعی خواہش ہے، اور اسی طبیعت کا نام عدل و انصاف ہے، اس لیے عدل و انصاف دوسرے معنی غلبہ و اقتدار کے ہیں، اور یہی طبعی عدل اصلی فضیلت ہے۔

اس کے علاوہ خرید و فروخت، امانتوں کی واپسی اور ظلم و جور سے احتراز کی صورت میں عدل کا جو اظہار کیا جاتا ہے اس کا ابتدائی سبب خوف، ضعف اور عارضی ضرورت ہے، مثلاً دو شخص یا دو گروہ جب مساوی قوت رکھتے ہیں تو ان کو باہمی زور آزمائی سے ایک شخص یا ایک گروہ غالب نہیں آ سکتا بلکہ دونوں کو یکساں طور پر نقصان پہنچتا ہے۔ اس لیے دونوں باہم اتحاد و اتفاق کی ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں، اور چند شرائط پر ان میں مصالحت ہو جاتی ہے، اور خرید و فروخت میں ان کی پابندی کی جاتی ہے، لیکن اس کا اصلی سبب وہ ضعف و خوف ہے جو ایک فریق کے دل میں دوسرے فریق کی طاقت سے پیدا ہو جاتا ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب تک یہ حالت رہتی ہے دونوں فریق ان شرائط کی پابندی کرتے ہیں، اور جب ایک فریق طاقتور ہو جاتا ہے تو ان شرائط کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس قسم کے اور چند اسباب سے اس قسم کے شرائط مقرر کر لیے جاتے ہیں، اور ایک مدت تک ان کی پابندی کرنے سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے ابتدائی اسباب کیا تھے؟ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ عدل اس کا نام ہے جس کے وہ پابند ہیں حالانکہ اس کا اصلی سبب خوف یا ضعف ہے۔

مذہبی عقائد و اعمال مثلاً یہ اعتقاد کہ ایک خدائے مدبر عالم کا وجود ہے، اور فرشتوں کا ایک روحانی گروہ اعمالِ انسانی کی نگران کرتا ہے، خدا کی عظمت کا اظہار، نماز تسبیح و تقدیس وغیرہ اور یہ اعتقاد کہ انسان جب دنیوی زندگی کے قواعد کو چھوڑ کر ان عقائد و اعمال کی پابندی کرتا ہے تو موت کے بعد ان کا عظیم الشان صلہ ملتا ہے، اور جب ان کی پابندی نہیں کرتا اور صرف دنیوی زندگی کے فوائد پر قناعت کر لیتا ہے، تو موت کے بعد آخرت میں اس کو سخت عذاب ہوتا ہے، یہ سب کے سب اس قوم کے حیلے اور بہانے ہیں جو علانیہ غلبہ کی طاقت نہیں رکھتی، اس لیے ان حیلوں کے ذریعہ سے غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے، کیونکہ جو شخص ان عقائد و اعمال کا پابند ہوتا ہے اس کی نسبت لوگوں کے دل میں یہ حسن ظن پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دنیوی لذائذ کا حریص نہیں ہے۔ اس لیے لوگ اس کی عزت، محبت و اطاعت کرنے لگتے ہیں، بلکہ اس کے برے افعال بھی لوگوں کو اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں، اس طریقہ سے وہ عزت، ریاست، لذت اور مال و دولت میں سب پر تفوق اور غلبہ حاصل کر لیتا ہے، جس طرح بعض شکار حیلہ و غلبہ سے اور بعض مکر و فریب سے کیے جاتے ہیں، اسی طرح غلبہ کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں جن میں مذہبی طریقہ حیلہ و فریب کا طریقہ ہے۔

یہ اور اس قسم کے خیالات جاہلیت کے خیالات ہیں، جو موجودات خارجیہ کے مشاہدہ سے اخذ کیے گئے ہیں اور جب غلبہ کے ذریعہ سے تمام فوائد حاصل ہو جائیں تو ان کے نزدیک ان کو ہمیشہ قائم رکھنا اور ہمیشہ بڑھاتے رہنا چاہیے، اس اصول کے موافق ان کے متعدد گروہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے ہیں۔

(۱) ایک گروہ ہمیشہ غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور جب ایک گروہ پر غلبہ حاصل کر چکتا ہے تو دوسرے گروہ پر غالب آنا چاہتا ہے۔

(۲) دوسرا گروہ خود اپنے گروہ میں تو خرید و فروخت اور داد و ستد کے عادلانہ ذریعہ سے ان فوائد کو محفوظ رکھتا ہے، اور غیروں پر غلبہ حاصل کر کے ان فوائد کو ترقی دیتا ہے۔

(۳) تیسرا گروہ ان دونوں طریقوں سے ان فوائد کو ترقی دینا چاہتا ہے۔

سب سے آخری گروہ کے نزدیک موجودات خارجیہ میں غلبہ کی صورت صرف مختلف انواع میں پائی جاتی ہے، بقیہ جو چیزیں ایک ہی نوع میں داخل ہیں وہ نوع ان میں ربط و مصالحت کا ذریعہ بنتی ہے، اس لیے انسانوں کے لیے انسانیت ربط و مصالحت کا ایک ذریعہ ہے، اور اس ذریعہ سے خود انسانوں میں مصالحت ہونی چاہیئے، اور جو چیزیں ان کے لیے مفید ہیں ان پر غلبہ حاصل کر لینا چاہیئے، اور جو چیزیں غیر مفید ہوں ان کو چھوڑ دینا چاہیئے، البتہ جو غیر مفید چیزیں مضر ہوں ان پر بھی غلبہ حاصل کرنا چاہیئے، اور جو مضر نہ ہوں ان کو یوں ہی چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس اصول کے مطابق انسان کا ایک فرد دوسرے فرد سے جو فائدہ حاصل کر سکتا ہے اس کو معاملاتِ ارادیہ کے ذریعہ سے حاصل کرنا چاہیئے، لیکن انسان کے علاوہ اور دوسرے انواع سے جو فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں ان کو غلبہ کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہیئے، کیونکہ غیر ذوی العقول چیزوں کے ساتھ معاملاتِ ارادیہ نہیں کیے جا سکتے۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ الٰہیات اور سیاسیات کے متعلق فارابی کا میلان بالکل مذہب کی طرف ہے، اور وہ ملحدانہ خیالات سے ہر موقع پر بیزاری ظاہر کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد بن زکریا رازی

نام ونسب

محمد نام، ابوبکر کنیت ہے، باپ کا نام زکریا اور دادا کا یحییٰ ہے۔

ولادت

رے میں پیدا ہوا، اور وہیں نشوونما حاصل کی، ہمارے قدیم تذکرہ نویسوں نے اس کا سالِ ولادت نہیں لکھا، البتہ موجودہ دور میں اس کی زیادہ چھان بین کی گئی، لیکن کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا، کسی نے اس کا سال ولادت سنہ ۲۲۶ھ کسی نے سنہ ۲۳۶ھ کسی نے ۲۴۰ھ کسی نے سنہ ۲۵۰ھ لکھا ہے، اور ابو ریحان بیرونی نے اس کی کتابوں کی فہرست پر جو مقدمہ لکھا ہے، اس میں اس کا سالِ ولادت سنہ ۲۵۱ھ قرار دیا ہے، لیکن موجودہ دور میں ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے اس کے حالات میں جو مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں قیاساً سنہ ۲۴۰ھ کو ترجیح دی ہے۔

تعلیم وتربیت

عام طور پر تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بچپن میں تعلیم حاصل نہیں کی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ وہ اپنے عنفوانِ شباب میں عود بجاتا تھا اور گاتا تھا، لیکن داڑھی مونچھ نکلنے کے بعد اس نے خود اس مشغلہ کو ناپسند کیا اور کہا کہ جو راگ داڑھی اور مونچھ کے درمیان سے نکلتا ہے وہ کچھ پسندیدہ معلوم نہیں ہوتا۔" اس لیے اس نے اس مشغلہ کو چھوڑ کر طب اور فلسفہ کی طرف توجہ کی، اور ان علوم میں کمال پیدا کیا۔[۱] لیکن ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا میں لکھا ہے کہ وہ بچپن ہی سے علوم عقلیہ سے دلچسپی رکھتا تھا اور ان علوم کی مشغولیت کے ساتھ علم ادب میں مشغول رہتا تھا اور شعر کہتا تھا۔[۲]

بہرحال اگر وہ اپنے زمانہ شباب ہی گانے بجانے میں مشغول رہتا تھا تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس نے بچپن میں سرے سے تعلیم ہی حاصل نہیں کی، بلکہ یہ یورپین مورخین کا خیال ہے کہ اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے زمانے تک رے کے مکتبوں میں معمولی طور پر حساب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد فلسفیانہ علوم کی طرف متوجہ ہوا، اور طب و فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ طبقات الاطبا کی ایک عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :

ان الرازی کان فی ابتداء	وہ اپنی تعلیم کے ابتدائی زمانے میں عود
نظرہ یضرب بالعود ثم انہ اکب	بجاتا تھا، پھر طب اور فلسفہ کی تعلیم
علی النظر فی الطب والفلسفة،[۳]	میں مشغول ہوا۔

غالباً اس نے طب سے پہلے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی، چنانچہ قفطی نے صرف فلسفہ کا نام لیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ابتدا میں عود بجاتا تھا، پھر اس کو چھوڑ کر فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا[۴] اور اس کی تعلیم ابوزید بلخی سے حاصل کی[۵] جس کو شہرزوری نے حکمائے اسلام میں شمار کیا ہے، اور

۱۔ ابن خلکان جلد دوم ص ۸۷، ۲۔ طبقات الاطباء جلد اول ص ۳۰۹ ۳۔ ایضاً ص ۳۱۰، ۴۔ اخبار الحکماء قفطی ص ۱۷۸، ۵۔ فہرست ابن ندیم ص ۴۱۶ -

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ وہ رازی کے زمانہ میں تھا، اور سیاحت کرتا رہتا تھا، لیکن اس کا سنہ ولادت اور سنِ وفات مجھ کو معلوم نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے معلوم نہیں کس کتاب سے اس سال وفات ۳۵۰ھ لکھا ہے، اور چونکہ رازی نے ۳۲۰ھ میں وفات پائی ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک وہ صرف رازی کا معاصر ہو سکتا ہے، استاد نہیں ہو سکتا۔

فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ طب کی طرف متوجہ ہوا، اور ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس نے جس وقت طب کی تعلیم شروع کی اس کا سن ۴۰ سال سے متجاوز ہو چکا ہے[1]۔ طبقات الاطباء میں ہے کہ وہ جب بغداد میں آیا تو اس کی عمر ۳۰ سال سے زائد تھی، اور چونکہ اس نے بغداد ہی میں علم طب کی تعلیم اس وقت حاصل کی جب اُن کا سن خوب پختہ ہو چکا تھا، بغداد میں طب کی تعلیم کی طرف اس کی وجہ کے دو سبب بتائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب وہ بغداد میں آیا تو عضدالدولہ کے شفاخانے کو دیکھنے گیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک دواساز سے ہوئی جس سے اس نے دواؤں کے متعلق کچھ باتیں دریافت کیں، اور یہ پوچھا کہ سب سے پہلے کس نے ان دواؤں کو دریافت کیا، دواساز نے کہا کہ سب سے پہلے جس دوا کا علم ہوا اس کا نام حی العالم تھا، اس کے بعد اس کے دریافت ہونے کا سبب اور اس کے خواص و اثر کا حال بیان کیا۔ رازی نے یہ تمام باتیں سنیں تو ان سے اس کو دلچسپی پیدا ہوئی۔

دوسرا سبب یہ ہوا کہ وہ دوسری بار اسی شفاخانے میں گیا تو ایک ایسا نوزائیدہ بچہ دیکھا جس کے دو منہ اور ایک سر تھا، اس نے اطباء سے اس کی وجہ پوچھی اور انہوں نے وجہ بیان کی تو اس کو اس سے دلبستگی پیدا ہوئی، پھر مختلف چیزوں کے متعلق بار بار سوال کرتا تھا، اور اس کے جوابات کو ذہن نشین کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ خود طب کی تعلیم کی طرف مائل ہو گیا[2]۔ لیکن یہ دونوں روایتیں غلط ہیں، کیونکہ رازی عضدوالہ کا معاصر نہ تھا، بلکہ اس سے پہلے تھا،

---

[1] ابن خلکان جلد دوم ص ۸۷ [2] طبقات الاطباء جلد اول ص ۳۰۹،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود علامہ ابن ابی اصیبعہ نے جہاں طبقات الاطباء میں یہ روایت نقل کی ہے کہ عضد الدولہ نے رازی کو اپنے شفا خانے کا افسر مقرر کیا تھا، وہاں اسی بنا پر اس روایت کی تردید کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے:

والذی صح عندی ان	میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ رازی کا
الرازی کان اقدم زمانا	زمانہ عضد الدولہ سے پہلے تھا، اور قبل اس کے کہ
من عضد الدولة بن بویة	عضد الدولہ شفا خانے کی تجدید کرے
وانما کان تردده الی البیمارستان	وہ شفا خانے میں آمد و رفت رکھتا
من قبل ان یجدده عضد الدولہ[1]	تھا۔

البتہ اگر عضد الدولہ کے شفا خانے کی تخصیص نہ کی جائے تو یہ دونوں روایتیں صحیح ہو سکتی ہیں، کیونکہ عضد الدولہ کے پیشتر بھی بغداد میں شفا خانے موجود تھے اور ان ہی میں سے رازی کسی شفا خانے میں گیا ہوگا، اور یہ واقعات پیش آئے ہوں گے، پروفیسر براؤن نے ایسا ہی کیا ہے اور لکھا ہے کہ رازی بغداد کے شفا خانے میں گیا اور وہاں ایک مشہور دواساز سے اس کا میل جول ہو گیا، اور اسی میل جول کی وجہ سے وہ طب کی طرف مائل ہوا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس نے طب کی تعلیم بغداد میں آنے سے پہلے ہی حاصل کر لی تھی، اور اس کا سبب جیسا کہ شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے، یہ ہوا کہ وہ ابتداء میں کیمیاگر تھا، اس کے بعد علم اکسیر میں مشغول ہوا، اور اکسیر سازی کے لیے جڑی بوٹیوں کے پھونکنے کی وجہ سے جو ابخرات ہوئے ان کی وجہ سے وہ آشوب چشم میں مبتلا ہو گیا، اور ایک طبیب کے پاس علاج کی غرض سے گیا، اس نے کہا کہ جب تک پانچ سو اشرفیاں نہ لے لوں گا تمہارا علاج نہ کروں گا، رازی نے پانچ سو اشرفیاں ادا کر دیں تو اس نے کہا کہ اصل کیمیا یہ ہے، وہ نہیں ہے جس

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول ص ۳۱۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مشغول ہوا، اب اس نے کیمیا سازی چھوڑ دی اور علم طب کی تحصیل میں مشغول ہو گیا۔[1]

اس روایت میں اگرچہ یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا، تاہم اس میں شبہ نہیں ہے کہ یہ اس کی ابتدائی زندگی کا واقعہ ہے، اور اس کی ابتدائی زندگی کا زمانہ رے میں گزرا ہے، اس لیے اس نے طب کی ابتدائی تعلیم تو غالباً رے میں حاصل کی ہے، اس کے بعد تعلیم کی تکمیل کے لیے بغداد میں آیا ہے، اور وہاں مختلف محرکات نے اس کو طبی تعلیم کی طرف اور زیادہ متوجہ کیا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن خلکان اور ابن ابی اصیبعہ نے فن طب میں علی بن ربن الطبری کو اس کا استاد تسلیم کیا ہے، اور جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما میں علی بن ربن الطبری کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک بار طبرستان میں شورش ہوئی جس کی وجہ سے وہ رے چلا آیا، اور وہیں اس سے محمد بن زکریا رازی نے تعلیم حاصل کی،[2] علی بن ربن الطبری کی استادی سے صرف ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ اس نے سنہ ۲۵۱ھ میں وفات پائی ہے اور اسی سنہ میں محمد بن زکریا رازی پیدا ہوا ہے، اس لیے وہ اس کا شاگرد کیونکر ہو سکتا ہے، لیکن علی بن ربن الطبری کا سال ولادت اور سال وفات تذکروں میں مذکور نہیں، ڈاکٹر محمود نے محض قیاسی دلائل سے اس کا سال وفات متعین کیا ہے۔

ملازمت

طبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد رازی نے طبابت کا مستقل پیشہ اختیار کر لیا، اور پہلے رے کے شفا خانے کا پھر مکتفی کے زمانے میں بغداد کے شفا خانے کا افسر مقرر ہوا۔[3] تاریخوں اور تذکروں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رے کا شفا خانہ کب قائم ہوا اور کس نے قائم کیا؟ ڈاکٹر

۱؎ تاریخ الحکماء شہرزوری قلمی ص ۶ ۲؎ اخبار الحکماء قفطی ص ۱۵۵ ۳؎ ابن خلکان جلد دوم ص ۷۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمود نجم آبادی نے اس خیال کی بنا پر کہ رازی نے ۲۷۵ھ میں بغداد میں طب کی تعلیم شروع کی اور ۲۸۰ھ میں اس سے فراغت حاصل کی، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ۲۸۰ھ میں وہ طبی تعلیم سے فارغ ہوکر اپنے وطن رے میں آیا اور وہاں ایک شفا خانہ قائم کیا اور خود اس کا افسر مقرر ہوا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"در اغلب کتب مورخین تاسیس بیمارستانِ رے و بیمارستان بغداد را بہ رازی نسبت میدہند"

اور اس کے بعد مورخین کی جو عبارتیں اس کے ثبوت میں نقل کی ہیں، ان کے الفاظ قریب قریب یہ ہیں:

دبر مارستان الری ثم مارستان بغداد زمانا	اس نے پہلے رے کے شفا خانے کا پھر اس کے بعد ایک زمانے تک بغداد کے شفا خانے کا اہتمام کیا'

لیکن ان عبارتوں سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ خود رازی نے ان شفا خانوں کو قائم کیا تھا۔

اصل یہ ہے کہ کسی تذکرہ نویس نے بہ تصریح یہ نہیں لکھا ہے کہ رازی نے طب کی تعلیم بغداد میں شروع کی۔ ابن ابی اصیبعہ نے یہ روایت ضروری نقل کی ہے کہ وہ بغداد میں آنے کے بعد جب عضد الدولہ کے شفا خانے کو دیکھنے گیا تو وہاں بعض ایسے واقعات پیش آئے، جن کی وجہ سے وہ طبی تعلیم کی طرف متوجہ ہوا، لیکن عضد الدولہ کا شفا خانہ چونکہ رازی کی وفات کے بعد قائم ہوا ہے۔ اس لیے یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے'

اس روایت کے ساقط الاعتبار ہو جانے کے بعد اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے طب کی تعلیم بغداد میں حاصل کی، طبقات الاطبا میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ رے میں پیدا ہوا، اور وہیں نشو ونما پائی، پھر بغداد کا سفر کیا اور وہاں ایک مدت تک قیام کیا۔ جب وہ بغداد میں آیا ہے تو اس کی عمر ۳۰ سال سے زائد تھی، وہ بچپن ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے علوم عقلیہ کا شائق تھا اور اس میں اور علم ادب میں مشغول رہتا تھا، شعر کہتا تھا لیکن طب کی تعلیم اس نے بڑے ہو کر علی بن ربن الطبری سے حاصل کی" یہی عبارت ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اس نے ۳۵ سال کے سن میں بغداد میں آکر طب کی تعلیم شروع کی اور چونکہ وہ ڈاکٹر محمود نجم آبادی کی رائے میں ۲۴۰ھ میں پیدا ہوا ہے، اس لیے بغداد میں ۲۷۵ھ میں آیا ہے، اور پانچ برس تعلیم حاصل کر کے ۲۸۰ھ میں رے واپس گیا ہے اور وہاں شفاخانہ قائم کیا ہے، لیکن ابن ابی اصیبعہ کی اس روایت سے سرے سے یہی ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے بغداد میں طب کی تعلیم حاصل کی بلکہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بغداد میں جب آیا ہے تو اس کا سن ۳۰ سال سے زائد تھا، اس کے بخلاف جمال الدین قفطی نے بہ تصریح لکھا ہے کہ اس نے علی بن ربن الطبری سے رے میں تعلیم حاصل کی، علی بن ربن الطبری متوکل کے ندما میں داخل تھا، جس نے ۲۴۷ھ میں وفات پائی ہے، اس لیے قیاس یہ ہے کہ وہ ۲۴۷ھ کے بعد ہی کسی سنہ میں آیا ہے، اور یہ ۲۷۰ھ ہو سکتا ہے، اور چونکہ ڈاکٹر محمود نجم آبادی کی رائے میں رازی ۲۴۰ھ میں پیدا ہوا ہے، اس لیے اس وقت اس کا سن ۳۰ سال رہا ہوگا، لیکن یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر علی بن ربن الطبری متوکل کے ندما میں داخل تھا تو وہ متوکل کی وفات کے زمانے تک اس کا ندیم رہا، ممکن ہے کہ وہ اس کی وفات سے پہلے ہی طبرستان پھر طبرستان سے رے چلا آیا ہو، اور اس سے رازی نے طب کی تعلیم حاصل کی ہو، اور اس حالت میں رازی کا سن ۳۰ سال سے بھی کم قرار دیا جا سکتا ہے اور اس حالت میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے بڑے ہو کر طب کی تعلیم حاصل کی اور تذکروں میں تو سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں ہے، البتہ طبقات الاطباء میں اس کا ذکر ہے لیکن اس میں کسی خاص سنہ کی تعیین نہیں ہے، صرف ابن خلکان میں جہاں اس کا ذکر کیا ہے، وہاں لکھا ہے کہ "بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے جب طب کی تعلیم شروع کر دی ہے تو اس کا سن ۴۰ سال سے متجاوز تھا" لیکن یہ ایک بیان ہے، کوئی یقینی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت نہیں ہے، بہر حال تذکروں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے بغداد سے واپس آکر پہلے رے کے شفاخانے میں کام کیا ہے، پھر رے سے واپس بغداد گیا ہے، اور مکتفی کے زمانے میں وہاں کے شفاخانے میں کام کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے صرف قرائن و قیاسات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ ۲۶۰ھ میں بغداد میں آیا ہے، اور ۲۸۰ھ میں طبی تعلیم سے فارغ ہوا ہے۔ اس کے بعد رے آکر وہاں کے شفاخانے میں کام کیا ہے۔ پھر دوبارہ بغداد میں ۲۸۹ھ میں یا اس کے بعد گیا ہے اور مکتفی کے زمانے میں وہاں کے شفاخانے میں کام کیا ہے، لیکن اس سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ وہ ۳۰ سال کی عمر میں خود رے ہی میں طبی تعلیم سے فارغ ہو کر وہاں کے شفاخانے کا طبیب مقرر ہو چکا ہے، اور تقریباً چار پانچ سال تک اس شفاخانے میں کام کر کے وہ کم و بیش ۳۵ سال کی عمر میں بغداد آیا ہے، اور وہاں مستقل اقامت اختیار کرلی ہے اور مکتفی کے زمانے میں ۲۸۹ھ یا اس کے بعد کسی سنہ میں وہاں کے کسی شفاخانے کا ڈاکٹر، مقرر ہو گیا ہے، لیکن اس شفاخانے کا نام معلوم نہیں ہے۔ طبقات الاطباء میں ہے، کہ عضد الدولہ نے جب اپنا شفاخانہ قائم کیا تو شفاخانے کی جائے تعمیر کے متعلق رازی سے مشورہ لیا، اور رازی نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ بغداد کے تمام گوشوں میں گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لٹکا دے، پھر جب اس کو معلوم ہوا کہ فلاں گوشے میں گوشت دیر میں سڑا تو اسی گوشے میں شفاخانے کی تعمیر کا حکم دیا اور اسی جگہ عضد الدولہ نے شفاخانہ تعمیر کیا شفاخانے کے تعمیر ہونے کے بعد عضد الدولہ نے حذاق اطبا کی ایک جماعت کو اس میں ملازم رکھنا چاہا، اس غرض سے اس نے بغداد اور اعمال بغداد کے مشہور اطبا کو طلب کیا، جن کی تعداد سو سے زائد تھی، پھر اس نے علمی قابلیت اور طبی مہارت کے لحاظ سے پچاس طبیبوں کا انتخاب کیا، جن میں ایک رازی بھی تھا، پھر اس نے یہ تعداد گھٹا کر دس کر دی اور ان میں بھی رازی انتخاب میں آیا، ان ہی میں سے بھی اس نے تین کا انتخاب کیا اور رازی بھی ان تینوں منتخب شدہ لوگوں میں شامل تھا، پھر اس نے ان تینوں میں رازی کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے بہتر پایا تو اس کو اپنے شفاخانے کا افسر مقرر کر دیا۔" لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے؛ عضد الدولہ نے ۳۶۸ھ میں شفاخانہ قائم کیا تھا اور رازی اس سے پہلے انتقال کر چکا تھا۔ خود علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ رازی کا زمانہ عضد الدولہ سے پہلے تھا اور عبید اللہ بن جبرئیل نے جس کا باپ خود اس شفاخانے میں ملازم تھا۔ اس شفاخانے کے عہدہ داروں کے جو نام بتائے ہیں اس میں رازی کا نام نہیں ہے۔[1]

بہر حال تذکروں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ وہ مکتفی کے زمانے میں بغداد کے شفاخانے کا افسر تھا۔ مکتفی ۲۸۹ھ میں تخت نشین ہوا ہے اور ۲۹۵ھ میں وفات پائی ہے لیکن اس نے خود کوئی شفاخانہ قائم نہیں کیا تھا، اس کے زمانے سے پیشتر بغداد میں ہارون رشید اور برامکہ کے قائم کیے ہوئے جو شفاخانے موجود تھے۔ رازی نے ان ہی کی افسری کی ہوگی لیکن تاریخوں اور تذکروں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رازی نے مکتفی کے زمانے میں یا اس کے بعد کتنے دنوں تک بغداد میں قیام کیا ہے؟

فن طب میں رازی کی ایک کتاب کا نام "منصوری" ہے، جس کی نسبت فہرست ابن ندیم میں لکھا ہے کہ رازی اور منصور بن اسمٰعیل میں دوستی تھی، اور اسی لیے اس نے کتاب منصوری تالیف کی۔[2] قفطی نے اخبار الحکماء (صفحہ ۱۷۸) میں اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء جلد اول (صفحہ ۳۱۰) میں اسی کی تقلید کی ہے لیکن ابن ابی اصیبعہ نے دوسری جگہ اس کا نام منصور بن اسمٰعیل بن خاقان صاحب خراسان و ماوراء النہر (جلد اول صفحہ ۳۱۳) لکھا ہے، لیکن تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کے کسی شخص کا نام نہیں ملتا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب ابو صالح منصور بن نوح بن نصر بن اسمٰعیل بن احمد بن اسد بن سامان کے لیے جو ایک سامانی بادشاہ تھا تصنیف کی، اور عروضی سمرقندی

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۰ ۔ [2] فہرست ابن ندیم ص ۴۱۵ ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بھی چہار مقالہ مطبوعہ یورپ (صفحہ ۴۷) میں اسی کی تقلید کی ہے، لیکن یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ زکریا رازی نے ۳۱۱ھ یا ۳۲۰ھ میں وفات پائی ہے، اور منصور بن نوح کا زمانہ سلطنت ۳۵۰ھ سے ۳۶۶ھ تک ہے۔ اس لیے رازی اس کے دور حکومت سے پہلے انتقال کر چکا تھا۔ البتہ منصور بن اسحاق بن احمد بن اسد اپنے چچا زاد بھائی احمد بن اسمٰعیل بن احمد بن اسد کی جانب سے ۲۹۰ھ میں رے کا حاکم مقرر ہوا تھا، اور ۲۹۶ھ تک رے پر حکومت کی تھی، اور اسی کے نام پر زکریا رازی نے کتاب منصوری لکھی تھی، خود ابن خلکان نے لکھا ہے کہ میں نے کتاب منصوری کا ایک نسخہ دیکھا جس کی پشت پر لکھا ہوا تھا کہ رازی نے یہ کتاب منصور بن اسحاق بن احمد بن نوح کے نام پر لکھی" اور یہ بالکل صحیح ہے بشرطیکہ نوح کا نام اس کے سلسلۂ نسب سے خارج کر دیا جائے۔ ابن ابی اصیبعہ نے بھی طبقات الاطباء (جلد اول صفحہ ۳۱۷) میں اس کا نام منصور بن اسحاق بن اسمٰعیل بن احمد لکھا ہے اور یہی صحیح ہے، بشرطیکہ اسمٰعیل کا نام اس کے سلسلۂ نسب سے خارج کر دیا جائے۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ رازی نے یہ کتاب منصور بن اسحاق بن احمد بن اسد کے لیے لکھی جو ۲۹۰ھ سے ۲۹۶ھ تک رے کا حاکم رہ چکا تھا[1]

اگرچہ خود تذکرہ نویسوں نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ رازی نے یہ کتاب کہاں لکھی؟ اور کس سنہ میں لکھی؟ صرف ابن ندیم نے اس قدر لکھا ہے کہ رازی شہروں کی سیاست کیا کرتا تھا اور اس نے منصور بن اسمٰعیل[2] کے لیے کتاب منصوری تالیف کی۔ غالباً اسی عبارت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ رازی ۲۹۰ھ سے ۲۹۶ھ تک کسی سنہ میں رے میں مقیم تھا، اور اسی زمانے میں اس نے منصور بن اسحٰق کے نام پر کتاب منصوری لکھی، چنانچہ حواشی چہار مقالہ میں ہے۔

وظاہرا در ہمیں مدت حکومت او در رے یعنی مابین ۲۹۰ھ و ۲۹۶ھ بود

محمد بن زکریا کہ در رے اقامت داشتہ کتاب منصوری را بنام او تالیف نمودہ

---

[1] حواشی چہار مقالہ عروضی سمرقندی صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، [2] یہ نام صحیح نہیں ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اس نتیجہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رازی نے مکتفی کے زمانۂ خلافت میں جو ۲۸۹ھ سے شروع ہو کر ۲۹۵ھ پر ختم ہوا ہے، کچھ دنوں بغداد میں اور کچھ دنوں رے میں قیام کیا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ۲۹۵ھ کے بعد رے میں چلا آیا ہو اور وہاں یہ کتاب لکھی ہو، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس نے یہ کتاب رے میں قیام کر کے لکھی ہو، ممکن ہے کہ بغداد ہی میں لکھ کر منصور کے نام معنون کی ہو۔ بہر حال یہ یقینی طور پر نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے کتنے دنوں تک بغداد میں اور کتنے دنوں تک رے میں قیام کیا ہے، تاہم یہ یقینی ہے کہ رازی کا قیام زیادہ تر بلاد عجم میں رہا ہے۔ چنانچہ طبقات الاطبا میں ہے:

وکان اکثر مقام الرازی	رازی کا قیام زیادہ تر بلاد عجم میں
ببلاد العجم وذالک لکونها	رہا ہے، کیونکہ وہ اس کا اس کے
موطنه وموطن اهله واخیه[1]	خاندان اور اس کے بھائی کا وطن تھا

بالخصوص اس نے اپنے بڑھاپے کا زمانہ رے میں گزارا ہے، چنانچہ رے کے ایک بڈھے آدمی سے ایک شخص نے رازی کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ ایک بڑے سر کا بڈھا ہے، اپنے مطب میں بیٹھتا تھا، تو اس کے آگے چند شاگرد، پھر ان شاگردوں کے شاگرد، پھر دوسرے شاگرد بیٹھتے تھے۔ کوئی مریض آتا تھا تو پہلے جس سے ملتا تھا اس سے اپنا حال بیان کرتا تھا۔ اگر ان کے پاس اس مرض کے متعلق علم ہوتا تھا تو وہ دوا تجویز کر دیتے تھے، ورنہ وہ دوسروں کی طرف رجوع کرتا تھا، اگر وہ لوگ صحیح نسخہ تجویز کر دیتے تو خیر ورنہ خود رازی اس مرض کے متعلق گفتگو کرتا[2]۔ ڈاکٹر محمود نجم آبادی کی رائے میں وہ رے کے شفاخانے میں اسی طریقہ سے مریضوں کو دیکھتا، اور طب کی تعلیم دیتا تھا، لیکن خود

---

[1] طبقات الاطبا، جلد اول صفحہ ۳۱۳ [2] فہرست ابن ندیم صفحہ ۴۱۵، ۴۱۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عبارت میں رے کے شفاخانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر کے آخری زمانے میں رے میں طبابت کرتا تھا اور اس قدر بڑھا ہو چکا تھا کہ اس کے شاگردوں کے شاگرد پیدا ہو چکے تھے۔

سفر:

ذکریا رازی بہت بڑا سیاح تھا، چنانچہ فہرست ابن ندیم میں ہے :-

وکان ینتقل فی البلدان   وہ شہروں میں پھرا کرتا تھا

بعض مستشرقین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ رازی نے اسپین کا سفر بھی کیا ہے[1]، لیکن ہمارے تذکروں اور تاریخوں میں اس سفر کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ رے اور بغداد کی آمد و رفت کے علاوہ جس کی تفصیل ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے اپنے قیاسیات کی بنا پر اس طرح کی ہے :

(۱) رے سے بغداد کا پہلا سفر تقریباً ۲۷۵ھ میں،

(۲) بغداد سے رے کی طرف واپسی ۲۸۰ھ کے بعد تقریباً ۲۸۹ھ میں،

(۳) بغداد سے رے کی طرف واپسی ۲۹۲ھ میں، حسب درخواست منصور بن اسحاق حاکم رے۔

(۴) رے سے بغداد کا سفر ۲۹۶ھ میں،

(۵) بغداد سے رے کا سفر ۳۱۲ھ اور ۳۱۳ھ میں،

اس نے طبی اغراض سے بھی متعدد سفر کیے ہیں، چہار مقالہ عروضی سمرقندی میں ہے کہ امیر منصور بن نوح بن نصر نے ایک بار اس کو اپنے علاج کے لیے طلب کیا تھا، لیکن جب وہ دریائے جیحون کے کنارے پہنچا تو کشتی میں بیٹھنے سے گھبرایا اور کتاب منصوری تصنیف

---

[1] شرح حال و مقام محمد ذکریا رازی از ڈاکٹر محمود نجم آبادی ص ۷۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کے بھیج دی کہ اس کتاب سے تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا، لیکن یہ روایت بالکل غلط غلط ہے کیونکہ رازی منصور بن نوح کا معاصر نہ تھا، بلکہ اس کے دورِ حکومت سے پہلے انتقال کر چکا تھا، چنانچہ حواشی چہار مقالہ میں ہے :۔

این حکایت از اوّل تا آخر مجہول است چہ بنائے آں برامرے باطل است
واں معاصر بودن امیر منصور بن نوح بن نصر است با محمد بن زکریائے رازی
وحال آنکہ سلطنت منصور از ۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ است ووفات محمد بن زکریائے
رازی در ۳۱۱ھ یا ۳۲۰ھ است[1]

البتہ اس نے خود اپنے ایک سفر کا ذکر کیا ہے کہ اس کو امیر خراسان نے اپنے علاج کے لیے بلوایا تھا، اور اس نے اس غرض سے وہاں ایک سال تک قیام کیا تھا۔ ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے لکھا ہے کہ "رازی نے اس قسم کے سفر نہایت اعزاز کے ساتھ کیے ہیں اور اس کی طبی شہرت کی بنا پر لوگوں نے شاندار طریقہ پر اس کا خیر مقدم کیا ہے۔" اس سفر کے واقعات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ رازی کا خود بیان ہے کہ اثنائے راہ میں ایک مقام کے رئیس نے میرا استقبال کیا اور اپنے مکان میں مجھ کو اتارا اور بڑی خاطر مدارت کی، پھر اپنے لڑکے کو دکھایا جس کو استسقاء ہو گیا تھا[2]

نابینائی

تمام تذکرہ نویس متفق اللفظ ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں اندھا ہو گیا تھا، فہرست ابن ندیم میں اس کے اندھے ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ زیادہ تر باقلاء کھایا کرتا تھا، اس لیے اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنی عمر کے

---

[1] حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۴۰ [2] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکر کی حقیقت میں اندھا ہو گیا[1] قفطی نے اخبار الحکماء میں اور ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں ابن ندیم کی بعینہٖ یہی عبارت نقل کردی ہے، لیکن ابن خلکان نے ابن جلجل کی تاریخ الاطباء کے حوالے سے لکھا ہے کہ رازی نے منصور بن اسحاق بن احمد کے لیے کیمیا کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی اور بغداد سے آکر اس کی خدمت میں اس کو پیش کیا۔ منصور اس پر بہت خوش ہوا، اور اس کے صلے میں رازی کو ہزار دینار دیے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ "تم نے اس کتاب میں لکھا ہے، اس کو عملی صورت میں دکھا دو" لیکن رازی نے کہا کہ "اس کے لیے بڑی محنت، بہت سے آلات اور بہت سے جڑی بوٹیوں کی ضرورت ہے، اور یہ تمام چیزیں دقت سے خالی نہیں"، لیکن منصور نے کہا کہ "میں یہ تمام ضروری سامان مہیا کر دوں گا"، چنانچہ ان تمام ضروری سامان کے مہیا کر دینے کے بعد جب وہ اپنی کتاب کے مضامین کو عملی صورت میں نہ لا سکا تو منصور نے کہا کہ "میرا خیال نہ تھا کہ ایک حکیم اپنی کتابوں میں ایسی چیز کو حکمت کی طرف منسوب کرتا ہے ہمیشہ کے لیے جھوٹ کو بھر دے گا اور لوگوں کے دلوں کو ایسی باتوں میں مشغول رکھے گا، جن سے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، تم نے یہاں تک آنے میں جو تکلیف اٹھائی ہے اس کے صلہ میں ہم نے تم کو ہزار دینار دے دیئے لیکن اس دروغ بافی کی سزا بھی تم کو ضرور ملنی چاہیئے، چنانچہ اس کے سر پر کوڑے لگائے اور حکم دیا کہ یہ کتاب اس کے سر پر دے ماری جائے، یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس کے بعد اس کو بغداد کی طرف روانہ کر دیا اور اسی ضرب کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا[2] لیکن ابن ندیم، قفطی اور ابن ابی اصیبعہ نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس روایت کو صحیح نہیں سمجھتے، یورپین مورخین کا بھی یہی خیال ہے کہ رازی کے مخالفین نے اس کو ذلیل کرنے کے لیے یہ روایت بنائی ہے، جس کی

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۴۱۶ [2] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۷۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں۔

بہرحال رازی کی آنکھوں میں پانی اترنے کا کوئی یقینی سبب تو معلوم نہیں ہوتا، البتہ شہرزوری کی تاریخ الحکماء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیمیا سازی کی وجہ سے ابتدا ہی سے آشوب چشم میں مبتلا ہو گیا تھا، اس کے بعد اور بھی اسباب پیدا ہوئے ہوں گے، جن کی وجہ سے اس میں اور ترقی ہوئی اور وہ آخر عمر میں اندھا ہو گیا، لیکن قدیم تذکروں اور تاریخوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

(۱) اس کی آنکھوں میں کس سنہ میں پانی اترا؟

(۲) کس سنہ میں وہ بالکل اندھا ہوا؟

(۳) اور اندھے ہونے کے بعد اس کا مشغلہ کیا تھا؟

ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے لکھا ہے کہ رازی نے سنہ ۳۱۲ھ اور سنہ ۳۱۳ھ میں مکتفی کے وزیر قاسم بن عبید اللہ کے زمانے میں کتاب برء الساعۃ لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانے تک اندھا نہیں ہوا تھا، ان کے نزدیک اس سے اس روایت کی بھی تردید ہوتی ہے جو ابن خلکان نے ابن جلجل کی تاریخ سے نقل کی ہے، کیونکہ منصور بن اسحاق نے رے پر سنہ ۲۹۰ھ سے سنہ ۲۹۶ھ تک حکومت کی ہے، اور کتاب برء الساعۃ کے سنہ تالیف سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۳۱۲ھ اور سنہ ۳۱۳ھ تک رازی کی آنکھیں روشن، لیکن درحقیقت اس سے اس روایت کی تردید نہیں ہوتی، کیونکہ جن لوگوں کی آنکھوں میں پانی اترنا شروع ہوتا ہے وہ مدتوں کام کرنے کے قابل رہتے ہیں، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ منصور کے کوڑے لگانے کے بعد اس کی آنکھوں میں پانی اترنا شروع ہوا، اور اخیر عمر میں وہ اندھا ہو کر بالکل بیکار ہو گیا۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۳۱۷ھ اور سنہ ۳۱۸ھ کے بعد اس نے کوئی کتاب نہیں لکھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اخیر عمر میں صرف دو تین سال تک اندھا رہا ہے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ سنہ ۳۱۳ھ میں اندھا ہوا ہے تو اس کی نابینائی کا زمانہ سات سال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک قرار دیا جا سکتا ہے۔

اندھے ہونے کے بعد یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے کس حال میں زندگی بسر کی؟ اور اس حالت میں اس کا کیا مشغلہ رہا؟ البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حالت میں نہایت تنگ دل رہتا تھا، اور زندگی سے سیر ہو چکا تھا، چنانچہ اس سے ایک شخص نے کہا کہ آپ آنکھوں کو قدرح کیوں نہیں کرا لیتے؟ تو اس پر راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میں دنیا کو دیکھتے دیکھتے تھک گیا ہوں[1]۔"

وفات

یہ یقینی ہے کہ رازی نے رے میں وفات پائی ہے، چنانچہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں صاف تصریح کی ہے کہ رازی نے رے میں انتقال کیا ہے[2] البتہ اس کے سنہ وفات میں سخت اختلافات ہیں، ابن خلکان (جلد ۲ صفحہ ۸) نے اس کا سال وفات ۳۱۱ھ بتایا ہے، اور غالباً اس کا ماخذ یاقوت حموی کی معجم البلدان ہے، لیکن اس موقع پر خود یاقوت کی عبارت سخت مشتبہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

مات بالری بعد منصرفه	رازی نے رے میں بغداد سے لوٹنے
من بغداد فی ۳۱۱ھ	کے بعد ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

اس عبارت کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے بغداد سے واپس آنے کے بعد ۳۱۱ھ میں رے میں وفات پائی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ۳۱۱ھ میں بغداد سے واپس آنے کے بعد اس نے رے میں وفات پائی، اس لیے یہ سنہ اس کی واپسی بغداد کا ہے، وفات کا نہیں ہے، اور یاقوت نے اس کی وفات کا کوئی سنہ متعین طور پر نہیں بتایا ہے،

---

[1] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۱۴ [2] معجم البلدان ج ۴ ص ۳۶۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے ابن خلکان نے اس کا جو سال وفات قرار دیا ہے وہ یقینی طور پر صحیح نہیں۔

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء (جلد اول صفحہ ۳۱۴) میں بہ اختلاف روایت اس کا سنہ وفات ۲۹۰ھ کے چند سال بعد یا ۳۲۰ھ یا ۳۲۰ھ بتایا ہے، لیکن اگر یاقوت کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ رازی ۳۱۱ھ میں بغداد سے واپس آیا ہے اور اس کے بعد وفات پائی ہے تو اس کی وفات ۲۹۰ھ کے چند سال بعد یا ۳۲۰ھ میں کسی طرح نہیں ہو سکتی، البیرونی نے لکھا ہے کہ رازی نے رے میں ۵ شعبان ۳۱۳ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی[1] اور اس کا یہ سال وفات صحیح ہو سکتا ہے، لیکن تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ رازی نے طویل عمر میں انتقال کیا اور ۶۲ سال کی عمر طویل عمر نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رازی نے ۳۱۳ھ کے بعد کسی سنہ میں انتقال کیا ہے، لیکن خود اس سنہ میں بھی اختلاف ہے، قفطی نے اخبار الحکماء میں ابن شیراز کی تاریخ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رازی ۳۶۴ھ میں وفات پائی، لیکن ابوالفرج ملطی نے مختصر الدول (صفحہ ۲۷۴) میں اس کا سنہ وفات ۳۲۰ھ لکھا ہے، اور قفطی اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے بھی اس سنہ کا ذکر کیا ہے، اور بظاہر یہی سنہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

مستشرقین یورپ نے بھی ان ہی روایتوں کی تقلید میں اس کے سنہ وفات میں اختلاف کیے ہیں، پروفیسر براؤن اگرچہ کوئی یقینی سنہ متعین نہیں کرتے، تاہم ان کے نزدیک اس کی وفات ۳۱۱ھ سے لے کر ۳۲۱ھ یا ۳۲۲ھ میں ہوئی ہے[2]۔ بہر حال اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رازی ۲۴۰ھ میں پیدا ہوا اور ۳۲۰ھ میں وفات پائی تو مرنے کے وقت اس کا سن ۸۰ برس کا ہوگا۔

رازی کی وفات کا سبب کسی تذکرہ نویس نے بیان نہیں کیا ہے، البتہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ ایک بار رازی نے کسی وزیر کی دعوت کی اور اس کو

---

[1] ڈاکٹر محمود نجم آبادی صفحہ ۷۸، [2] ڈاکٹر محمود نجم آبادی صفحہ ۸۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہایت لذیذ کھانے کھلائے۔ وزیر کو خیال ہوا کہ ایسے لذیذ کھانے اس کی لونڈیوں نے پکائے ہیں اور اس خیال سے اس نے رازی کی ایک لونڈی کو بلطائف الحیل خرید لیا، لیکن جب وزیر کے یہاں اس لونڈی نے کھانا پکایا تو وہ ذائقہ نہ تھا، اس نے لونڈی سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ کھانا تو میں نے اسی طریقہ سے پکایا ہے کہ البتہ رازی کے ہاں جو دیگچیاں ہیں وہ سونے اور چاندی کی ہیں، اس سے اس کو خیال ہوا کہ کھانوں میں یہ ذائقہ ان ہی دیگچیوں کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، اور رازی کو کیمیا سازی کا علم حاصل ہے، اس غرض سے اس نے رازی کو طلب کیا، اور اس نے خواہش کی کہ کیمیا سازی کا علم اس کو بھی سکھا دے، لیکن رازی نے اس علم کے جاننے سے انکار کیا، تو اس نے مخفی طور پر اس کو پھانسی دے دی[1]، لیکن اس روایت کی تصدیق اور کسی تذکرہ نویس نے نہیں کی ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کو رازی کے مخالفین نے بنایا ہے۔

اگرچہ رازی نے یقینی طور پر رے میں وفات پائی ہے، اور وہیں دفن ہوا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟

اہل وعیال

رازی کے اہل وعیال کا ذکر ہمارے تذکروں نویسوں نے بالکل نہیں کیا ہے۔ البتہ رازی کے مخالفین میں ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود کعبی بلخی کے ایک طنزیہ فقرے سے جس کو ہم آگے چل کر نقل کریں گے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نکاح کیا تھا[2]، لیکن اس کی کسی اولاد کے نام کا پتہ نہیں چلتا، البتہ رازی نے اپنی وفات کے بعد ایک بہن چھوڑی تھی جس کا ذکر طبقات الاطبا میں ایک ضمنی موقع پر کیا گیا ہے[3]

---

[1] طبقات الاطبار جلد اول ص ۳۱۲، ۳۱۴ [2] مختصر الدولہ صفحہ ۲۷۵ [3] طبقات الاطبار جلد اول صفحہ ۳۱۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاق وعادات اور عام حالات

بحیثیت ایک طبیب کے رازی کو جن اخلاقی اوصاف سے متصف ہونا چاہیئے تھا۔ وہ ان سے متصف تھا، فہرست ابن ندیم میں ہے کہ وہ فیاض تھا، لوگوں کے ساتھ سلوک کرتا تھا، محتاجوں اور مریضوں کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آتا تھا، یہاں تک کہ ان کو بڑے بڑے وظائف دیتا تھا، اور ان کی تیمارداری کرتا تھا[1]

رازی کے متعلق اگرچہ تمام تذکرہ نویس متفق اللفظ ہیں کہ وہ علم کیمیا سے واقف تھا یہاں تک کہ وہ خود کہا کرتا تھا کہ جو شخص فن کیمیا سے واقف نہیں ہے میں اس کو فلسفی کا خطاب نہیں دے سکتا، کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں کی دریوزہ گری سے بے نیاز ہو جائے گا اور ان کا محتاج نہ ہوگا[2] تاہم اس کے مخالفین کے طعنوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نہایت فقر و فاقہ اور عسرت کی زندگی بسر کی ہے، چنانچہ اس کا مخالف کبھی اس کو طعنہ دیتا ہے کہ "تم تین علم کا دعویٰ رکھتے ہو، ایک کیمیا کا، حالانکہ تم اس سے بالکل ناواقف ہو، اور تم کو تمہاری بی بی نے دعویٰ کر کے دس درہم کے بدلے میں قید کرا دیا، اور تم مہر کی یہ رقم بھی نہ دے سکے، دوسرے طب کا، حالانکہ تم نے اپنی آنکھوں کو ضائع ہونے دیا، تیسرے نجوم کا، حالانکہ تم ایسی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے جن کا تم کو کچھ علم نہ ہو سکا[3]" لیکن اگر ان مخالفانہ طعنوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ان سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ہمیشہ فقر و فاقہ میں مبتلا رہا ہے۔ اس کی زندگی کے مختلف دور ہیں، ممکن ہے کہ وہ کسی زمانہ میں اس قدر مفلس ہو گیا ہو کہ اپنی بی بی کا معمولی مہر بھی نہ ادا کر سکا ہو لیکن مختلف امراء اور امراء کے ساتھ اس کے تعلقات رہے ہیں اور رے وغیرہ میں اس نے نہایت اعزاز کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ وہ رے اور بغداد کے شفاخانوں کا مدتوں افسر رہ چکا ہے،

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۴۱۶ [2] طبقات الاطباء جلد اول ص ۳۱۴ [3] مختصر الدول ص ۲۷۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممکن ہے کہ ایسا شخص بہت زیادہ دولت مند نہ ہو، تاہم اس کو بالکل مفلس و قلاش بھی نہیں کہا جا سکتا، ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ وہ محتاجوں اور مریضوں پر نہایت لطف و کرم کرتا تھا، اور ان کو مالی مدد دیتا تھا، جس سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ وہ مفلس و قلاش نہ تھا، چنانچہ کبھی کا پہلا طعنہ یہ تھا کہ وہ اپنی بی بی کے مہر کے دس ۱۰ درہم بھی ادا نہ کر سکا اور قید کی ذلت برداشت کر لی، اور ابوالفرج ملطی نے مختصر الدول میں اس کا یہی جواب دیا ہے کہ فقرا کے ساتھ اس کے حسن سلوک سے اس کی تردید ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ دوسرے طعنے بھی اس کے حاسدوں نے حسد کی وجہ سے دیئے ہوں۔

ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے لکھا ہے کہ وہ غالباً اپنے دوستوں سے چندہ کر کے غریب مریضوں کی مالی مدد کیا کرتا تھا[1]، لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

مذہب

رازی کے مذہب اور عقیدہ کا حال معلوم نہیں، البتہ وہ ارسطو کے فلسفہ کا سخت مخالف اور فیثا غورث اور ثالیس ملطی کے فلسفۂ طبعی کا سخت حامی تھا، اور اس کی تائید میں کتابیں لکھی تھیں[2]۔

ان دونوں میں ثالیس ملطی پہلا شخص ہے جس نے خدا کے وجود کا انکار کیا[3]، اور فیثا غورث معاد یعنی ایک عالم روحانی کا قائل تھا، جس سے ہر انسان اخلاقی برائیوں سے پاک ہو کر تعلق پیدا کر سکتا ہے[4]، بہر حال رازی ایک طبیعی فلاسفر تھا اور صرف مادیات سے بحث کرتا تھا، الٰہیات کے متعلق اس کی رائیں صحیح نہ تھیں، چنانچہ قفطی نے لکھا ہے کہ رازی کی زیادہ تر کتابیں طب میں ہیں، اور بقیہ طبعیات اور الٰہیات کے متعلق قسم کے علوم میں، لیکن اس نے علم الٰہی میں کمال نہیں پیدا کیا اور اس کا انتہائی مقصد نہیں سمجھا، اس لیے اس کی رائے میں اضطراب پیدا ہوا، اس نے کمزور رائیوں کی تقلید کی اور

۱؎ رسالہ ڈاکٹر محمود نجم آبادی ص ۹۱ ۲؎ اخبار الحکماء قفطی ص ۱۷۱ ۳؎ ایضاً ص ۷۵،

۴؎ اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۷۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہایت خبیث مذاہب اختیار کیے، اور ایسی قوم کی برائی کی جن کا مطلب اس نے نہیں سمجھا[1]، لیکن ہم کو تفصیل کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے مذہبی خیالات پر ان حکمائے طبعین کا کیا اثر پڑا؟ اور اس نے الٰہیات کے متعلق جو رائیں اختیار کیں وہ کیا تھیں؟ البتہ صلاح الدین صفدی نے نکت الہمیان میں لکھا ہے کہ دمشق میں مجھ کو رازی کے دو شعروں کا علم ہوا جو یہ ہیں:۔

لعمری وما ادری وقد اذن البلی　　بعاجل ترحالی الی این ترحالی

بڑھاپے نے یہ خبر تو دے دی ہے کہ مجھے جلد سفر کرنا ہوگا، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ مجھے کہاں کا سفر کرنا ہوگا،

واین محل الروح بعد خروجه　　من الھیکل المنحل والجسد البالی

اور فرسودہ اور بوسیدہ جسم سے نکل کر روح کا مقام کہاں ہوگا،

اور میں نے اسی وزن اور قافیے میں اس کی تردید کر دی،

الی جنۃ الماوی اذا کنت خیرا　　تخلد فیھا ناعم الجسم والبالی

اگر تم نیک ہو تو جنت الماویٰ میں ہمیشہ خوش و خرم رہو گے،

فان کنت شریرا ولم تلق رحمۃ　　من اللہ فالنیران انت لھا صالی[2]

اور اگر تم برے ہو اور خدا نے تم پر رحم نہیں کیا ہے تو دوزخ میں جلو گے،

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رازی معاد کا منکر تھا، یا کم از کم اس کو اس میں شک تھا، لیکن اس کی تصنیفات کی فہرست سے جہاں تک اس کے عقائد کا پتہ چل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خدا کے وجود اور حشر و نشر کا قائل تھا، چنانچہ اس نے ایک کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ علم و تشریح اور علم منافع الاعضاء کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش محض بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس کو ایک خالق حکیم نے پیدا کیا ہے[3]۔ ایک کتاب معاد کے ثبوت میں لکھی ہے اور جو لوگ معاد کے قائل نہیں ہیں، ان کی تردید کی ہے[4]۔ اس کا قول ہے کہ طبیب کو معتدل حالت میں

---

[1] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۷۸ [2] نکت الہمیان صفحہ ۲۵۰ [3] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۵ [4] ایضاً صفحہ ۳۲۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہنا چاہیئے، نہ بالکل دنیا کی طرف متوجہ ہو، نہ بالکل آخرت سے غافل ہو۔[1]

رازی کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام ملتا ہے جس میں اس نے اولیاء کے عیوب ظاہر کیے ہیں، لیکن علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ممکن ہے رازی کے بعض دشمنوں نے یہ کتاب لکھ کر رازی کی طرف منسوب کردی ہو تاکہ لوگ اس کتاب کو دیکھیں یا سنیں ان کے دلوں میں رازی کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو، ورنہ رازی کی شان اس سے بالاتر ہے کہ وہ اس قسم کی کتاب لکھے یہاں تک کہ بعض لوگ جو رازی کی برائی بیان کرتے ہیں، بلکہ اس کی تکفیر کرتے ہیں، مثلاً علی بن رضوان مصری وغیرہ وہ رازی کی اس کتاب کا نام مخاریق الانبیاء بتلاتے ہیں۔[2]

معاصرین

طبی خدمات کی وجہ سے رازی کے تعلقات اس کے معاصر امراء و سلاطین کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے اور اس نے متعدد امراء و سلاطین کے نام پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً اس نے منصور بن اسحاق بن احمد بن اسد کے نام پر کتاب منصوری لکھی، جو ۲۹۰ھ سے لے کر ۲۹۶ھ تک رے کا حاکم تھا، فہرست ابن ندیم میں لکھا ہے کہ رازی اور منصور بن اسمٰعیل میں دوستی تھی، اور اس نے اس کے لیے کتاب منصوری لکھی، اگرچہ ابن ندیم نے منصور کے نسب میں غلطی سے اسمٰعیل کا نام داخل کردیا ہے تاہم اس میں شبہ نہیں کہ منصور سے رازی کے تعلقات دوستانہ تھے اور ان ہی دوستانہ تعلقات کی بنا پر اس نے یہ کتاب اس کے نام پر لکھی تھی۔ اس کی کتاب ملوکی علی بن درہسوذان حاکم طبرستان کے نام پر لکھی گئی۔[3] اس نے فصد کی فضیلت پر ایک کتاب امیر ابی علی احمد بن اسمٰعیل بن احمد کے لیے، اور کتاب برء الساعۃ مقتدر کے وزیر ابوالقاسم بن عبداللہ کے لیے تالیف کی، ایک رسالہ مقتدر کے وزیر ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح کے لیے، اور ایک

---

[1] ایضاً صفحہ ۳۱۵ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۰ [3] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۳۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقالہ امیر ابوالعباس احمد بن علی کے لیے لکھا۔[1]

رازی کے معاصرین میں صاحب بن عباد کے استاد ابن العمید کے تعلقات رازی کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے، چنانچہ طب میں رازی کی ایک نہایت مشہور کتاب حاوی ہے اور رازی کی وفات کے بعد اس کا مسودہ اس کی بہن کے پاس غیر مرتب حالت میں تھا، ابن عمید نے اس سے یہ مسودہ نہایت گراں قیمت پر خریدا، اور رے میں رازی کے جس قدر شاگرد تھے سب کو جمع کر کے یہ مسودہ ان کے حوالے کیا، اور انہوں نے اس کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کیا۔[2]

لیکن اپنے معاصرین میں رازی کے تعلقات امراء و سلاطین کے ساتھ جس قدر خوشگوار تھے۔ اسی قدر اس زمانے کے حکماء و متکلمین کے ساتھ ناخوشگوار تھے، اس کے حریفوں میں ایک شخص ابوالحسن شہید بن حسین بلخی تھا، جس نے ایران میں اگرچہ صرف شاعرانہ حیثیت سے شہرت حاصل کی، چنانچہ عوفی نے لب الالباب (جلد ۲ صفحہ ۳) میں اس کا مفصل تذکرہ لکھا ہے، اور اس کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں، لیکن درحقیقت وہ بہت بڑا فلسفی اور حکیم تھا، چنانچہ حواشی چہار مقالہ میں ہے:

حکمت او بر شعر غلبہ داشتہ است و لے درمیان فارسی زباناں فقط بشعر مشہور گشت و سائر فنونِ او کہ در حیات خود بدانہا معروف بودہ یعنی حکمت و فلسفہ در تحت الشعاع شعر مستور ماندہ است و حال او دریں باب شبیہ است بحال عمر خیام۔[3]

اور اسی فلسفیانہ اور حکیمانہ حیثیت سے اس میں اور رازی میں بہت سے مناظرے ہوئے اور ہر ایک نے دوسرے کے رد میں کتابیں لکھیں۔[4]

رازی کا ایک حریف ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود کعبی بلخی تھا، جو اپنے زمانے کا بہت بڑا معتزلی متکلم اور مناظر تھا، رازی نے علم الٰہی میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کے دوسرے مقالے پر کعبی

---

[1] ایضاً صفحہ ۲۲۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۱۴ [3] حواشی چہار مقالہ صفحہ ۱۲۷ [4] فہرست ابن ندیم صفحہ ۴۱۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اعتراضات کیے اور رازی نے ان کا رد لکھا، اور اس سلسلے میں دونوں کے درمیان بہت کچھ رد و قدح ہوئی۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ ان مناظروں نے مجادلے کی صورت اختیار کرلی، اور کعبی نے رازی پر متعدد ذاتی حملے کیے۔

رازی کے معاصرین میں ایک فلسفی احمد بن طیب سرخسی تھا جس نے ۲۸۶ھ میں وفات پائی، رازی نے اس کی بھی ایک کتاب کا رد کتاب لکھا ہے، ایک اور معتزلی متکلم محمد بن شداد بن عیسیٰ مسمعی تھا، جس نے اصحاب ہیولیٰ کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کی تردید رازی نے کی،[2] غرض رازی ایک خاموش فلسفی اور خاموش طبیب نہ تھا، بلکہ اس کی طبیعت مناظرہ پسند واقع ہوئی تھی، اور اس کے ساتھ وہ چند خاص علوم اور چند خاص مسائل کا حامی تھا، اس لیے وہ اپنے معاصرین کے علاوہ اپنے زمانے سے پیشتر کے لوگوں پر بھی رد و قدح کیا کرتا تھا، مثلاً جاحظ نے نفس فن طب کی تردید میں جو کتاب لکھی تھی، رازی نے اس کا رد لکھا، جاحظ نے علم کلام کی فضیلت میں ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں فلاسفہ پر حملے کیے تھے، رازی نے اس کی بھی تردید کی۔[3]

رازی کے بعد لوگوں نے بھی اس کے مسائل پر اعتراضات کیے ہیں، چنانچہ حکیم ناصر خسرو نے زاد المسافرین میں اس کے متعدد مسائل پر رد و قدح کی ہے۔

علوم و فنون

رازی نے علمی حیثیت سے کیمیا، فلسفہ، طبعیات اور طب میں شہرت حاصل کی، اور ان ہی علوم میں کتابیں لکھیں، رازی کو اپنے پیشہ کے لحاظ سے

کیمیا

کیمیا سے ایک قدرتی مناسبت تھی، کیونکہ وہ ابتداء میں زرگر یا صراف تھا، اور غالباً اسی

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول ص ۳۱۷ [2] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۷ [3] ایضاً صفحہ ۳۱۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مناسبت سے اس نے سب سے پہلے کیمیا کی طرف توجہ کی، اور بعض حکایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کو کامیابی بھی حاصل ہوئی، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ رازی نے چند رومیوں کے ہاتھ سونے کے چند ڈلے فروخت کیے تھے جن کو وہ اپنے ساتھ لے گئے، لیکن ایک مدت کے بعد جب ان کا رنگ بدلنے لگا اور ان کا کھوٹ ظاہر ہوا تو وہ رازی کے پاس ان کے واپس کرنے کے لیے آئے، اور رازی کو مجبوراً واپس کرنا پڑا۔[1]

ایک اور حکایت سے جس کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں، ثابت ہوتا ہے کہ رازی کو کیمیا سازی میں اس قدر کامیابی حاصل ہو چکی تھی کہ اس کے گھر میں سونے چاندی کی دیگچیوں میں کھانا پکایا جاتا تھا۔[2] لیکن ڈاکٹر محمود نجم آبادی ان روایتوں کو صحیح نہیں سمجھتے، اور ان کا خیال ہے کہ رازی کے حاسدوں اور دشمنوں نے اس قسم کے افسانے بنائے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خالد بن یزید بن معاویہ کے زمانے سے کیمیا سازی نے ایک علمی موضوع کی حیثیت اختیار کر لی تھی، اور اس نے اس فن کی کتابوں کے ترجمے کرائے تھے، اور خود اس موضوع پر متعدد رسالے لکھے تھے، اس کے بعد یعقوب کندی نے کیمیا سازی کی تردید میں چند رسالے لکھے اور یہ ثابت کیا کہ جو لوگ سونے چاندی کے بنانے کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ محض دھوکا دیتے ہیں[1] لیکن اس کے برخلاف رازی نے یہ دعویٰ کیا کہ کیمیا سازی ناممکن ہونے سے زیادہ ممکن ہے، اور اس پر ایک کتاب لکھی، جس میں اس دعویٰ کو ثابت کیا، اس کے علاوہ اس نے فن کیمیا سازی میں اور بہت سی کتابیں لکھیں، لیکن ان کی نسبت جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کی طرح رازی کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ دوسری دھاتوں سے سونا بنایا جا سکتا ہے، بلکہ اس زمانے کے لوگوں کے عقیدہ کے موافق وہ اس فن میں کتابیں لکھتا تھا، اور ان سے مالی فائدہ حاصل کرتا تھا۔[3]

---

[1] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۳۱۳، ۳۱۴ [2] ایضاً صفحہ ۳۱۲، ۳۱۴ [3] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جلد ۲ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن خلکان کی اس روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ رازی نے منصور ابن اسحاق کے لیے کیمیا کے اثبات میں ایک کتاب لکھی اور منصور نے اس کے صلے میں اس کو ہزار دینار دیئے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ جو کچھ تم نے اس کتاب میں لکھا ہے۔ اس کو عملی صورت میں دکھا دو' رازی اس پر قادر نہ ہوسکا، تو اس کو کوڑے لگوائے اور کتاب اس کے سر پر پٹکوا دی جس کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا، ممکن ہے کہ اس روایت کے تمام جزئیات صحیح نہ ہوں، تاہم اس قدر تسلیم کرلینے میں کوئی ہرج نہیں ہے کہ رازی صلے حاصل کرنے کے لیے امراء و سلاطین کے لیے فن کیمیا میں کتابیں لکھا کرتا تھا۔ ڈاکٹر محمود نجم آبادی اگرچہ اس روایت کو جعلی قرار دیتے ہیں تاہم وہ بھی اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ

واگر ہم موضوعے داشتہ باشد بدیں تفصیل و شاخ و برگ نیست

لیکن اگر اس سے قطع نظر کرلی جائے تو فن کیمیا بجائے خود ایک اہم فن ہے، اور طب اور طبعیات سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے، اس لیے ممکن ہے کہ رازی نے اس حیثیت سے بھی کیمیا کی طرف توجہ کی ہو' جرجی زیدان نے اس کے بہت سے کیمیاوی اکتشافات کا ذکر کیا ہے، جس کا وہ موجد ہے۔

فلسفہ و طبعیات

فلسفہ و طبعیات میں وہ اپنے زمانے کے عام میلان کے خلاف ارسطو کا سخت مخالف تھا چنانچہ قفطی نے اخبار الحکماء میں لکھا ہے۔

کان شدید الانحراف عن	وہ بوجہ ایک ضعیف رائے کے
ارسطوطالیس لرای ضعیف	ارسطو کا سخت مخالف تھا،
کان یراہ	

اس پر اس نے نیثاغورث اور تالیس ملطی کے فلسفہ طبعی کی طرف توجہ کی جو ارسطو سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے گزر چکے تھے، اور ارسطو سے سو سال بیشتر تک یونان میں یہی فلسفہ رائج تھا، اگرچہ اس قدیم فلسفہ کی بنیاد مستحکم نہ ہو سکی، تاہم متاخرین میں بہت سے لوگوں نے فیثاغورث کے فلسفہ پر کتابیں لکھیں اور قدیم فلسفۂ طبعی کی حمایت کی اور ان ہی میں ایک رازی بھی تھا۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ اس فلسفۂ طبعی میں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ تغیرات پیدا ہوتے رہے اس کا بانی اوّل ثالیس ملطی خدا کے وجود کا بالکل منکر اور قدم عالم کا قائل تھا، اس لیے اس کے متبعین زندیق اور دہری کہے جاتے تھے۔

حکمائے طبعین کا دوسرا فرقہ وہ تھا جو اگرچہ صرف مادہ کے فعل و انفعال اور ان کے آثار و نتائج سے بحث کرتا تھا، تاہم نباتات، حیوانات اور اعضاء کی ترکیب، خواص اور تشریح میں ان کو جو حیرت انگیز کرشمے نظر آتے تھے، ان کی بنا پر وہ خدا کے وجود، قدرت، اختیار، علم و ارادہ کے قائل تھے، یہ فرقہ حران اور بصرہ میں پیدا ہوا اور اس نے اپنی ابتدائی فلسفیانہ بحث مادیات اور محسوسات تک محدود رکھی، اس کے بعد ترقی کر کے ان آثار و نتائج سے بحث کی جو مادی چیزیں عالم حس میں پیدا کرتی ہیں۔ اس سے بھی آگے ترقی کر کے اس نے نفس، روح اور قوتِ الٰہیہ سے بحث کی اور خدا کو خالق، حکیم اور مخلوقات کی علتِ اولیٰ تسلیم کیا، اور رازی ان ہی ترقی یافتہ حکمائے طبعین میں شامل تھا، لیکن اس کے ساتھ رازی نے ثالیس ملطی کی تقلید میں عالم کو قدیم تسلیم کیا اور ہیولیٰ کی قدامت کا قائل ہوا، چنانچہ حکیم ناصر خسرو نے زاد المسافرین میں قدامتِ ہیولیٰ پر اس کے دلائل نقل کر کے لکھا ہے۔

این (جملہ) قول (ایں) فیلسوف است اندر قدامت ہیولیٰ۔[2]

اور نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی تردید کی ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ ثالیس ملطی کی طرح خدا کے وجود کا منکر نہ تھا، البتہ وہ حکمائے حران کی متابعت میں خدا کے ساتھ روح، مادہ، مکانِ مطلق

---

[1] اخبار الحکماء صفحہ ۱۷۱ [2] زاد المسافرین صفحہ ۷۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور زمانِ مطلق کو بھی قدیم مانتا تھا، چنانچہ دوبوئر تاریخ فلسفۂ اسلام میں لکھتا ہے:

رازی کی مافوق الطبیعیات کا مرکز وہ پرانے نظریات ہیں، جنہیں اس کے ہمعصر انکساغورس، اینڈقلیس، مانی وغیرہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس کے نظام کی چوٹی پر پانچ اصول ہیں جو مساوی حد تک قدیم اصول ہیں، خالق، عالمگیر روح، مادۂ اولیٰ، مکان مطلق اور زمان مطلق[1]

اس بنا پر اس کا فلسفہ اسلام اور دہریت دونوں کے مخالف تھا، چنانچہ دوبوئر لکھتا ہے:

رازی کو دو فریقوں سے مناظرہ کرنا پڑا، وہ ایک طرف تو اسلامی توحید سے دست و گریبان تھا، جو کسی قدیم روح، مادہ یا مکان کی روادار نہیں، اور دوسری طرف دہریہ نظام سے برسرپیکار تھا، جو کسی خالق عالم کو نہیں مانتا"[2]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود خدا کے اعتراف کے وہ حکمائے اسلام کو بھی خوش نہ کرسکا، چنانچہ حکیم ناصر خسرو نے اس کے ان مسائل کی سختی کے ساتھ تردید کی اور ان مسائل کی بنا پر اس کو ملحد قرار دیا، چنانچہ لکھتا ہے:

آں کس کہ مر زمان را جوہر گوید مر خدائے را محدث گفتہ باشد و ہمہ تحیر (مر) محمد زکریا کہ چناں سخن (ملحدانہ) گفتہ است[3]"

لیکن مذہبی حیثیت کو چھوڑ کر تاریخی حیثیت سے رازی کا فلسفہ الٰہی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، اور وہ یہ کہ سکندر یونانی کے حملہ ایران سے پہلے ایرانیوں نے علوم و فنون بالخصوص فلسفہ و حکمت میں نہایت ترقی کرلی تھی، اور وہاں بکثرت حکما پیدا ہوگئے تھے، لیکن سکندر نے ان تمام علماء و حکما کو قتل کرا دیا، اور ایران کے تمام علمی ذخیرے برباد کردیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے جب فلسفہ و حکمت کی کتابوں کے ترجمے کی طرف توجہ کی تو ان کو ایرانیوں کے فلسفہ حکمت

---

[1] تاریخ فلسفۂ اسلام صفحہ ۵۶ [2] ایضاً صفحہ ۵۷ [3] زاد المسافرین صفحہ ۱۱۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کتابیں نہ مل سکیں، اور انہوں نے زیادہ تر یونانی فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے کیے، لیکن بااین ہمہ ایرانی فلسفہ کا ایک حصہ مذہبی شکل میں محفوظ تھا، اور حکیم ایرانشہری نے جس کے حالات بالکل معلوم نہیں ہوتے، ان فلسفیانہ خیالات کی تشریح مذہبی رنگ میں کی تھی، رازی نے ارسطو کے فلسفے کو چھوڑ کر اپنے وطنی فلسفے کی طرف توجہ کی اور فلسفیانہ مسائل اسی حکیم سے اخذ کیے، چنانچہ ناصر خسرو نے زاد المسافرین میں متعدد مواقع پر اس کی تشریح کی ہے، ایک جگہ لکھتا ہے:

"اصحاب ہیولی چوں ایران شہری و محمد زکریائے رازی وجز (از) ایشان گفتند کہ ہیولی جوہرے قدیم است و محمد زکریا پنج قدیم ثابت کردہ (است) یکے ہیولی و دیگر زمان، و سہ دیگر مکان و چہارم نفس و پنجم باری سبحانہ و تعالیٰ۔"[1]

دوسری جگہ لکھتا ہے:

"ایں جملہ کہ یاد کردیم قول آں گروہ است کہ مر مکان را قدیم گفتند چوں حکیم ایران شہری کہ مر معنیہائے فلسفی را بالفاظ دینی عبارت کردہ است اندر کتاب جلیل و کتاب اثیر وجز آں، مردم را بر دین حق و شناخت توحید بعث کردہ است و پس از چوں محمد زکریای کہ مر قولہائے ایران شہری را بالفاظ زشت ملحدانہ باز گفتہ است، و معنیہائے اوستاد و مقدم خویش را اندر ایں معانی بعبارتہائے وحش و مستنکر بگذاردہ است، تا کسانے را کہ کتب حکما را نخواندہ باشد ظن او فتد کہ ایں معانی خود استخراج کردہ است و آنان قولہائے نیکو کہ ایران شہری گفتہ است و دلیل بر درستی ایں قول آں آوردہ است کہ قدرت خدائے آں باشد کہ مقدرات اندر او باشد و مقدرات ایں اجسام مصور است کہ اندر مکان است و چوں اجسام مصور کہ مقدورات است از مکان بیرون نیستند درست شد کہ خلا

---

[1] زاد المسافرین صفحہ ۷۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی مکان مطلق قدرت خدایست قدرتے ظاہر کہ ہمہ مقدورات اندرادیند وزشت کردن محمد زکریا مرایں قول نیکو را نہ چناں است کہ گفت است قدیم پنج است کہ ہمیشہ بودند ہمیشہ باشند یکے خدائے ودیگر نفس وسہ دیگر ہیولی وچہارم مکان وپنجم زمان ورزشتگوئے تر ازاں اکہ اباشد کہ مرخالق را با مخلوق اندریک جنس شمرو۔[۱]

بہر حال الٰہیات میں رازی خالص ایرانی فلسفہ کا جو مذہبی شکل میں موجود تھا متبع تھا اور اسی بنا پر اس نے ارسطو کے فلسفہ کی مخالفت کی تھی، چنانچہ ابن صاعد اندلسی طبقات الامم میں لکھتے ہیں کہ" وہ ارسطو کا سخت مخالف تھا، اور اس کا خیال تھا کہ ارسطو نے فلسفہ کو بالکل خراب کردیا اور اس کے بہت سے اصول بدل دیے، اس مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ رازی نے اپنی کتاب علم الٰہی اور طب روحانی وغیرہ میں ارسطو کی جو تردید کی ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شرک کے متعلق ثنویہ کی اور ابطال نبوت میں براہمہ کی اور تناسخ کے بارے میں صابیہ کی رایوں کو پسند کرتا تھا۔"[۲] فیثا غورث، ثالیس ملطی اور یونان اور مصر کے صابیہ کا غالباً یہی فلسفہ تھا، یا کم از کم اس فلسفہ سے ملتا جلتا تھا، اس لیے رازی نے ارسطو کو چھوڑ کر ان ہی قدیم حکمار کا فلسفیانہ مذہب اختیار کیا، لیکن افسوس ہے کہ رازی کی فلسفیانہ کتابیں موجود نہیں ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر اس کے فلسفیانہ مسائل پر تنقید کی جاسکے، البتہ ان مسائل میں ایک خاص مسئلہ لذت والم کا ہے، جس کے متعلق رازی نے جمہور کے خلاف ایک خاص مجتہدانہ روش اختیار کی ہے اور حکیم ناصر خسرو نے زاد المسافرین میں اور امام رازی نے مباحث مشرقیہ اور شرح اشارات میں اس پر خصوصیت کے ساتھ تنقید کی ہے۔

رازی نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) لذت والم ایک محسوس چیز ہیں، اس لیے طبعی حالت میں نہ لذت ہوتی نہ الم کیونکہ

---

[۱] زاد المسافرین صفحہ ۹۸ [۲] طبقات الامم صفحہ ۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبعی حالت محسوس نہیں ہوتی۔

(۲) اب اگر کوئی مؤثر انسان یا حیوان کو طبعی حالت سے نکال دیتا ہے تو اس سے رنج والم پیدا ہوتا ہے، اور جب ان کو طبعی حالت کی طرف واپس لاتا ہے تو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔

(۳) نتیجہ یہ نکلا کہ جب تک کوئی انسان یا حیوان طبعی حالت سے نکل کر رنج والم میں مبتلا نہ ہو جائے تو طبعی حالت کی طرف واپس نہیں آسکتا، اس لیے لذت کے معنی صرف رنج کے بعد راحت پانے کے ہیں۔

(۴) دو متضاد چیزوں کا اثر ایک دوسرے کے بعد اُس وقت تک موجبِ لذت ہوتا ہے جب پہلی چیز کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے، اور اثر پذیر اپنی طبعی حالت کی طرف واپس آجاتا ہے، اب اگر یہ لذت بخش اثر خود قائم ہو جاتا ہے تو وہ موجب رنج والم ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ دوسری جانب سے اثر پذیر کو اپنی طبعی حالت سے نکالتا ہے! اور طبعی حالت سے نکلنے ہی کا نام رنج والم ہے۔

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ لذت کا استمرار و دوام موجب رنج والم ہے۔

ان مقدمات کو وہ ایک محسوس مثال سے اس طرح ثابت کرتا ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص ایسے مکان میں مقیم ہے جو نہ گرم ہے اور نہ سرد، یہ ایک طبعی حالت ہے، جو لذت والم اور رنج و راحت کے احساس سے بالکل خالی ہے، اس کے بعد اگر وہ مکان دفعۃً گرم ہو جائے تو اس شخص کو گرمی کی تکلیف محسوس ہونے لگے گی، پھر اگر آہستہ آہستہ سرد ہوا چلنے لگے تو اس کو لذت محسوس ہونے لگے گی، کیونکہ ؟ محض اس لیے کہ وہ گرمی کی وجہ سے اپنی طبعی حالت سے نکل گیا تھا، اور اب اس سرد ہوا کے اثر سے دوبارہ اپنی طبعی حالت کی طرف واپس آ رہا ہے، لیکن یہ لذت صرف اسی وقت تک محسوس ہوگی جب تک وہ اپنی پہلی حالت کی طرف جو نہ گرم تھی نہ سرد واپس آجائے، لیکن اس کے بخلاف اگر خود یہ سردی مستقلاً قائم ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو یہ بھی موجب رنج و الم ہو جائے گی کیونکہ اس سے بھی انسان اپنی طبعی حالت سے نکل جائے گا، اب اگر اس کے بعد پھر اس گھر میں گرمی پیدا ہو جائے تو اس سے لذت حاصل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رنج کے بعد جو راحت نصیب ہوتی ہے اسی کا نام لذت ہے اور رنج طبعی حالت سے نکلنے کا نام ہے، اور خود طبعی حالت نہ موجب لذت ہوتی نہ موجب الم۔

اسی طرح جب انسان اپنی طبعی حالت سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے تو اس کو بہت زیادہ رنج و الم محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً جب انسان کو آہستہ آہستہ بھوک پیاس لگنا شروع ہوتی ہے تو اس کو بہت زیادہ تکلیف نہیں ہوتی، لیکن جب بھوک پیاس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور دفعۃً کھانا کھا لیتا ہے، اور پانی پی لیتا ہے، تو اس کو لذت ملتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آہستہ آہستہ طبعی حالت سے نکلنا تکلیف دہ نہیں ہوتا، البتہ دفعۃً طبعی حالت کی طرف واپس ہونا لذت بخش ہوتا ہے، اسی طرح طبعی حالت سے دفعۃً نکلنا موجب رنج و الم ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ طبعی حالت کی طرف واپس آنا لذت بخش نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ایک صحیح و تندرست شخص دفعۃً بیمار ہو جائے تو اس کو تکلیف ہوگی، لیکن آہستہ آہستہ صحت یاب ہونے میں اس کو لذت حاصل نہ ہوگی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ دفعۃً طبعی حالت سے نکل جانے کا نام رنج ہے اور دفعۃً طبعی حالت کی طرف واپس آنے کا نام لذت ہے۔ اس لیے کوئی لذت بغیر رنج کے حاصل نہیں ہوتی۔

رازی نے لذت و الم کی جو تشریح کی ہے وہ موجودہ علم النفس کے بالکل مطابق ہے۔ چنانچہ لیبان اپنی کتاب الآراء والمعتقدات (صفحہ ۱۷) میں لکھتا ہے:۔

> لذت و الم میں استمرار و دوام نہیں پایا جاتا۔ ان کی فطرت کا اقتضا ہی یہ ہے کہ وہ زود فنا ہوں۔ اس لیے اگر لذت ہمیشہ قائم رہے تو لذت باقی نہ رہے گی اور جب الم میں استمرار و دوام پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں کمی پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی الم کی کمی لذت بن جاتی ہے۔ اس بنا پر لذت اسی وقت تک لذت ہے جب تک اس میں استمرار و دوام نہ پیدا ہو اور لذت کا تصور اس وقت تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہو سکتا جب تک الم کے ساتھ اس کا لحاظ نہ کیا جائے، اور لذت ابدی کا وجود جیسا کہ بعض لوگوں کا قول ہے افلاطون کے بیان کے مطابق بے معنی بات ہے۔

معلوم نہیں رازی نے کن اسباب سے اس نظریہ کو اختیار کیا تھا، لیکن اس کا اثر جیسا کہ لیبان کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، عالم آخرت کی ابدی لذتوں پر پڑتا ہے، اور اس لحاظ سے وہ ایک ملحدانہ نظریہ بن جاتا ہے، چنانچہ حکیم ناصر خسرو زاد المسافرین میں لکھتا ہے:

واز بہر آنکہ اندر شناخت لذت مرنفس را پندا ریست دقوت یقین و دین وضعف شک والحاد اندر آن ست خواہیم کہ قول محمد زکریای رازی راکہ گفت اندر اثبات لذت (کہ لذت) چیزے نیست مگر زائل شدن رنج تا نخست رنج نباشد لذت نباشد بدیں قول روکنیم واز بہر آں گفتیم کہ اندر اثبات لذت قرت وین وضعف الحاد است کہ بنیاد دین حق برایجاب بہشت است مرمطیعان ونیکوکاراں راکہ آں معدن غایت لذت است وآنجا رنج نیست ونیز برالزام دوزخ است مرعاصیان وبدکرداراں راکہ آں مکان نہایت رنجہا است وآنجا ہیچ لذت نیست۔[1]"

اس بنا پر ناصر خسرو نے زاد المسافرین میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس نظریہ کی تردید کی ہے، اور رازی کے متعلق بعض موقعوں پر نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، اس نے اس کی تردید میں جو کچھ لکھا ہے اس کی اصولی بنیاد اس پر ہے کہ رازی کا نظریہ صرف قوتِ لامسہ کے متعلق صحیح ہے، بقیہ حواس مثلاً قوت باصرہ، قوت سامعہ، قوت شامہ اور قوتِ ذائقہ کے متعلق صحیح نہیں ہے، وہ لکھتا ہے کہ اس معاملہ میں رازی کی مثال ایک وحشی آدمی کی ہے جس نے کبھی میوہ نہیں دیکھا تھا، اتفاق سے اس کو ایک موقع پر انگور، خرما، انجیر،

---

[1] زاد المسافرین ص ۲۴۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادام، خربزہ اور اخروٹ مل گئے۔ اس نے اخروٹ کو چھلکے سمیت کھایا تو بدمزہ معلوم ہوا اور اس بنا پر اس نے یہ عام فیصلہ کر دیا کہ یہ سب میوے بدمزہ ہیں، حالانکہ یہ اس کا فیصلہ غلط ہے، لبعینہٖ اسی طرح رازی نے دیکھا کہ قوت لامسہ کے ذریعہ سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان سے پہلے رنج والم کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے اس نے قوتِ باصرہ، قوت سامعہ قوت شامہ اور قوت ذائقہ کو بھی غلطی سے اس میں شامل کر لیا۔

اس اصولی تردید کے بعد ناصر خسرو نے جزئی مثالوں سے رازی کے نظریہ کی تردید کی ہے۔ مثلاً رازی کہتا ہے کہ بدصورت لوگوں کے دیکھنے سے آدمی اپنی طبعی حالت سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد جب حسینوں کو دیکھتا ہے تو اپنی طبعی حالت کی طرف واپس آتا ہے اور حسن و جمال سے لذت اندوز ہونے کے یہی معنی ہیں، لیکن ناصر خسرو کہتا ہے کہ فرض کرو کہ ایک شخص ایسا ہے جس نے نہ کسی خوبصورت شخص کو دیکھا ہے نہ بدصورت شخص کو، بلکہ اپنی طبعی حالت میں ہے۔ اس کے بعد اگر وہ کسی خوبصورت شخص کو دیکھے تو اس کو رنج ہونا چاہیئے، کیونکہ وہ اپنی طبعی حالت سے نکل گیا ہے، پھر وہ اگر بدصورت شخص کو دیکھے تو اس کو لذت ملنی چاہیئے، کیونکہ وہ اپنی طبعی حالت کی طرف واپس آ گیا ہے، حالانکہ نتیجہ اس کے برعکس ہے۔ رازی کہتا ہے کہ سخت اور کریہہ آواز سے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لیے اس قسم کی آوازوں کے سننے کے بعد جب وہ راگ باجے کی لطیف آواز سنتا ہے، تو یہ تکلیف زائل ہو جاتی ہے اور اس کو لذت ملتی ہے، لیکن ناصر خسرو کہتا ہے کہ انسان کی طبعی حالت تو یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی آواز نہ سنے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص چنگ و رباب کی آواز سن لے وہ اپنی طبعی حالت سے نکل جائے گا، اور رازی کے اصول کے موافق اس کو رنج پہنچنا چاہیئے، حالانکہ اس کو لذت حاصل ہوتی ہے، اس کے بعد گدھے کی مکروہ آواز سے اس کو لذت ملنی چاہیئے، کیونکہ وہ اس سے اپنی طبعی حالت کی طرف واپس آجائے گا، حالانکہ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوتِ شامہ کا بھی یہی حال ہے۔ ایک شخص کا دماغ اگر خوشبو اور بدبو سے خالی ہے تو وہ اپنی طبعی حالت میں ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس کے کپڑوں میں عطر لگا دے تو وہ اپنی طبعی حالت سے نکل کر رازی کے اصول کے مطابق تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا، حالانکہ اس سے اس کو لطف حاصل ہوتا ہے، ایک شخص کے کام و دہن تلخ و شیریں ہر قسم کی لذت سے نا آشنا ہیں، اب اگر اس کو شہد کھلا دیا جائے تو وہ اپنی طبعی حالت سے نکل جائے گا، اور رازی کے اصول کے موافق اس کو تکلیف ہونی چاہیئے، حالانکہ اس کو اس سے لطف حاصل ہوتا ہے۔

قوتِ لامسہ میں بھی رازی کا اصول کلیۃً صحیح نہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص اتنی مدت تک برہنہ رہے کہ وہ اس کی طبعی حالت بن جائے، اس کے بعد اگر اس کو سمور کا ایک جبہ پہنا دیا جائے تو وہ اپنی طبعی حالت سے نکل جائے گا، اور رازی کے اصول کے مطابق اس کو تکلیف محسوس ہونی چاہیئے۔ حالانکہ اس کو اس سے لذت ملتی ہے۔

اس کے بعد ناصر خسرو نے لذت اور راحت میں فرق پیدا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لذت کے معنی یہ ہیں کہ جب آدمی اپنی طبعی حالت کو چھوڑ کر اس کو پاتا ہے تو اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، اور جب نہیں پاتا تو اس کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً بھوکا پیاسا آدمی جب کھانا اور پانی پاتا ہے تو اس کو لذت ملتی ہے اور جب نہیں پاتا تو اس کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن رنج کے بعد راحت حاصل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنی طبعی حالت کی طرف واپس آجائے اور اس کے بعد اس کو کچھ محسوس نہ ہو۔ مثلاً ایک تندرست آدمی جب بیمار ہو جاتا ہے تو اس کو تکلیف محسوس ہوتی ہے، لیکن جب اچھا ہو جاتا ہے تو اپنی طبعی حالت کی طرف واپس آجاتا ہے تو اس کو لذت یا رنج کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ بہرحال رازی کے نزدیک لذت ایک عدمی چیز یعنی کسی رنج کے ازالہ کا نام ہے اور ناصر خسرو اور دوسرے حکماء کے نزدیک وہ بذاتِ خود ایک مستقل اور وجودی چیز ہے، انسان حسین چیز کے دیکھنے سے اس لیے لطف نہیں حاصل ہوتا کہ وہ بدنما چیزوں کے دیکھنے سے تنگ آگیا تھا بلکہ اس لیے اس کا مادہ خود اس کی فطرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجود ہے، چنانچہ ناصر خسرو لکھتا ہے :

دنیز گفت کہ مردم از نگریستن (سوئے) زنے خوب روئے لذت بداں یابد کز دیدن مرد زن) از شت روے (درد) رنجور شدہ باشد، وایں سخنے سخت رکیک دبے معنی است از بہر آں کہ مردم را از نگریستن سوئے خوبرویاں نہ بداں لذت رسد کہ از کسے زشت روئے ستوہ شدہ باشد بلکہ نفس مردم مرا آں را یافتن ایں لذت جوہرے است ومردیگر جانوروں را با مردم اندریں لذت واندر لذت یافتن از سماع خوش وایقاعہائے بنظم وبرسخناں موزوں ابنا زے نیست۔"

جانوروں کے متعلق بھی یہ کلیہ صحیح نہیں ہے، بعض جانور مثلاً سانپ باجے کی آواز سے سخت متاثر ہوتے ہیں۔

امام رازی نے بھی مباحث مشرقیہ میں اس مسئلہ کے متعلق رازی پر تنقید کی ہے اور اس کی غلطی کا منشا بتایا ہے، لیکن بااین ہمہ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں رنج والم کا پہلو غالب ہے، اور لذت یا راحت زیادہ تر ان ہی رنج والم کے ازالہ کا نام ہے۔ اس لیے عام طور پر تو لذت اور راحت سلبی چیزیں ہیں، اگر عقلی حیثیت سے چند لذتیں ایسی نکلتی ہیں جو بغیر ازالہ رنج والم کے حاصل ہوتی ہیں تو ان کا وجود بہت کم ہے، چنانچہ شرح اشارات میں اس پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے ثابت ہوا کہ مخلوق کے حالات کا غالب حصہ یا الم ہے یا الم کا ازالہ ہے، باقی وہ لذت جو ازالہ الم کے علاوہ ایک وجودی کیفیت کا نام ہے وہ نادر صورتوں میں پائی جاتی ہے جس طرح دریا میں قطرہ پایا جاتا ہے۔

اس لیے عملی طور پر رازی کا مذہب صحیح اور دنیا کے عام حالات کے بالکل موافق ہے لیکن معلوم نہیں کہ رازی نے کن اسباب سے اس مذہب کو ایجاد کیا۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر انسان کے ذاتی حالات کا اثر پڑتا ہے، ممکن ہے کہ رازی ہمیشہ کوفت و رنج میں مبتلا رہا ہو، اس لیے اس نے اس مذہب کو اختیار کر لیا ہو یا یہ کہ وہ اس قدر عیش پسند ہو کہ تکلیف اٹھانے کے بعد لذت کا حاصل ہونا اس کے لیے ناگوار ہو اور وہ خالص اور بے میل لذت کا حاصل ہونا اس کے لیے ناگوار ہو اور وہ خالص اور بے میل لذت کا خواستگار ہو، دی بوئر تاریخ فلسفۂ اسلام میں اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عیش پرستی نے اسے یاس مشرب بنا دیا تھا کیونکہ اس کے نزدیک دنیا میں بدی نیکی سے زیادہ ہے، اور لذت الم کے نہ ہونے کا نام ہے۔"[1]

طب

فلسفیانہ حیثیت سے رازی جس قدر بدنام ہوا، طبی حیثیت سے اسی قدر شہرت حاصل کی۔ شیخ بوعلی سینا نے اس کے متعلق کہا تھا کہ" وہ ایک لغو آدمی ہے، اس کا کام صرف بول و براز کا دیکھنا ہے۔" شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ابن سینا نے بالکل صحیح کہا، کیونکہ معالجات طبیہ میں تو وہ ذرہ ذرہ کمال تک پہنچ گیا تھا، لیکن طب کے علاوہ اور علوم میں اس نے صرف لغو باتیں کہیں۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ" وہ علم طب میں اپنے وقت کا امام تھا اور اس زمانے میں اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا تھا، وہ فن طب میں کامل اور اس کے اصول و قواعد کا ماہر تھا، اور علم طب حاصل کرنے کے لیے لوگ اس کے پاس سفر کر کے آتے تھے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ" اس فن میں اسلام میں بھی ایسے ائمہ پیدا ہوئے جو

---

[1] تاریخ فلسفہ اسلام صفحہ ۵۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذرد ۂ کمال سے بھی آگے نکل گئے۔ مثلاً رازی، مجوسی اور ابن سینا[1]

علامہ ابن ابی اصیبعہ طبقات الاطباء میں لکھتے ہیں کہ "وہ فن طب کے مشکل مسائل پر ہمیشہ غور و فکر کرتا رہتا ہے، اور اس کے حقائق و اسرار کھولا کرتا تھا، اور اس میں اس قدر مشغول رہتا تھا کہ ہمہ وقت اجتہاد کرتا تھا، اور علماء نے اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس سے واقفیت پیدا کرتا رہتا تھا، اس نے خود اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ میرا ایک شریف دوست تھا، جو راتوں کو مجھ سے بقراط اور جالینوس کی کتابوں کے متعلق گفتگو کیا کرتا تھا رازی کو فن طب میں جو مہارت حاصل ہوئی، مریضوں کے علاج میں اس نے جو انفرادی شان پیدا کی ان کی حالات پر طبی پیشینگوئیوں سے اس نے جو استدلال کیا، دواؤں کے اوصاف و خواص کا جہاں تک اور اطباء کا علم نہ پہنچ سکا تھا اس نے جو تجربہ کیا، ان سب کے متعلق بہت سے تاریخی واقعات ہیں جو اس کی بہت سی کتابوں میں درج ہیں، اور ان سب کو اس نے اپنی کتاب حاوی کے ایک علیحدہ باب میں اور اپنی کتاب سر الطب میں بیان کر دیا ہے۔"

اس کے بعد رازی کی طبی مہارت کے متعلق انہوں نے دو حکایتیں نقل کی ہیں اور ان حکایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رازی کے متعلق اس قسم کی اور بہت سی حکایتیں ہیں اور ان کا بہت بڑا حصہ میں نے کتاب حکایات الاطباء میں بیان کر دیا ہے۔

رازی کی طبی مہارت کا خلاصہ صرف ایک فقرے میں بیان کیا جا سکتا ہے، جو بطور ضرب المثل کے مشہور ہو گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ "فن طب مردہ ہو گیا تھا، جالینوس نے اس کو زندہ کیا، وہ پراگندہ تھا رازی نے اس کو ایک شیرازے میں منسلک کیا، وہ ناقص تھا ابن سینا نے اس کی تکمیل کی۔" طب کے ان پراگندہ مسائل کا سب سے بڑا مجموعہ اس کی کتاب

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاوی ہے جس میں اس نے امراض اور ان کے طریقۂ علاج کے متعلق قدماء کی اور ان کے بعد اپنے زمانہ تک کے اطباء کی کتابوں میں جو کچھ تھا سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور ہر قول کو اس کے قائل کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمانوں میں طب کا سلسلہ اطبائے اسکندریہ کے ذریعہ سے پھیلا جن کو اسکندرانی کہتے ہیں، یہ سات طبیب تھے جنہوں نے اسکندریہ میں ایک طبی درس گاہ قائم کی تھی، اور صرف جالینوس کی ۱۶ کتابیں ان کے نصاب تعلیم میں داخل تھیں، جن کے آسانی سے یاد کرنے اور سمجھنے کے لیے انہوں نے اس کے خلاصے کر لیے تھے، اس کے بعد انہوں نے ان کتابوں کی شرح کی تھی۔ یحییٰ نحوی ان ہی اطباء میں شامل تھا، جو اسلام کے ابتدائی زمانہ تک زندہ رہا، لیکن ان اطباء کے علاوہ اور بھی بہت سے طبیب مثلاً شمعون، اہرن، یوحنا، انطلیس، ہرطلادس، سندہشار، تھلمان ابوجریج راہب اوراس، بومیوس البیرونی سیورخنا، فلاغوسوس، عیسیٰ بن قسطنطین سرجیں وغیرہ تھے، جو اطباء اسکندریہ کے معاصر یا ان کے زمانے سے قریب تھے، اور ان کی کتابیں اسلام کے زمانے تک موجود تھیں۔

رازی کا سب سے بڑا طبی کارنامہ جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے طب کے پراگندہ مسائل کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس نے صرف جالینوس کی ۱۶ متذکرہ کتابوں اور اطبائے اسکندریہ کی شرحوں پر قناعت نہیں کی بلکہ ان کے علاوہ ان کے معاصر اطباء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا، اور ان کے مطالب اپنی کتاب حاوی میں نقل کیے[1]۔

رازی کی وسعت نظر کے سلسلے میں یہ سوال نہایت اہم ہے کہ وہ یونانی اور سریانی زبان سے واقف تھا یا نہیں؟ اور اس نے اصل یونانی اور سریانی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا یا

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں؟ ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک رازی یونانی زبان سے واقف تھا، اور اس نے طب و کیمیا کی تعلیم خالص یونانی زبان سے حاصل کی تھی۔ اس کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام "کتاب فی استدراک ما بقی من کتب جالینوس الم یذکرہ حنین" ہے یعنی جالینوس کی ان بقیہ کتابوں پر اضافہ جن کا ذکر حنین نے نہیں کیا۔ حنین جالینوس کی طبی کتابوں کا بہت بڑا مترجم تھا، اور اس نے بڑی تلاش و جستجو سے جالینوس کی طبی کتابیں فراہم کی تھیں، اس لیے اگر رازی نے جالینوس کی اور کتابیں ڈھونڈھ نکالیں اور صرف ان کے ترجموں پر قناعت نہیں کی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود یونانی زبان جانتا تھا، اس نے یونانی پندار عظمت پر ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اور حاوی کی ساتویں فصل میں دواؤں کے وزن و پیمانہ اور اعضاء و امراض کے یونانی نام بتلائے ہیں، ایک کتاب میں یونان کے چند طبی لغات کی شرح ہے، ان تمام باتوں سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ یونانی زبان سے فی الجملہ واقف تھا۔[1]

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ جالینوس کا اصلی نام غالینوس تھا اس کے بعد لکھا ہے کہ ابوبکر محمد بن زکریا رازی نے کتاب الحاوی میں بیان کیا ہے کہ یونانی زبان میں جیم کو غین اور کاف سے بدل دیتے ہیں، مثلاً جالینوس کو غالینوس اور کالینوس کہتے ہیں۔[2] اس سے بھی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یونانی زبان جانتا تھا لیکن یہ سب قیاسات ہیں ورنہ خود رازی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یونانی اور سریانی زبان سے ناواقف تھا، چنانچہ وہ خود کتاب الجدری والحصبہ میں لکھتا ہے کہ

> جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جالینوس نے چیچک کا کوئی خاص علاج اور تسکین بخش سبب نہیں بتایا وہ صحیح کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اس نے ان کتابوں میں جن کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا اس کو بیان کیا ہو، لیکن جو لوگ سریانی اور یونانی زبانیں

---

[1] ڈاکٹر محمود نجم آبادی کا رسالہ صفحہ ۳۰۱ و ۳۰۲

[2] طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۷۸۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانتے تھے میں نے ان سے سوالات کئے تو وہ اس پر کچھ اضافہ نہ کر سکے، جس کو میں بیان کر چکا ہوں[1]"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سریانی اور یونانی زبانیں نہیں جانتا تھا۔ ورنہ اس کے متعلق سریانی زبان جاننے والوں سے سوال کرنے کے کیا معنی؟ لیکن طبی معلومات کے حاصل کرنے کے لیے سریانی اور یونانی زبانوں کے جاننے کی کوئی ضرورت نہ تھی، خود عربی زبان میں طبی تصنیفات و تراجم کا کافی ذخیرہ موجود تھا، اور رازی نے ان تمام تصنیفات و تراجم سے فائدہ اٹھایا، اور بحیثیت ایک طبیب کے اس کی شہرت اقصائے عالم میں پھیل گئی، اور دور دور لوگ اس سے مستفید ہونے کے لیے آنے لگے، یہاں تک کہ اس کی شہرت نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دیئے، وہ خود بیان کرتا ہے کہ میرے پاس چین کا ایک شخص آیا اور ایک سال تک مقیم رہا۔ اس مدت میں اس نے عربی زبان اور عربی خط سیکھا۔ یہاں تک کہ پانچ مہینے میں نہایت فصیح اور زود نویس ہو گیا۔ جب اس نے اپنے وطن کو واپس جانا چاہا تو ایک مہینہ پیشتر مجھ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ جالینوس کی سولہ ۱۶ کتابوں کا املا کرا دیجئے تاکہ میں ان کو لکھ لوں۔ میں نے کہا کہ وقت بہت کم ہے اور تم اپنے زمانۂ قیام میں اس کا تھوڑا سا حصہ بھی نہیں لکھ سکتے۔ اس نے کہا آپ سے جس قدر جلد ممکن ہو املا کرائیے، میں اس سے بھی زیادہ تیزی سے لکھتا جاؤں گا۔ میں نے اپنے بعض شاگردوں کو بھی اپنے ساتھ لیا اور جس قدر جلد ممکن ہوا سب مل کر املا کرانے لگے، اور وہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے لکھنے لگا، جب ہم نے مقابلہ کیا تو ہم نے اس کی تصدیق کی۔ میں نے اس کے متعلق اس سے سوال کیا تو اس نے کہا کہ ہمارے یہاں ایک خط ہے جس کو مجموع کہتے ہیں اور یہ وہی خط ہے جس کو آپ دیکھ

---

[1] کتاب الجدری صفحہ ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے ہیں، جب ہم کسی طویل تحریر کو تھوڑی سی مدت میں لکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس خط میں لکھتے ہیں، پھر اگر ضرورت ہوتی ہے تو اس کو معمولی خط میں نقل کر لیتے ہیں، لیکن ایک ذہین شخص بھی اس کو ۲۰ سال سے کم میں نہیں سیکھ سکتا۔[1]

یہ تو اقصائے مشرق کا حال تھا۔ موجودہ دور میں اہل مغرب نے بھی فن طب میں اس کی بلند پایگی کو تسلیم کیا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۳ء میں بہ مقام لندن بین الاقوامی کانگریس میں رازی کے سوانح اور کارناموں کے متعلق ایک خاص کانفرنس قائم ہوئی اور اس کا ذکر شاندار مدحیہ الفاظ میں کیا گیا۔

۱۹۳۰ء میں پیرس میں رازی کی ہزار سالہ برسی منائی گئی، جس میں ایک مضمون پڑھا گیا، جس کا عنوان تھا "عربی طب اور تاریخ میں اور فرانس کی طب پر اس کا اثر" اور اس مضمون میں رازی کو بہت بڑا طبیب تسلیم کیا۔

تصنیفات

رازی نہایت کثیر التصانیف تھا، اور ہمہ وقت تصنیف و تالیف کیا کرتا تھا، ایک شخص جو خود رے کا باشندہ تھا بیان ہے کہ وہ ہمیشہ لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔ میں جب جب اس کے یہاں گیا اس کو لکھتے ہی پایا، کبھی وہ مسودہ لکھتا تھا اور کبھی اس کو صاف کرتا تھا۔[2]

اس کی تصنیفات کی مفصل فہرست ابن ندیم، جمال الدین قفطی اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے درج کی ہے، اور بیرونی نے اس کی تصنیفات پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، لیکن ان سب نے اس کی تصنیفات کی تعداد مختلف بتائی ہے، ابن ندیم نے ان کی تعداد ۱۶۷، قفطی نے

---

[1] فہرست ابن ندیم ص ۲۵ [2] فہرست ابن ندیم ص ۴۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۷، ابن ابی اصیبعہ نے ۲۳۸، اور ابو ریحان بیرونی نے ۱۸۴ لکھی ہے۔ ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے رازی کی تصنیفات کا سب سے قدیم اور مستند ماخذ فہرست ابن ندیم کو قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ان کتابوں کی فہرست درج کی ہے، جن کے نام فہرست ابن ندیم کے علاوہ اور کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ رازی کی تصنیفات کا بیشتر حصہ طب میں ہے لیکن طب کے علاوہ اس نے فلسفہ، کیمیا، نجوم، ہیئت اور طبیعیات کے متعلق بھی کتابیں لکھی ہیں، بلکہ اس کی متعدد کتابیں عقائد میں بھی ہیں، ان میں بعض تو مستقل کتابیں ہیں، بعض مختصر رسالے ہیں اور بعض مقالے ہیں بعض کتابیں اس نے امراء وسلاطین کی فرمائش سے لکھی ہیں، بعض کتابوں کو امراء وسلاطین کے نام معنون کیا ہے، اور بعض کتابیں اپنے معاصرین بلکہ اپنے معاصرین سے پیشتر لوگوں کی تردید میں لکھی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ایسے کثیر التصانیف شخص کی تصنیفات کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا، فلسفہ، حکمت، نجوم، ہیئت، طبعیات اور عقائد کے متعلق اس نے جو کتابیں لکھی تھیں وہ تو سرے سے موجود ہی نہیں، طب کی چند کتابیں یورپ اور ایشیا کے کتب خانوں میں موجود ہیں، جن میں بعض کا ترجمہ یورپین زبانوں میں بھی ہو گیا ہے اور بعض چھپ بھی گئی ہیں، ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے اپنے رسالے میں ان کتابوں کی مفصل فہرست درج کی ہے اور ان کے متعلق تمام معلومات جمع کر دی ہیں۔ ہم اس موقع پر صرف ان کتابوں کے نام درج کرتے ہیں جن کا ترجمہ یورپین زبانوں میں ہوا ہے یا ان کے مطبوعہ یا قلمی نسخے موجود ہیں۔

حاوی:

یہ کتاب فن طب کی انسائیکلوپیڈیا ہے اور مدتوں اطبائے یورپ بالخصوص اٹلی کی طبی یونیورسٹی نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے، پہلی بار ۱۴۸۶ء میں پیروشیا میں اس کا ترجمہ لیٹن زبان میں ہوا، اور اس کے بعد پروشیا اور اٹلی میں ۱۵۰۹ء اور ۱۵۴۲ء میں یہ ترجمہ مکرر چھپا۔ اس کے متعدد قلمی نسخے برٹش میوزیم، کتب خانہ مورنخ، کتب خانہ کمبرج، کتب خانہ اسکوریال، کتب خانہ سلیم آغا (استانبول) کتب خانہ سرائے (استانبول) کتب خانہ سلیمانیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(استانبول) کتب خانہ شہید علی پاشا (استانبول) کتب خانہ موصل، کتب خانہ آستان قدس رضوی، کتب خانہ رامپور، کتب خانہ مدراس، کتب خانہ آقا حسین ملک (طہران) میں پائے جاتے ہیں۔

مورخین یورپ کا خیال ہے کہ رازی نے اس کتاب کی تصنیف میں ۱۵ سال صرف کیے ہیں، اور اس میں اپنے تمام طبی تجربے جمع کیے ہیں، لیکن اس کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ کتاب کے ختم ہونے سے پہلے مرگیا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اس کتاب کو مرتب نہ کرسکا بلکہ اس کا مسودہ پراگندہ حالت میں موجود تھا، اس کے مرنے کے بعد رکن الدولہ دیلمی کے وزیر ابوالفضل بن عمید نے اس کی بہن سے زرکثیر پر خریدا، اور اس کے شاگردوں کو جمع کرکے مرتب کروایا۔

اس پر تو تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ بہت بڑی کتاب اور طب کی انسائیکلوپیڈیا ہے، لیکن اس کی جلدوں کی تعداد میں اختلاف ہے، کسی نے اس کی جلدوں کی تعداد ۳۰، کسی نے ۲۰ اور کسی نے ۱۸ بتائی ہے، اسپین کے کتب خانہ اسکوریال میں اس کا جو قلمی نسخہ موجود ہے اس کی ستر جلدیں ہیں، اس وقت دنیا کے کتب خانوں میں اس کے جو نسخے موجود ہیں وہ باہم مختلف ہیں، اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ حاوی کا پہلا نسخہ جو مرتب ہوا ہے وہ کس کتب خانے میں موجود ہے، اور لیٹن زبان میں اس کا جو ترجمہ ہوا ہے وہ کس نسخے سے کیا گیا ہے؟ اور وہ نسخہ کس کتب خانے میں ہے؟

منصوری:

رازی نے یہ کتاب رے کے حاکم منصور بن اسحاق بن احمد بن اسد کے لیے لکھی ہے اور وہ قدیم زمانے میں بھی نہایت اہم کتاب سمجھی جاتی تھی، اور یورپ میں بھی اس نے نہایت اہمیت حاصل کی، چنانچہ اٹلی کی طبی درسگاہوں میں مدتوں یہ کتاب نصاب تعلیم میں داخل رہی، اور اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں، اور اس کے بہت سے ترجمے کیے گئے، سب سے مشہور ترجمہ کریمونی کا ہے، جو لیٹن زبان میں ہے، اور سنہ ۱۴۸۷ء اور سنہ ۱۵۱۰ء میں اٹلی کے مشہور شہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میلان میں چھپا ہے، یورپ کے کتب خانوں میں اس کے متعدد قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ ایک نسخہ پیرس کے قومی کتب خانہ، ایک نسخہ آکسفورڈ کے کتب خانہ اور ایک نسخہ اسکوریال کے کتب خانہ میں ہے، اور اس کا ایک مقالہ ۱۹۰۳ء میں لیڈن میں ایک مجموعہ کے ضمن میں چھپ بھی گیا ہے، طہران کے متعدد کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں۔

مرشد :

اس کا اصلی نام "الفصول فی الطب" ہے، رازی کے زمانہ اور اس کے بعد کے اطباء کا معمول بہ رہ چکی ہے۔ اس کا عبرانی زبان میں کیا گیا جو لیڈن میں موجود ہے۔ ۱۵۰۸ء میں اس کا ترجمہ اٹلی کے مشہور شہر وینس میں بھی اٹالین زبان میں کیا گیا۔ اس کے قلمی نسخے ایران میں آقا حسین ملک کے کتب خانے اور استانبول میں ایا صوفیہ کے کتب خانے اور دوسرے کتب خانوں میں موجود ہیں، ان میں ۲۹ فصلیں ہیں اور سولہ صفحہ کا رسالہ ہے اور ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں۔

کتاب التفہیم والتشجیر :

امراض کی تقسیم اور ان کے اسباب و علامات میں ہے۔ اس کا قلمی نسخہ آقا حسین ملک کے کتب خانے میں ہے، اور ایک نسخہ آقا تنکابنی کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

کتاب الطب الملوکی :

رازی نے یہ کتاب علی بن درہسوذان حاکم طبرستان کے لیے لکھی ہے، اور اس کا موضوع یہ ہے کہ غذا کے ذریعہ سے امراض کا علاج کیونکر کیا جاسکتا ہے، اور غالباً وہ خاص طور پر امراء و سلاطین کے لیے لکھی گئی ہے، اس کا قلمی نسخہ لیڈن کے کتب خانے میں موجود ہے، اور ایک قلمی نسخہ ایران میں آقا مرزا محمد طاہر تنکابنی کے کتب خانے میں بھی ہے، اس کے ۳۸ صفحے ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں۔

کتاب من لا یحضرہ الطبیب

اس کا دوسرا نام طب الفقراء بھی ہے، اور اس کا موضوع یہ ہے کہ جن مقامات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر اطبار موجود نہ ہوں، لوگ معمولی دواؤں اور غذاؤں سے اپنا علاج خود کر سکتے ہیں، اس کتاب میں ۲۶ باب ہیں اور اس کے قلمی نسخے آغا حسین ملک، مانچسٹر (انگلستان) لاصد ر ہالینڈ، رامپور، بانکی پور اور لکھنؤ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

کتاب منافع الاغذیہ و دفع مضارہا :

رازی نے یہ کتاب امیر ابوالعباس احمد ابن علی کے لیے لکھی ہے، اور اس میں غذاؤں کے فوائد اور نقصانات بتاتے ہیں، یہ کتاب مصر میں ۱۳۰۵ھ میں چھاپی گئی ہے، اور اس کے حاشیے پر شیخ بوعلی سینا کا ایک رسالہ بھی قریب قریب اسی موضوع پر چھپا گیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے پیرس، آغا حسین ملک، کیمبرج، قاہرہ، موصل، بانکی پور وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

کتاب الجدری والحصبہ :

رازی پہلا شخص ہے جس نے چیچک کی کماحقہ تحقیق کی ہے، اور اس کے متعلق یہ رسالہ لکھا ہے۔ علمائے یورپ نے اس رسالہ کو نہایت اہمیت دی ہے، اور لیٹن فرنچ اور انگریزی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو گئے ہیں۔ اور اس کا لیٹن ترجمہ تقریباً ۴۰ بار یورپ کے مختلف شہروں میں چھاپا گیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے لیڈن، ایا صوفیہ، آستان رضوی، مشہد اور بہت سے دوسرے کتب خانوں میں موجود ہیں اور ۱۸۷۲ء میں بیروت میں چھاپا گیا۔

کتاب الحصیٰ فی الکلی والمثانہ :

یہ کتاب گردے اور مثانہ کی پتھری کے متعلق ہے اور لیڈن میں فرنچ زبان میں اس کا ترجمہ ۱۸۹۶ء میں ہو گیا ہے۔

کتاب القولنج :

نہایت مختصر رسالہ ہے اور اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آغا حسین ملک، کتب خانہ ایا صوفیہ اور دوسرے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب اوجاع المفاصل :

نقرس، عرق النسا اور درجع مفاصل پر ۴ صفحہ کا رسالہ ہے اور آقا حسین ملک کے کتب خانے میں اس کے دو قلمی نسخے موجود ہیں ۔

مقالۃ فی ابدال الادویۃ المستعلۃ فی الطب و العلاج

۲ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے اور اس میں یہ بحث ہے کہ اگر ایک دوا میسر نہ ہو تو اس کی جگہ کون سی دوسری دوا استعمال کرائی جا سکتی ہے ، اس کا قلمی نسخہ ایا صوفیہ، مجلس شورائے ملی ایران اور آقا محمد علی تربیت کے کتب خانوں میں موجود ہے ۔ اور فارسی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے جو آستان قدس رضوی کے کتب خانے میں موجود ہے ۔

کتاب اطعمۃ المرضیٰ

اس میں مریضوں کی غذا کا بیان ہے ، اور اس کا قلمی نسخہ آستان قدس رضوی کے کتب خانہ اور دوسرے کتب خانوں میں ہے ۔

مقالۃ فی السکنجبین

سکنجبین کے منافع و خواص پر ایک مختصر سا رسالہ ہے اور اس کا قلمی نسخہ نیکائتی اور آقا حسین ملک کے کتب خانے میں موجود ہے ۔

تقدیم الفاکہۃ قبل الطعام و تاخیرہا منہ

اطباء میں یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ میوے غذا سے پہلے کھانے چاہئیں یا اس کے بعد ؟ رازی نے یہ رسالہ اسی بحث پر لکھا ہے اور غالباً کتاب فی ترتیب اکل الفاکہۃ کے نام سے اسی کا قلمی نسخہ آقا حسین ملک ، اسکوریال اور میڈرڈ کے کتب خانہ ملی اور دوسرے کتب خانوں میں موجود ہے ۔

مقالۃ فی السبب فی قتل ریح السموم لاکثر الحیوان

اس میں لو لگنے کا بیان ہے ۔ نہایت مختصر سا رسالہ ہے ، اور اس کا ایک قلمی نسخہ آقا محمد علی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تربیت کتب خانے میں ہے۔

کتاب فی ان الحمیۃ المفرطۃ تضر بالابدان

اس میں یہ بحث ہے کہ بہت زیادہ پرہیز اور ثقیل غذا صحت کے لیے مضر ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ ایا صوفیہ کے کتب خانے میں ہے۔

کتاب فی الباہ

موضوع نام سے ظاہر ہے۔ آٹھ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے۔ اس میں ۱۲ فصلیں ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ استانبول کے کتب خانہ ایا صوفیہ اور طہران میں آقا حسین ملک کے کتب خانے میں موجود ہے۔

کتاب المدخل الی الطب

اس کا موضوع یہ ہے کہ علم طب کے لیے اور کن کن علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے اس کا قلمی نسخہ میڈرڈ اور پیرس کے قومی کتب خانوں میں موجود ہے۔

کتاب الفاخر فی الطب

اس میں سر سے پاؤں تک کی تمام بیماریوں کا بیان ہے اور قانون شیخ کی اکثر شرحوں میں اس کا نام آیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانہ لینن گراڈ (روس) کتب خانہ شہید علی پاشا (استانبول) اور کتب خانہ آقا حسین ملک میں موجود ہیں۔ ملک کے کتب خانے کا نسخہ ۲۰۲ صفحوں میں ہے اور ہر صفحے میں ۲۵ سطریں ہیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں اور اس کا دوسرا حصہ برلن کے سرکاری کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔

مقالۃ فی العلۃ التی من اجلھا یعرض الزکام فی فصل الربیع عند شم الورد

اس میں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ فصل بہار میں گلاب کے پھول کے سونگھنے سے زکام کیوں ہو جاتا ہے؟ صرف ۵۲ سطر کا رسالہ ہے اور آقا حسین ملک کے کتب خانے میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے اور اس کا نام رسالہ شمیہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب فی الفصد

فصد کے متعلق ۴ صفحہ کا رسالہ ہے، اور اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آقا حسین ملک، آقا محمد علی تربیت (طہران) کتب خانہ آصف (استانبول) اور دوسرے کتب خانوں میں موجود ہیں اور اس میں دس باب ہیں۔

قراباذین صغیر

یہ ۱۴۲ صفحے کا رسالہ ہے اور اس میں ۶۲ الواب ہیں، اس میں مرکب دواؤں کا بیان ہے، اور اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آقا حسین ملک اور کتب خانہ آقا نکا ئنی میں موجود ہیں۔

کتابان فی التجارب

اس میں وہ تجربے مذکور ہیں جو خود اس نے یا اداروں نے مختلف امراض کے متعلق کیے ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ آقا حسین ملک کے کتب خانے میں کتاب التجارب کے نام سے موجود ہے، اور اس میں ۱۳۱ الواب ہیں، اس کا ایک نامکمل نسخہ قاسم غنی کے کتب خانے میں بھی ہے۔

مقالۃ فی انہ لما ذا یحس النائم من البرد مالا یحسہ الیقظان

اس میں اس بات کا سبب بتایا گیا ہے کہ سونے والے کو جاگنے والے سے زیادہ سردی کیوں محسوس ہوتی ہے؟ اس کا قلمی نسخہ آقا محمد علی تربیت کے کتب خانے میں موجود ہے

کتاب برء الساعۃ

رازی نے یہ کتاب خلیفہ مکتفی کے وزیر قاسم بن عبید اللہ کی فرمائش سے لکھی ہے اور اس میں وہ دوائیں بتاتی ہیں جن سے امراض فوراً زائل ہو جاتے ہیں۔ اس کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں مثلاً کتب خانہ کیمبرج، کتب خانہ شہید علی پاشا (استانبول) کتب خانہ موصل، کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کتب خانہ آصف (استانبول) کتب خانہ بانکی پور (ہندوستان) کتب خانہ احمد تیمور پاشا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(مصر) کتب خانہ آستان قدس رضوی وغیرہ میں موجود ہیں، متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو گئے ہیں۔ اس کا فرینچ ترجمہ عربی اصل کے ساتھ ۱۹۰۴ء میں پیرس میں چھاپا گیا ہے، اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ ۱۳۰۸ھ میں لکھنؤ میں ہوا ہے، فارسی زبان میں اس کا ترجمہ دوبار ہوا ہے، ان میں بہترین ترجمہ مرزا احمد بن محمد حسین الشریف تنکابنی کا ہے، جو فتح علی شاہ کے طبیب خاص تھے، یہ ترجمہ طہران میں دوبار یعنی ۱۲۹۰ھ اور ۱۳۰۸ھ میں چھپا ہے۔

کلام فی الفروق بین الامراض

اس میں امراض متشابہہ کی تشخیص کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس میں مقالے ہیں۔ دس صفحے کا رسالہ ہے، اور آقا حسین ملک کے کتب خانے میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

مقالۃ فی الزکام والنزلہ

ایک قلمی نسخہ "رسالۃ فی التحفظ من النزلہ" کے نام سے استانبول میں کتب خانہ آصف میں موجود ہے، اور ممکن ہے کہ یہ یہی نسخہ ہو۔

کتاب الکافی فی الطب

اس کا ترجمہ عبرانی میں ہو گیا ہے، اور اس کا قلمی نسخہ آکسفورڈ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ رازی کے اور چند مختصر رسالوں کے قلمی نسخے مثلاً مقالۃ فی اختلاف الدم مقالۃ فی اتخاذ الجبن، مقالۃ من کتاب الابان فی منافع ما را لجبن، کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن قدیم تذکرہ نویسوں نے ان کا ذکر اس کی کتابوں کی فہرست میں نہیں کیا ہے۔

رازی کی طبی کتابوں کے موجود قلمی اور مطبوعہ نسخوں اور متعدد زبانوں میں ان کے ترجموں سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ طبی حیثیت سے اس نے مشرق و مغرب میں کس قدر لازوال شہرت حاصل کی تھی، لیکن بدقسمتی سے فن طب میں وہ جس قدر نیک نام تھا، اسی قدر فلسفہ اور طبعیات میں بدنام تھا، اور اس بدنامی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ارسطو کے فلسفہ کو چھوڑ کر خود ایرانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلسفہ کو جو مانی وغیرہ کی کتابوں میں مذہبی شکل میں موجود تھا، اختیار کیا، لیکن یہ فلسفہ بالکل ملحدانہ اور مذہب اسلام کے بالکل مخالف تھا، اس لیے خود رازی ہی کے زمانے میں لوگ اس کے فلسفہ کے سخت دشمن ہو گئے اور فلسفیانہ حیثیت سے وہ مسلمانوں میں مقبول نہ ہو سکا، چنانچہ ناصر خسرو نے زاد المسافرین میں اس کے فلسفیانہ مسائل پر سخت اعتراضات کیے ہیں، اور بیرونی نے بھی اس کی کتابوں کی فہرست پر جو رسالہ لکھا ہے، اس میں صاف تصریح کی ہے کہ وہ مانی کا پیرو تھا، چنانچہ لکھا ہے :

"اگر تمھارے احترام کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اس کی کتابوں کے نام نہ لکھتا، کیونکہ اس کے مخالفین میرے دشمن ہو جاتے اور یہ گمان کرتے کہ میں بھی اس کی جماعت میں شامل ہوں اور اس نے جو کچھ صحیح لکھا ہے، اور جو کچھ گمراہی اور تعصب سے لکھا ہے۔ میں اس میں فرق نہیں کرتا، مذہب پر اس نے نہایت بیرحمی سے اعتراضات کیے ہیں، یہاں تک کہ اس میں اس نے مانی اور اس کے اصحاب کی کتابوں کی طرف رہنمائی کی ہے، جو مذاہب بالخصوص مذہب اسلام کے راہزن تھے، اس نے کتاب النبوات کے آخر میں جو توہین آمیز باتیں لکھی ہیں ان سے میرے قول کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ جو رازی کے خاک پا کا رتبہ بھی نہیں رکھتے۔ کہتے ہیں کہ رازی نے لوگوں کے مال، بدن اور مذہب کو خراب کر دیا، اور ان لوگوں کا یہ قول پہلی بات کے متعلق بالکل اور دوسری باتوں کے متعلق زیادہ تر صحیح ہے۔ میں نے علم الٰہی میں اس کی کتاب کو دیکھا جس میں وہ مانی کی کتابوں، بالخصوص اس کی کتاب سفر الاسرار کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو میں نے اپنے دوستوں سے یہ اسرار معلوم کرنے چاہے اور ۴۰ برس سے کچھ اوپر اس شوق میں مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ خوارزم میں مجھ کو ایک شخص نے مانی کی چند کتابیں دیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے رازی کی فلسفیانہ کتابوں کی بالکل قدر نہ کی اور وہ بالکل ضائع گئیں، صرف چند کتابیں ہیں جن کے قلمی نسخے بعض کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں اور ان کے نام یہ ہیں :۔

سمع الکیان

سولھویں صدی عیسوی تک اس کا ایک قلمی نسخہ اسکوریال کے کتب خانے میں موجود تھا، لیکن جب اس کتب خانے میں آگ لگ گئی تو یہ نسخہ بھی جل گیا۔

کتاب الشکوک والمناقضات التی فی کتب جالینوس

جالینوس کی فلسفیانہ کتابوں میں جو متناقض باتیں پائی جاتی تھیں، رازی نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، اور جالینوس پر سخت اعتراضات کیے ہیں، اس کا قلمی نسخہ آقا محمد طاہر تنکابنی اور آقا حسین ملک کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

کتاب فی السیرۃ الفاضلہ وسیرۃ اہل المدینۃ الفاضلۃ

اس رسالہ کو ۱۹۳۵ء میں فرنچ ترجمہ کے ساتھ ایک جرمن عالم پاول کراوس نے اٹلی کے رسالہ مشرق (اورینتالیا) میں شائع کیا۔ اس کے بعد آقا عباس اقبال آشتیانی نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، چونکہ عام طور پر لوگ رازی کو فلسفی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے اس نے اس رسالے میں ایک فلسفی بالخصوص اپنے اخلاق کا بیان کیا ہے، اور اس کی اخلاقی حالت پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے ان کا جواب دیا تھا۔

کتاب طب النفوس او طب الروحانی

فن اخلاق میں ہے اور اس کی ۲۰ فصلیں ہیں، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ قاہرہ اور برٹش میوزیم میں موجود ہیں، اور اس کا ایک حصہ وٹیکن کے میوزیم میں بھی ہے۔

کتاب المدخل التعلیمی

کیمیا میں ہے، اور اس کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب سر السر

کیمیا میں ہے، اور سر الاسرار کے نام سے اس کا قلمی نسخہ آقا محمد علی تربیت کے کتب خانہ میں ہے۔

کتاب الخواص

کیمیا میں ہے، رازی کا ایک رسالہ "مفید الخاص" کے نام سے آستان قدس رضوی کے کتب خانہ میں ہے، اور غالباً وہ یہی رسالہ ہے۔

کتاب سر الصناعہ

کیمیا میں ہے، اور رازی کی کتابوں کی قدیم فہرست میں اس کا نام نہیں ملتا، لیکن اس کا قلمی نسخہ اسکوریال، میڈریڈ کے قومی کتب خانہ اور لیپزگ کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس کا فارسی ترجمہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں ہے۔

مقالۃ فیما بعد الطبیعۃ

یہ رسالہ بھی رازی کی کتابوں کی قدیم فہرست میں شامل نہیں ہے لیکن اس کا قلمی نسخہ استانبول میں کتب خانہ راغب میں موجود ہے۔

کتاب فی خلق الانسان

یہ بھی رازی کی کتابوں کی قدیم فہرستوں میں شامل نہیں ہے، لیکن اس کا ایک ٹکڑا مجلسِ شوریٰ ملی ایران کے کتب خانے میں موجود ہے، لیکن پاول کراوس کے خیال میں یہ رازی کی کتاب نہیں ہے۔

کتاب القوانین الطبیعیہ فی الحکمۃ الفلکیہ

اس کا ایک قلمی نسخہ سویڈن کے کتب خانہ اوپسال میں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم ابو محمد العدلی القاینی

اس حکیم کے حالات اور سنہ ولادت و وفات بالکل معلوم نہیں، اور کشف الظنون میں اس کی تصنیفات کا بھی ذکر نہیں، لیکن وہ بہت بڑا ریاضی دان اور ادیب تھا، البتہ معقولات سے بالکل واقف نہ تھا، ریاضی کے متعلق اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے زیج بتانی کی تہذیب و اصلاح کی، محمد بن جابر حرانی بتانی بہت بڑا ریاضی داں تھا، اور اس نے ایک رصد خانہ قائم کیا تھا، اور اس پر بہت سا مال و دولت صرف کیا تھا، اس کے رصد خانے کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ مامون کے رصد خانے کے بعد صرف اسی کے رصد خانے نے شہرت حاصل کی تھی، ابو محمد عدلی نے اسی کی زیج کی تہذیب و اصلاح کی تھی، اور اس تہذیب و اصلاح میں اس کا دارو مدار زیج ارجانی پر تھا، بیہقی نے لکھا ہے کہ میں نے زیج ارجانی کے بہت سے نسخے اس کے خط کے لکھے ہوئے پائے۔ اس کے علاوہ خود ریاضی کے متعلق اس نے متعدد کتابیں لکھیں، ایک تو زیج مرتب کی تھی، جو زیج عدلی کے نام سے مشہور ہے، ایک کتاب مساحت میں اور ایک جبر و مقابلہ میں لکھی تھی۔

اس نے ریاضی دانوں کے جو درجے قائم کیے تھے، اس میں اپنا نام تیسرے درجے پر رکھا تھا، چنانچہ اس نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ "نہ سفیدی کرنے والا عمارت کے بانی کے مثل ہے، نہ بانی انجنیر کے مثل ہے، انجنیر تو بطلیوس ہے اور بانی بتانی، اور میرا درجہ سفیدی کرنے والوں کا ہے"[1]

---

[1] تتمہ صوان الحکمۃ صفحہ ۸۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو سہل ویجن بن رستم کوہی

اسلام میں خلافت عباسیہ کے بعد علوم وفنون کی سب سے زیادہ سرپرستی خاندان بویہیہ نے کی ہے، اور ویجن بن رستم کوہی اسی خاندان کے ایک مشہور فرمانروا شرف الدولہ کے زمانہ کا مشہور ریاضی داں ہے۔ وہ علوم حکمیہ کی تمام شاخوں میں سے ریاضی کا بہت بڑا عالم تھا اور آلات رصدیہ کے بنانے میں نہایت کمال رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بویہیہ اور عضد الدولہ کے زمانے میں ناموری حاصل کی۔ اور اس زمانے میں علم ہیئت کا ایک بڑا کارنامہ اس کی طرف منسوب ہے یعنی اس خاندان کے فرمانرواؤں میں جب شرف الدولہ نے ۳۷۵ھ میں بغداد پر قبضہ کیا تو علمی حیثیت سے بھی خلفائے عباسیہ کا مقابلہ یا کم از کم ان کی تقلید کرنی چاہی۔ اس لیے جس طرح خلیفہ مامون رشید نے اپنے زمانے میں ایک رصدخانہ قائم کیا تھا، اس نے بھی ایک رصدخانہ قائم کیا، اور ابوسہل ویجن بن رستم کوہی کو اس کا مہتمم مقرر کیا۔ ابوسہل نے نہایت مضبوط بنیاد پر رصدخانہ کی عمارت تعمیر کرائی، اور اپنے تیار کیے ہوئے آلات رصد اس میں نصب کیے، رصد کا جو نتیجہ ہوا اس کی تصدیق کے لیے دو محضر تیار کیے گئے جس پر علماء و فضلاء اور ریاضی کے بڑے بڑے ماہرین نے دستخط کیے، قفطی نے ان دونوں محضروں کو بلفظہٖ نقل کیا ہے، جن میں پہلے محضر کا خلاصہ یہ ہے:

"قضاۃ، اہل علم، کتاب، منجمین اور مہندسین میں سے جن لوگوں کے دستخط

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جن لوگوں کی شہادت اس محضر کے نیچے درج ہے، وہ اس رصدخانے کے مقام پر جو شرف الدولہ کے محل کے باغ میں بغداد کے مشرقی جانب واقع ہے ۳۷۸ھ میں سینچر کے دن جمع ہوئے، اور ابوسہل ویجن بن رستم کوہی کے آلۂ رصدیہ کے ذریعے سے جو کچھ دیکھا، اس کی بنا پر اس پر یقین و اعتماد کیا کہ راس سرطان میں سورج کے داخل ہونے پر اس آلہ کی دلالت صحیح ہے اور یہ یقین و اعتماد انہوں نے اس کے بعد کیا کہ منجمین و مہندسین میں سے جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں اور جو اس موقع پر موجود تھے، ان سب نے بلا اختلاف یہ تسلیم کیا کہ یہ آلہ نہایت اہم، بدلیعۃ المعنی، محکمۃ الصنعۃ اور تمام ان آلات سے اب تک دیکھے گئے واضحۃ الدلالۃ ہے۔"

دوسرے محضر کی عبارت یہ ہے:

"جمادی الثانی ۳۷۸ھ میں منگل کے دن قاضیوں، گواہوں، منجمین، مہندسین اور علم ہندسہ و ہیئت کے ماہرین کی ایک جماعت نے جمع ہو کر اس آلہ کے ذریعہ سے جس کا ذکر اس محضر کے شروع میں کیا گیا ہے۔ سورج کے راس میزان میں داخل ہونے کو چار گھڑی دن کے گزر جانے پر دیکھا، اور ہر ایک نے اس کی صحت پر دستخط کر دیئے۔"

ان دونوں محضروں پر جن لوگوں نے دستخط کیے تھے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) قاضی ابوبکر بن صبر (۲) قاضی ابوالحسین الخوزی (۳) ابو اسحاق ابراہیم ابن ہلال (۴) ابوسعد الفضل بن یونس النصرانی الشیرازی (۵) ابوسہل ویجن بن رستم صاحب الرصد (۶) ابوالوفا محمد بن محمد الحاسب (۷) ابوحامد احمد بن محمد الصاغانی صاحب الاصطرلاب (۸) ابوالحسن محمد بن محمد السامری (۹) ابوالحسن مغربی۔

اس کارنامے کے علاوہ ویجن بن رستم کوہی کی متعدد تصنیفات ہیں جو سب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سب ریاضی میں ہیں، کتاب الفہرست اور اخبار الحکماء قفطی میں ان کے نام مذکور ہیں اور قفطی نے لکھا ہے کہ اس کی کتابیں تمام شہروں میں پھیلی ہوئی تھیں[1]، طبقات الاطباء میں ہے کہ دیکین کی درخواست پر سنان بن ثابت نے اس کی تمام کتابوں کی عبارت کی اصلاح کی تھی[2]

[1] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۲۳۰-۲۳۱،

[2] طبقات الاطبا (جلد اول صفحہ ۲۲۴،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم ابوالوفاء بوزجانی

محمد نام اور سلسلۂ نسب یہ ہے، محمد بن محمد بن یحییٰ بن اسماعیل بن العباس، خراسان کے ایک شہر بوزجان میں جو ہرات اور نیشاپور کے درمیان واقع ہے، رمضان المبارک ۳۲۸ھ میں پیدا ہوا، اور ۳۴۸ھ میں جب کہ اس کا سن ۲۰ سال کا تھا، عراق میں آیا، اور قفطی کا بیان ہے کہ علم عدد اور ہندسہ کی تعلیم ابویحیی ماوردی اور ابوالعلا، بن کرنیب سے حاصل کی[1]، لیکن ابن ندیم نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے چچا ابوعمر والمغازلی اور اپنے ماموں ابوعبداللہ محمد بن عبنسہ سے تعلیم حاصل کی، اور اس کے چچا ابوعمرو نے ہندسہ کی تعلیم ابویحییٰ ماوردی اور ابوالعلاء کرنیب سے حاصل کی تھی[2]۔

بہرحال وہ بوزجان سے عراق میں آکر برابر بغداد میں مقیم رہا، اور لوگ اس سے تعلیم و استفادہ حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ رجب ۳۸۸ھ میں وفات پائی، حکیم ابوالوفا بوزجانی کا یہ سنہ وفات قفطی نے لکھا ہے[3]، لیکن ابن خلکان نے زیادہ تحقیق کی ہے اور اس کا سنہ وفات ۳۷۶ھ بتایا ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ "میں نے اس کا سنہ ولادت ابن ندیم کی کتاب الفہرست سے لکھا ہے، لیکن اس نے اس کا سنہ وفات بیان نہیں کیا، اس لیے میں نے اس کے تذکرے میں تاریخ ولادت تو لکھ دی، لیکن تاریخ وفات کے لیے سادہ جگہ چھوڑ دی، کیونکہ جیسا کہ میں نے

---

[1] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۸۸ [2] کتاب الفہرست ابن ندیم صفحہ ۳۹۴ [3] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۸۹ ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتدائے کتاب میں لکھا ہے، اس کتاب میں میرا مقصد صرف تاریخ وفات کا بیان کرنا ہے۔ اس کے بعد میں نے ۲۰ سال سے زائد مدت میں اس کی تاریخ وفات تاریخ ابن اثیر میں پائی، جس نے اسی سنہ میں اس کی وفات لکھی ہے اور میں نے اسی سنہ وفات اس کے تذکرے میں شامل کر دیا۔[1]

حکمائے اسلام میں ابوالوفاء بوزجانی بہت بڑا ریاضی دان تسلیم کیا گیا ہے، اور اس کی تمام تصنیفات اسی فن میں ہیں، چنانچہ بیہقی تتمہ صوان الحکمۃ میں لکھتا ہے:

بلغ المحل الاعلیٰ فی الریاضیات	وہ ریاضیات اور حساب میں اونچے درجہ
والحساب وکان حمید الاثر وکفی	کو پہنچ گیا تھا اور بڑا نیک نام تھا اور اس کی شہادت
بذلك شاهدا تصنيفه المعنون	کے لیے اس کی تصنیف منازل پھر اس کی زیج
بالمنازل ثم زیجه ثم سائر تصانيفه	پھر اس کی بقیہ تصنیفات کافی ہیں۔

ابن خلکان نے اس کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے "وہ علم ہندسہ کا ایک مشہور امام ہے، اور اس فن میں اس نے ایسی عجیب وغریب باتیں پیدا کی ہیں جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی تھیں، ہمارے شیخ علامہ کمال الدین ابوالفتح موسیٰ بن یونس جو اس فن کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اس کی کتابوں کی بڑی تعریف کرتے تھے، اور زیادہ تر اپنے مطالعے میں ان پر اعتماد کرتے تھے؛ اور اس کے اقوال سے استدلال کرتے تھے؛ اور ان کے پاس اس کی متعدد کتابیں تھیں۔" ابن خلکان نے اس کی صرف ایک کتاب کا جو استخراج اوتار میں ہے ذکر کیا ہے؛ اور لکھا ہے کہ نہایت عمدہ اور مفید کتاب ہے، لیکن ابن ندیم نے اس کی تصنیفات کی مفصل فہرست درج کی ہے جو ریاضی کی تمام شاخوں پر ہیں۔ قفطی نے بھی اس کی تصنیفات کے نام گنائے ہیں، ان کے علاوہ کتب خانہ رامپور کی فہرست میں اس کی بعض اور تصنیفات کے نام بھی ملتے ہیں۔

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۸۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو القاسم علی بن الحسن العلوی المعروف بابن الاعلم

قفطی نے اخبار الحکماء میں اس کے باپ کا نام حسن لکھا ہے، لیکن مختصر الدول میں اس کے باپ کا نام حسین بتایا ہے، وہ شریف النسب اور حضرت جعفر طیارؓ کی اولاد میں تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا، اور وہیں نشو ونما پائی۔ وہ علم ہیئت اور علم تسییر کا بہت بڑا ماہر تھا، اور عضد الدولہ کے دربار میں اس کو بڑا فروغ حاصل ہوا، چنانچہ عضد الدولہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ "کواکب ثابتہ اور ان کے مقامات کے متعلق میرے معلم عبد الرحمٰن صوفی اور زیچ کے حل کرنے میں شریف، علم اور نحو میں ابو علی فارسی ہیں۔" قفطی نے لکھا ہے کہ عضد الدولہ اختیارات میں اس کے اشارات پر اور انواع تسییرات میں اس کے اقوال پر عمل کرتا تھا، اس نے ایک زیچ تیار کی تھی، جس پر اس کے زمانے میں اس کے زمانے کے لوگ اور اس کے زمانے کے بعد ہمارے زمانے کے لوگ عمل کرتے تھے، لیکن عضد الدولہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے صمصام الدولہ کے عہد میں اس کا یہ وقار قائم نہ رہ سکا، اس لیے اس نے اس خاندان سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے، اور ۳۷۴ھ میں حج کو گیا، حج کر کے واپس ہوا تو ایک منزل میں جس کا نام عسیلہ تھا، ۸ محرم ۳۷۵ھ کو وفات پائی، لیکن سال ولادت معلوم نہیں۔

وہ سوداوی المزاج تھا، اور اس کی اخلاقی حالت مجنونوں سے مشابہ تھی، غالباً اسی بنا پر اس نے جو زیچ مرتب کی تھی اس کو پانی میں ڈال دیا، اس لیے اس کا صرف ایک ناقص نسخہ مل سکا۔[1]

---

[1] تتمہ صوان الحکمۃ صفحہ ۸۲، قفطی صفحہ ۱۵۷، مختصر الدول صفحہ ۳۰۴،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن مسکویہ

اسلام کی تاریخ میں بنو بویہ یعنی دیلمیوں کا دورِ حکومت علمی اور ادبی حیثیت سے یہ خاص امتیاز رکھتا ہے کہ اس دور کے امراء وسلاطین صرف علم وادب کے قدردان ہی نہ تھے بلکہ خود بھی بہت بڑے صاحبِ علم وصاحبِ فن تھے ابن مسکویہ اسی دور کا ایک ممتاز فلسفی، ایک ممتاز متکلم اور ایک ممتاز ادیب تھا اور اس نے اسی دور میں اپنے کمالات کے جوہر دکھائے

نام ونسب

اس کا نام احمد اور ابو علی کنیت ہے، باپ کا نام محمد اور دادا کا نام یعقوب ہے جو پہلے مجوسی تھا، پھر مسلمان ہوگیا[1]

سالِ ولادت

سال ولادت اور مقام ولادت معلوم نہیں، البتہ قرائن سے جو سال ولادت متعین کیا جاسکتا ہے اس کا ذکر سال وفات کے سلسلہ میں آئے گا،

---

[1] معجم الادبار، یاقوت حموی جلد ۲ صفحہ ۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیم و تربیت

ابن مسکویہ نے اپنی عمر کا ابتدائی زمانہ رے میں بسر کیا، اور اسی طرح بسر کیا جس طرح زکریا رازی نے اپنی عمر کا ابتدائی زمانہ بسر کیا، اس وقت اس کو علم و فن سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ابوالقاسم الکاتب غلام ابی الحسن العامری رے میں فن منطق کے بڑے ماہر تھے اور انہوں نے متصل پانچ سال تک رے میں درس دیا لیکن ابن مسکویہ نے ان سے ایک حرف بھی نہیں پڑھا، جس پر اس کو بعد میں افسوس ہوا اور اس کے دوستوں نے بھی اس پر اس کو ملامت کی، ایک شخص ابوسلیمان منطقی تھے جن کو ابن مسکویہ نے دیکھا تھا لیکن ان سے بھی اس نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اس وقت اس کا محبوب ترین مشغلہ کیمیاسازی تھا اور زکریا رازی اور جابر بن حیان نے اس فن میں جو کتابیں لکھی تھیں۔ ان سے دلچسپی رکھتا تھا اور ایک شخص ابوالطیب رازی کیمیائی کے ساتھ اس ابوالہوسی میں مبتلا رہتا تھا۔[1] اس بنا پر ابن مسکویہ کا علم و فضل اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا رہین منت ہے بلکہ وہ خود زاد آدمی ہے۔

امراء و سلاطین کے درباروں سے تعلق

ابن مسکویہ بنو بویہ یعنی دیلمیون کے دور حکومت میں پیدا ہوا اور ان ہی کے دور حکومت میں ترقی کی، اس لیے اس نے جس ماحول میں نشوونما پائی اس کی وضاحت کے لیے اس دور کی علمی و ادبی خصوصیات کا مختصر طور پر تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ دیلمیون کی سلطنت کو تین بھائیوں یعنی عماد الدولہ، رکن الدولہ اور معز الدولہ نے قائم کیا، لیکن ان تینوں نے مل کر کوئی متحدہ سلطنت نہیں قائم کی، بلکہ مختلف ملکوں پر فرمانروائی کرتے رہے، اس لئے حکومت ایک متحدہ سلطنت

---

[1] معجم الادباء جلد ۲ صفحہ ۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بجائے تین سلطنتوں میں منقسم ہوگئی، اور ابن مسکویہ نے تقریباً تین سلطنتوں کے وزراء و سلاطین سے تعلقات پیدا کیے۔

اس دور میں شاعری، انشاء پردازی اور فصاحت و بلاغت کی طرف خاص میلان تھا، اور اس حکومت کے اکثر وزراء و سلاطین ان میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے تھے، ابن مسکویہ کو بھی ان میں کمال حاصل تھا، اس لیے اس نے نہایت آسانی کے ساتھ ان وزراء و سلاطین کے درباروں سے تعلق پیدا کر لیا۔ شہرزوری کی تصریح کے مطابق اس نے سب سے پہلے اپنے زمانہ شباب میں ابو محمد مہلبی کے دربار سے تعلق پیدا کیا، اور اس کے ندمائے خاص میں داخل ہو گیا۔[2] ابو محمد ۲۹۱ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا اور ۳۵۲ھ میں وفات پائی اور ۳۳۹ھ میں معزالدولہ کا وزیر رہا، اور نہایت فیاضی کے ساتھ علم اور اہل علم کی قدردانی کی۔[3]

اس کے بعد اس نے عضدولہ کے دربار سے تعلق پیدا کیا، اور اس کے ندماء و رؤسا میں داخل ہو گیا، اور اس کی وفات تک اس کے دربار سے اس کا تعلق قائم رہا، عضدالدولہ، عمادالدولہ کا جانشین اور اس کے بھائی رکن الدولہ کا بیٹا تھا، چونکہ عمادالدولہ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لیئے اس نے عضدولہ کو اپنی زندگی ہی میں اپنا ولی عہد بنا کر اس کو فارس کا بادشاہ بنادیا، اور جب ۳۳۸ھ میں اس کا انتقال ہوا تو عضدولہ مستقل بادشاہ ہو گیا اور عضدولہ کا لقب اختیار کیا، اسلام کی تاریخ میں عضدولہ پہلا شخص ہے جو بادشاہ کے نام سے پکارا گیا، اور منبر پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا ملکی جاہ و جلال کے ساتھ وہ بہت بڑا عالم اور اہل علم کا قدردان بھی تھا، وہ خود علمی فخر کے جوش میں کہا کرتا تھا کہ ہیئت اور نجوم میں میرا استاد عبدالرحمان صوفی اور نحو میں ابو علی فارسی ہے[4] اس لیے شیراز میں ایک عظیم الشان کتب خانہ اور بعد میں ایک عظیم الشان شفاخانہ قائم کیا

---

[1] معجم الادبا جلد ۲ صفحہ ۹۰ [2] شہرزوری صفحہ ۸۰ قلمی نسخہ [3] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۴۴ [4] تاریخ الحکماء شہرزوری صفحہ ۸۰ [5] مختصر الدول صفحہ ۳۰۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، جس میں اس دور کے بڑے بڑے اطبا ملازم تھے اس کے نام پر متعدد علما نے کتابیں لکھی تھیں، اور اس دور کے اکثر شعرا نے اس کی مدح میں قصیدے لکھے تھے، جس میں ایک متنبی بھی تھا۔

عضدولہ نے ۸ شوال ۳۷۲ھ میں بغداد میں وفات پائی، اس کے بعد ابن مسکویہ نے ابن عمید کے دربار سے تعلق پیدا کیا، اور اس نے اس کو اپنے کتب خانہ کا مہتمم مقرر کیا[۱] لیکن ابوالفرج ملطی نے مختصر الدول میں لکھا ہے کہ وہ عضدولہ کا خازن تھا[۲] اس زمانے میں کتب خانوں کو خزانۃ الکتب کہتے تھے، اور عضدولہ نے شیراز میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا، اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسکویہ اسی کتب خانے کا مہتمم تھا، کیونکہ ہم کو ابن عمید کے کتب خانے کا حال معلوم نہیں ہے۔ مورخین نے اس کے تمام فضائل تفصیل سے گنائے ہیں لیکن اس کے کتب خانے کا ذکر نہیں کیا۔

ابن عمید کے بعد جب اس کا بیٹا ابوالفتح وزیر ہوا تو اس کے دربار سے بھی ابن مسکویہ نے تعلق قائم کیا، اسی طرح عضدولہ کے بیٹے صمصام الدولہ پھر اس کے بیٹے بہاءالدولہ کے دربار سے بھی اس کا تعلق قائم رہا، غرض اس کے تعلقات دیلمیوں کے تمام وزرا یعنی، ابو محمد مہلبی، ابن عمید اور ابوالفتح کے درباروں سے اور دیلمیوں کے اکثر ممتاز سلاطین یعنی عضدولہ صمصام الدولہ اور بہاؤالدولہ سے قائم رہے اور اس نے ان درباروں میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ زندگی بسر کی، چنانچہ یاقوت معجم الادباء میں لکھتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ شباب میں ابن عمید کے دربار سے تعلق رکھتا ہے، پھر اس کو سلاطین بنی بویہ کے درباروں میں بڑا اعزاز حاصل ہوا یہاں تک کہ وہ صاحب بن عباد کی خدمت سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتا تھا اور اپنے آپ کو اس سے کم رتبہ نہیں خیال کرتا تھا[۳]۔

---

[۱] معجم الادباء صفحہ ۹۵ [۲] مختصر الدول صفحہ ۳۰۶ [۳] معجم الادباء صفحہ ۹۰ جلد ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب بن عباد پہلے موید الدولہ کا وزیر تھا، پھر حبیب ۳۷۳ھ میں اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی فخرالدولہ بادشاہ ہوا تو اس نے بھی اس کو عہدہ وزارت پر قائم رکھا وہ وزارت کے ساتھ بہت بڑا انشاء پرداز اور صاحب علم و فن بھی تھا اور ہمیشہ علمی مشاغل میں مصروف رہتا تھا، ایک بار نوح بن منصور سامانی نے اس کو ایک خفیہ خط کے ذریعہ سے وزارت کے لیے بلوانا چاہا تو اس نے معذرت کی اور لکھا کہ صرف کتابوں کو ساتھ لانے کے لیے مجھے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوگی، لیکن باوجود اس اقتدار اور باوجود اس علم و فضل کے اگر ابن مسکویہ اپنے آپ کو اس کا ہمسر سمجھتا تھا، اور اس کو اس کی خدمت سے عار تھا تو اس سے نہ صرف اس کی علمی برتری بلکہ اخلاقی حیثیت سے اس کی خودداری بھی ثابت ہوتی ہے۔

معاصرین

اس زمانے کے حکما میں شیخ بوعلی سینا سے اس کے تعلقات تھے، اور اس سے اور ابن مسکویہ سے بعض مسائل میں بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا، شیخ نے اپنی بعض کتابوں میں ایک مسئلہ کے بیان میں لکھا ہے کہ میں نے ابن مسکویہ سے اس پر بحث کرنی چاہی تو چونکہ وہ مسائل کو مشکل سے سمجھتا تھا، اس لیے اس نے مجھ سے بار بار اس کا اعادہ کرایا لیکن باینہمہ وہ اس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکا اس لیے میں اس سے الگ ہو گیا۔[1]

ایک بار ابن مسکویہ اپنے شاگردوں کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں شیخ اس کے حلقہ درس میں آیا، اور ابن مسکویہ کی طرف ایک اخروٹ پھینک کر کہا کہ "اس اخروٹ کی پیمائش جودن کے ذریعہ سے کرو"، غالباً ابن مسکویہ کو شیخ کی یہ گستاخی پسند نہ آئی، اور اس نے فن اخلاق کے بعض اجزاء کو اس کی طرف پھینک کر کہا کہ "پہلے اپنے اخلاق کی اصلاح

---

[1] مختصر الدول صفحہ ۳۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کروں پھر میں اخروٹ کی پیمائش کروں گا۔[۱]

اس زمانے کے ادباء میں بدیع الزمان ہمدانی سے جس نے ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔ ابن مسکویہ کے دوستانہ تعلقات تھے، ایک بار کسی وجہ سے یہ تعلقات خراب ہوئے تو بدیع الزمان ہمدانی نے اس کی معذرت کی اور ایک نہایت انشاء پردازانہ معذرت نامہ لکھ کر اس کے پاس بھیجا اور ابن مسکویہ نے اس کا جواب دیا۔[۲]

وفات

ابن مسکویہ کے متعلق عام اتفاق ہے کہ اس نے ۹ صفر ۴۲۱ھ کو وفات پائی۔[۳] لیکن سال ولادت کسی نے نہیں لکھا، البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ولادت ۳۲۵ھ سے لے کر ۳۳۰ھ تک کے کسی سنہ میں ہوئی ہے، کیونکہ ابن عمید کے دربار سے اس کا تعلق عنفوانِ شباب میں ہوا ہے۔[۴] اور یہ تعلق ۳۵۲ھ کے بعد ہوا ہے، اس لیے اس حالت میں اس کا سن بائیس یا ستائیس سال کا رہا ہوگا، اور یہی زمانہ عنفوان شباب کا ہو سکتا ہے، بہرحال وہ زکریا رازی کی وفات کے چند ہی سال بعد پیدا ہوا اور طویل عمر میں وفات پائی، چنانچہ اس نے اپنے بعض قصائد میں اپنے بڑھاپے کا ذکر کیا ہے۔

نطاب لی هرمی والموت یلحظنی ... لحظ المریب ولولا انت لم یطب

میرا بڑھاپا اچھی حالت میں گزرا، حالانکہ موت میری تاک میں ہے اگر تو نہ ہوتا تو وہ اچھی حالت میں نہ گزرتا

اخلاق وعادات

ابن مسکویہ کی عمر امراء وسلاطین کی صحبت میں گزری ہے، اس لیے اس نے اپنی عمر کا زیادہ

---

[۱] شہرزوری صفحہ ۴۴ [۲] معجم الادباء جلد ۲ صفحہ ۹۱۔ ۹۴ [۳] ایضاً ص ۸۹ [۴] ایضاً ص ۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تر حصہ عیش و طرب میں بسر کیا، البتہ اخیر عمر میں اس کی توجہ حقیقی فضائل اخلاق کی طرف ہوئی ہے، اور اس نے بتدریج عیش و طرب کی چیزوں کو چھوڑا ہے چنانچہ اس نے تہذیب الاخلاق میں خود اپنی ابتدائی اور انتہائی زندگی کا اخلاقی خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"جس شخص کے باپ نے اس کی تربیت اس طرح کی ہو کہ وہ فحش اشعار کی روایت کرے، ان کی جھوٹ باتوں کو قبول کرے، ان میں جو برائیاں اور لذت پرستی کے طریقے ہیں، ان کو پسند کرے، جیسا کہ امرالقیس اور نابغہ وغیرہ کے اشعار میں پائی جاتی ہیں، پھر اس کے بعد اس کو ایسے رؤسا کی صحبت حاصل ہو جو ان اشعار کی روایت یا ویسے ہی اشعار کہنے پر اس کو اپنا مقرب بنائیں اور اس کو عطیے دیں پھر ایسے دوستوں سے اس کو سابقہ پڑے جو لذت پرستی میں اس کی اعانت کریں اور اس طرح اس کا میلان اچھے کھانے، پہننے، سواریوں، زیب و زینت، قوی گھوڑوں اور عمدہ غلاموں کی طرف ہو جائے، جیسا کہ بعض اوقات میں مجھ کو، پھر وہ ان چیزوں میں منہمک ہو جائے اور وہ جس سعادت کا اہل ہے اس سے منہ موڑے تو اس کو چاہیے کہ ان کو بدبختی سمجھے، نعمت نہ سمجھے، نقصان سمجھے فائدہ نہ سمجھے اور آہستہ آہستہ ان کو چھوڑنے کی کوشش کرے، اگرچہ یہ بہت مشکل ہے، لیکن باطل میں پڑے رہنے سے بہر حال بہتر ہے، اس کتاب کے پڑھنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے بتدریج بڑے ہونے اور عادت کے مستحکم ہو جانے کے بعد ان چیزوں کو چھوڑا ہے اور اس معاملے میں اپنے نفس سے بڑا جہاد کیا ہے، پس اے وہ شخص جو فضائل کی جستجو کر رہا ہے، اور ادب حقیقی کا طالب ہے میں نے تیرے ہی لیے وہی فضائل پسند کیے ہیں جن کو میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے، بلکہ تیری نصیحت میں میں اس سے آگے بڑھ گیا ہوں، اور ایسے فضائل کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابتداء میں مجھ کو حاصل نہ ہو سکے تاکہ تو اس کو حاصل کر سکے[1]"

---

[1] تہذیب الاخلاق ص ۶۰ - ۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں اس نے جو کچھ لکھا ہے، اس پر بہت کچھ عمل بھی کیا ہے۔

بعض روایتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسکویہ حکیمانہ طرز پر بہ تکلف اخلاقی محاسن کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ ابوحیان توحیدی نے لکھا ہے کہ ایک بار ابن عمید نے ایک شخص کو یکمشت ہزار دینار دے دیئے اس پر ابن مسکویہ نے کہا کہ ابن عمید نے ایک نااہل شخص کو ناحق اس قدر رقم دے دی اور اس پر بڑا افسوس کرتا رہا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں صرف ایک بات پوچھتا ہوں، سچ سچ کہنا، اگر ابن عمید غلطی سے تم کو اسی قدر عطیہ یا اس کا دوگنا سہ گنا دے دیتا تو تم اس کو اس کی غلطی پر محمول کرتے اور اس کو نفول فرخ سمجھتے؟ یا اس کے جود و کرم کی داد دیتے اور اس سے زیادہ کی توقع کرتے؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو یقین کرو کہ تم ابن عمید پر جو اعتراض کرتے ہو اس کی بنیاد حسد یا اسی قسم کی کسی چیز پر ہے، تم کو حکمت کا دعوے ہے اور بہ تکلف محاسن اخلاق حاصل کرتے ہو، برے اخلاق کو چھوڑتے ہو اور اچھے اخلاق کو اختیار کرتے ہو۔ اس لیے خود اپنے اندر کے حالات سے واقفیت پیدا کرو اور خود اپنے معاملے کو سمجھو۔[۱]

ابن مسکویہ نے ایک وصیت نامہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ٹھیک فلسفہ اخلاق کے اصول کے مطابق اپنے نفس کی تہذیب و اصلاح کی ہے اور اس اخلاقی وصیت نامہ کا اپنے آپ کو پابند بنایا ہے۔

تصنیفات

ابن مسکویہ نے اس زمانے کے تمام مروجہ علوم و فنون مثلاً طب، منطق، ریاضیات، طبیعات

---

[۱] معجم الادباء ج ۵ ص ۲۰۶، ۲۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الہیات، حساب اور کیمیا وغیرہ میں کتابیں لکھی ہیں اور شہرزوری نے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ وہ اپنی کتابوں کا درس بھی دیتا تھا، لیکن جو چیز اس کو اس زمانے کے حکماء و فلاسفہ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے دور کی تمام ادبی تحریکات سے متاثر ہوا، اور علوم حکمیہ کے ساتھ فن آداب و تاریخ میں بھی کتابیں لکھیں، کیونکہ ابن مسکویہ کے زمانے میں شاعری اور انشاپردازی کا خاص طور پر چرچا تھا، اور ابن عمید، صاحب بن عباد اور بدیع الزمان ہمدانی نے انشاء پردازی کا ایک خاص اسٹائل پیدا کر دیا تھا، حکماء فلاسفہ، فن تاریخ کی طرف متوجہ نہ تھے لیکن اس دور میں ثابت بن سنان صابی نے فن تاریخ میں ایک کتاب لکھی جو ۲۹۰ھ سے شروع ہو کر اس کے زمانۂ وفات یعنی ۳۶۳ھ تک کے واقعات پر مشتمل تھی پھر اس کے بھانجے ہلال بن محسن ابن ابراہیم صابی نے اس کا ذیل لکھا[۱] خاص دیلمیون کے زمانے میں ابواسحاق، ابراہیم ابن ہلال صابی نے عضد دولہ کے حکم سے دیلمیون کے دور حکومت کی تاریخ کتاب التاجی کے نام سے لکھی، کیونکہ عضد دولہ کا ایک لقب تاج الملۃ بھی تھا اور اسی لقب سے اس نے اس کتاب کو اس کے نام پر معنون کیا تھا[۲] اس لیے علم حکمت کے علاوہ ابن مسکویہ نے فن ادب اور فن تاریخ کے متعلق بھی کتابیں لکھیں۔

علوم حکمیہ میں اس نے خاص طور پر فلسفۂ اخلاق کی طرف توجہ کی اور یونانی کتابوں کے تراجم کے ساتھ حکمائے یونان کے فلسفہ اخلاق کی کتابوں کے جو ترجمے ہوئے تھے، ان میں ابن مسکویہ خاص طور پر ارسطو کے فلسفہ اخلاق سے متاثر ہوا، اور اس فن میں فلسفیانہ اصول کے مطابق کتابیں لکھیں، چنانچہ تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں ہے کہ

"جو شخص ابن مسکویہ کی ان کتابوں کو جن سے اس کا فلسفہ اخذ کیا جا سکتا ہے بغور دیکھے گا اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ عام طور پر فلسفیانہ نظام سے واقف ہونے

---

[۱] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ،، [۲] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا دستور تھا کہ اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت اپنے چشم و خدم کے درمیان نہیں کرتے تھے بلکہ معتمد اشخاص کے ساتھ ان کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج دیتے تھے، اور جو لوگ سادہ اور موٹی جھوٹی زندگی بسر کرتے تھے ان کی تربیت کرتے تھے، ابن مسکویہ کے زمانے میں رؤسائے دیلم کا بھی یہ دستور تھا کہ اپنی اولاد کو نشو ونما کے ابتدائی زمانہ میں خود اپنے ملک میں بھیج دیتے تھے تاکہ اپنے ملکی اور قومی اخلاق کے خوگر ہوں اور عیش و تنعم اور بُرے ممالک کے اخلاق و عادات سے احتراز کریں۔[1]

ان اسباب سے ابن مسکویہ نے ادب، تاریخ اور اخلاق کی جو کتابیں لکھیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) المستوفی	منتخب اشعار کا مجموعہ ہے
(۲) انس الفرید	اخبار، اشعار اور حکم و امثال کا ایک غیر مبوب مجموعہ ہے
(۳) کتاب الجامع	معلوم نہیں کس فن میں ہے۔
(۴) جاودانِ خرد	یہ فارسی زبان کی ایک کتاب ہے جو ہوشنگ شاہ کی طرف منسوب ہے، مامون کے وزیر حسن بن سہل نے عربی میں اس کا ملخص ترجمہ کیا اور ابن مسکویہ نے اسی تلخیص کو اپنی کتاب آداب العرب والفرس کے مقدمہ میں شامل کر لیا،[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب فن اخلاق میں تھی۔
(۵) کتاب ترتیب السعادات	فن اخلاق میں ہے اور تہذیب الاخلاق میں ابن مسکویہ نے اس کا ذکر جا بجا کیا ہے،

[1] تہذیب الاخلاق صفحہ ۷۷، [2] کشف الظنون جلد اول صفحہ ۲۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۶) کتاب السیر	یہ بھی اخلاقی کتاب ہے جس میں قرآن، حدیث، حکمت اور اشعار سے استدلال کیا گیا ہے،
(۷) کتاب الاشربہ	طب میں ہے
(۸) کتاب الطبیخ	"
(۹) الفوز الاصغر	فلسفیانہ طریقہ پر عقائد کے اہم مسائل مثلاً وجود صفات باری، بقائے نفس اور نبوت، اور د... الہام کا اثبات کیا ہے اور یہ رسالہ بیروت ... چھپ گیا ہے،
(۱۰) الفوز الاکبر	یہ بھی اسی قسم کی کتاب ہے،
(۱۱) کتاب آداب العرب والفرس	۲۰ جلدوں میں ہے اور اس میں فلسفیانہ طریقہ پر اہل عرب، اہل فارس، اہل ہند اور اہل یونان کے اخلاق پر بحث کی ہے اور اس کے قلمی نسخے لیڈن، آکسفورڈ اور پیرس کے کتاب خانوں میں موجود ہیں،
(۱۲) تہذیب الاخلاق	فلسفہ اخلاق میں ہے، اور مصر وغیرہ میں بار بار چھپ چکی ہے،
(۱۳) تجارب الامم	فن تاریخ میں ۶ جلدوں میں ہے، طوفان نوح کے بعد کے واقعات سے شروع ہو کر ۳۶۹ھ تک کے واقعات پر ختم ہوئی ہے، اس کا پورا نسخہ کہیں نہیں ملتا تھا، پرنسپل کیتانی ایطالی کو اس کی جستجو ہوئی تو انہوں نے ۱۹۰۶ء میں ڈاکٹر ماردیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

> کے بعد ارسطو کی تصنیفات کے اخلاقی حصے سے زیادہ متاثر ہوا اور دوسرے علوم سے وہ جس علم نفس کو زیادہ اہم سمجھتا تھا، اور نفس کے حالات و انقلابات کے مطالعہ سے وہ اس کی تہذیب و اصلاح کرنا چاہتا تھا ابن مسکویہ کے اس میلان کا یہ اثر ہوا کہ اس نے فلسفہ کی تعلیم کا طریقہ بدل دینا چاہا، اور بجائے اس کے منطق، برہان اور قیاس سے اس کی ابتدا کی جائے، اس نے اس طریقہ کی ابتدا فن اخلاق سے کرنی چاہی، چنانچہ وہ کتاب السعادہ کے صفحہ ۲۶ میں لکھتا ہے کہ ارسطو کے بعض شاگردوں کی جو اس کی کتابوں کا درس دیتے تھے، یہ رائے ہے کہ طالب العلم ان کی ابتدا فن اخلاق کی کتابوں سے کرے تاکہ اس کا نفس مہذب اور شہوات کے گرد وغبار سے پاک و صاف ہو اور اس بارے میں یکسو ہوکر حکمت کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرے ۱ھ

اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی کہ ایرانیوں کو فن اخلاق کے ساتھ ابتدا ہی سے خاص دلچسپی تھی، اور اس فن میں ان کے یہاں تصنیفات کا کافی ذخیرہ موجود تھا، چنانچہ جب عربی زبان میں دوسری قوموں میں کتابوں کا ترجمہ کیا گیا تو ایران کی اخلاقی کتابوں کے ترجمے بھی خاص طور پر کئے گئے، جن میں ادب الکبیر اور ادب الصغیر جن کا ترجمہ عبداللہ ابن مقفع نے کیا تھا، خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں، فن اخلاق کی ایک اور اہم کتاب کلیلہ ودمنہ کا ترجمہ بھی عبداللہ بن مقفع نے کیا تھا، جو پہلے سنسکرت زبان میں تھی، پھر ایک ایرانی طبیب برزویہ نے نوشیرواں کے لئے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور اسی فارسی ترجمہ کو عبداللہ ابن مقفع نے عربی میں منتقل کیا ترجموں کے علاوہ عبداللہ بن مقفع نے اور بھی چند اخلاقی رسالے لکھے مثلاً ادب، والسیاسۃ اور الیتیمہ عملی حیثیت سے بھی ایرانی اخلاق کو نہایت اہمیت دیتے تھے، چنانچہ ایرانی بادشاہوں

۱ھ تاریخ فلسفہ اسلام صفحہ ۳۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اس پر آمادہ کیا، کہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں اس کا پتہ چلائیں، چنانچہ انہوں نے کتب خانہ ایاصوفیا میں اس کا ایک مکمل نسخہ پایا، اور اس کا فوٹو لیا اور گب موریل سیریز نے اسی فوٹو کو شائع کرنا چاہا، چنانچہ اس کی پہلی جلد کو جو ۳۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے ۶۰۰ صفحے میں اس طریقے پر شائع کیا، وزرائے خلافت عباسیہ میں وزیر ابوشجاع المتوفی ۴۸۸ھ نے اس پر ایک ذیل لکھا یہ ذیل اور تجارب الامم کی پانچویں اور چھٹی جلدیں مصر میں چھپ گئی ہیں۔

ابن مسکویہ کی ان تمام تصنیفات میں اس وقت فوز الاصغر، تہذیب الاخلاق اور تجارت الامم کی تین جلدیں مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے ہیں، اور ان ہی پر ہم اختصار کے ساتھ تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔

فوز الاصغر

اس میں ابن مسکویہ نے فلسفہ الٰہی کے تین اہم مسئلوں سے بحث کی ہے جن کا تعلق اسلامی عقائد سے ہے، یعنی

(۱) خدا کا وجود اور اس کے اوصاف کا ثبوت

(۲) نفس کا وجود، اس کا بقا اور مرنے کے بعد اس کے حالات

(۳) نبوت اور اس کے متعلقات، مثلاً وحی و الہام وغیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ان کو فلسفیانہ طریقہ پر ثابت کیا ہے۔

خدا کے وجود پر ابن مسکویہ نے جو استدلال کیا ہے، اس میں ایک حیثیت سے ارسطو سے اتفاق اور ایک حیثیت سے اختلاف کیا ہے، ارسطو کا خیال تھا کہ عالم کا مادہ قدیم ہے، لیکن اس کی حرکت حادث ہے اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے، ابن مسکویہ کے نزدیک بھی خدا کے وجود کی سب سے بدیہی دلیل یہی حرکت ہے جو دو مقدموں پر موقوف ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ کوئی جسم حرکت سے کبھی خالی نہیں ہوتا، کیونکہ حرکت کے معنی صرف انتقال مکانی کے نہیں ہیں، بلکہ ہر جسمانی تغیر کا نام حرکت ہے، جسم کا گھٹنا، بڑھنا، مختلف صورتوں میں بدلنا، غرض تمام جسمانی تغیرات کا نام حرکت ہے، جس سے کوئی جسم خالی نہیں رہتا۔

دوسرا یہ کہ اجسام کی اس دائمی حرکت کے لیے ایک ایسے غیر جسمانی محرک کی ضرورت ہے جو خود متحرک نہ ہو، کیونکہ جسم کی یہ حرکت اگر خود ذاتی ہو اور اس کے لیے کسی محرک کی ضرورت نہ ہو تو اس صورت میں اگر کسی شخص کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تو یہ ذاتی حرکت اس حالت میں بھی قائم رہے گی، کیونکہ جسم کی ذات موجود ہے، حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جسم کا محرک اس کی ذات سے الگ ہے اور وہ خود متحرک اور جسمانی نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ بھی متحرک اور جسمانی ہو تو اس کے لیے بھی ایک محرک کی ضرورت ہوگی اس طرح حرکات غیر متناہیہ کا ایک سلسلہ قائم ہو جائے گا جو محال ہے، اجسام کے اسی غیر جسمانی محرک کو جو خود متحرک نہیں ہے، خدا کہتے ہیں،

لیکن اسی کے ساتھ وہ اس مسئلہ میں ارسطو سے متفق نہیں ہے کہ عالم کا مادہ قدیم ہے جالینوس کا بھی یہی مذہب تھا، اور اس نے اس پر مفصل بحث کی تھی، لیکن اسکندر افرودسی نے جو ایک یونانی حکیم تھا، جالینوس کی تردید میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی، اور یہ ثابت کیا تھا کہ اشیاء کا وجود عدم محض سے ہوتا ہے، چونکہ یہ رائے اسلامی عقائد کے موافق تھی، اس لیے ابن مسکویہ نے اسی کو اختیار کیا اور اسکندر افرودسی کی رائے کی تائید کی چنانچہ وہ لکھتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سر ایک قوم نے جو فلسفہ سے خوب واقف نہیں ہے، جب یہ دیکھا کہ انسان انسان سے اور گھوڑا گھوڑے سے پیدا ہوتا ہے تو انہوں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ کوئی چیز بغیر مادہ کے پیدا نہیں ہو سکتی، جالینوس نے اس پر بحث کی ہے اور اسکندر نے ایک مستقل کتاب میں اس کی تردید کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ ہر چیز عدم محض سے پیدا ہوتی ہے اور ہم اختصار کے ساتھ اس کی توضیح کرتے ہیں۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مادہ جب کوئی صورت بدلتا ہے تو پہلی صورت بالکل فنا ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر پہلی صورت قائم رہے تو اس کی صرف دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ کسی دوسرے جسم میں منتقل ہو جائے، یا یہ کہ خود دوسری صورت کے ساتھ قائم رہے، پہلا احتمال اس لیے باطل ہے کہ صورت ایک عرض ہے، اور عرض بذات خود منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ ہمیشہ اپنے مادہ کے ساتھ حرکت کرتا ہے، دوسرا احتمال بھی صحیح نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک ہی مادہ میں متضاد صورتیں جمع ہو جائیں، مثلاً اگر ہم موم کے ایک کرہ کو مسطح شکل میں بدل دیں تو اس صورت میں گول بھی ہوگا، اور چپٹا بھی، اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ دوسری صورت کے پیدا ہونے سے پہلی صورت معدوم ہو جاتی ہے اور جب یہ ثابت ہوا کہ پہلی صورت موجود ہونے کے بعد معدوم ہو جاتی ہے تو دوسری صورت کے متعلق بھی یہ ماننا پڑے گا کہ وہ عدم سے وجود میں آئی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ یا تو خود اس مادہ میں موجود ہوگی یا دوسرے مادہ سے منتقل ہو کر اس میں آئی ہوگی لیکن ہم ان دونوں احتمالوں کو باطل کر چکے ہیں۔

اس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ اعراض یعنی صورت رنگ و بو اور تمام کیفیات عدم سے وجود میں آئی ہیں رہ گیا مادہ تو اس کے عدم سے وجود میں آنے کی صورت یہ ہے کہ جب موجودات کی تحلیل کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنس غیر جنس سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً حیوان نطفہ سے، نطفہ خون سے خون غذا سے، غذا نباتات سے نباتات اجسام مرکبہ سے اور اجسام مرکبہ عناصر سے اور عناصر ہیولیٰ اور صورت سے پیدا ہوتے ہیں اور چونکہ ہیولیٰ اور صورت سب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے پیدا ہوتے ہیں، اور باہم لازم ملزوم ہیں، اس لیے ان کی تحلیل صرف عدم محض کی طرف ہوگی اور ان کا وجود کسی چیز سے نہ ہوگا۔

اثباتِ نفس

نفس کی ماہیت، وجود اور جسم سے الگ ہونے کے بعد اس کے بقا کا مسئلہ اگرچہ ایک دقیق مسئلہ ہے تاہم جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ نفس ایک جوہر قائم بالذات اور غیر فانی ہے اور وہ جسم، عرض اور مزاج کا نام نہیں ہے، معاد کا ثبوت نہیں ہو سکتا اس لیے ابن مسکویہ نے متعدد دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ نفس جسمانی نہیں ہے۔

(۱) ایک دلیل یہ ہے کہ تمام اجسام میں یہ مشترک خصوصیت پائی جاتی ہے کہ جب وہ ایک صورت قبول کر لیتے ہیں تو جب تک وہ صورت فنا نہ ہو جائے، دوسری صورت قبول نہیں کر سکتے، مثلاً چاندی کا ایک پیالہ اس وقت تک صراحی کی صورت اختیار نہیں کر سکتا، جب تک پیالے کی صورت فنا نہ ہو جائے لیکن نفس کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے وہ ایک ہی حالت میں مختلف صورتیں قبول کرتا ہے بلکہ جس کثرت سے اس میں معقولات کی صورتیں آتی جاتی ہیں اسی قدر اس کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور وہ دوسرے معقولات کی صورت کے قبول کرنے کے لیے زیادہ آمادہ ہوتا جاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جسمانی نہیں ہے۔

مختلف صورتوں کے قبول کرنے کی صلاحیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفس مرتبہ، ذات میں تمام صورتوں سے خالی ہے، مثلاً ہوا میں ہر رنگ اور ہیولیٰ میں ہر صورت کے قبول کرنے کی صلاحیت اسی لیے ہے کہ ہوا بذات خود ہر رنگ سے اور ہیولیٰ بذات خود ہر صورت سے خالی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ نفس جسم اور عرض نہیں ہے، بلکہ ایک جوہر بسیط ہے، کیونکہ ہر چیز ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہوتی ہے اور چونکہ مرتبہ ذات میں نفس کی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں ترکیب نہیں پائی جاتی، جسم بھی ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہوتا ہے اس لیے نفس جسم بھی نہیں ہے، اعراض کی بھی کوئی نہ کوئی ہیولانی صورت ہے اس لیے نفس عرض بھی نہیں ہے عرض وہ مرتبہ ذات میں صورت سے بالکل خالی ہے، اس لیے ہر صورت کو یکساں طور پر قبول کر لیتا ہے جس طرح ہوا جو ہر رنگ سے خالی ہے تمام رنگوں کو یکساں طور پر قبول کرتی ہے۔

ابن مسکویہ نے نفس کے غیر جسمانی ہونے پر اور بھی متعدد دلائل قائم کئے ہیں جو سب کے سب ضعیف ہیں اس لیے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں، البتہ ان میں سب سے قوی دلیل جو ہے اس کو اس نے نہایت اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے، اس لیے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہ بداہتہً نظر آتا ہے کہ انسانی جسم کے تمام چھوٹے بڑے اعضا کی حیثیت صرف ایک آلہ کی ہے، جن سے کوئی اور قوت کام لیتی ہے مثلاً آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، کان جو کچھ سنتے ہیں ناک جو کچھ سونگھتی ہے، ہاتھ جو کچھ چھوتے ہیں ان کے یہ تمام احساسات خود ان کے کام نہیں آتے بلکہ کوئی اور قوت ان سے فائدہ اٹھاتی ہے یہ آلات بعض موقعوں پر اپنے ادراکات میں غلطی کرتے ہیں مثلاً ایک بڑی چیز دور سے چھوٹی نظر آتی ہے اور اس وقت ایک دوسری قوت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آنکھ نے اس موقع پر غلطی کی ہے اب صرف یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو چیز ان آلات سے کام لیتی ہے وہ خود جسم ہی کا ایک حصہ ہے، لیکن یہ بھی ایک آلہ یا آلہ کا ایک جزو ہوگا اس لیے ان آلات سے جو چیز کام لینے والی ہے وہ لازمی طور پر جسم نہ ہوگی اور جب جسم نہ ہوگی تو مزاج اور عرض یعنی جسم کی ساخت اور ترکیب کی بھی کوئی کیفیت نہیں ہو سکتی کیونکہ مزاج ترکیب اور تمام اعراض جسم کے تابع ہوتے ہیں، اور ان کا درجہ جسم سے کم ہوتا ہے اس لئے وہ جسم کے تمام اجزاء ظاہری و باطنی پر حکومت نہیں کر سکتے۔

جب یہ ثابت ہو چکا کہ نفس، جسم، عرض اور مرکب نہیں ہے بلکہ ایک جوہر بسیط ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ فانی نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے فانی ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی صورت بدل جاتی ہے، اور اس کے اجزائے ترکیبی الگ الگ ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں لیکن جو چیز بسیط اور ہر قسم کے صورتوں سے خالی ہے نہ اس کے اجزاء کی تحلیل ہو سکتی ہے نہ اس کی صورت بدل سکتی ہے۔

معاد

نفس کے وجود اور بقا کے بعد اس نے معاد کا اثبات کیا ہے، اگرچہ وہ حکیمانہ اصول کے مطابق معاد روحانی کا قائل ہے تاہم اس نے شریعت کی ضرورت کو بھی تسلیم کیا ہے اور شریعت اور حکمت میں تطبیق دی ہے بہر حال معاد روحانی کے اثبات پر اس نے جو دلائل قائم کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس میں دو قسم کی حرکتیں پائی جاتی ہیں، ایک کا رخ عقل اول کی طرف اور دوسری کا جسم ہیولانی کی تکمیل کے لیے آلات طبعیہ کی طرف ہوتا ہے پہلی حرکت سے اس کو سعادت حاصل ہوتی ہے، اور دوسری حرکت اس کے درجہ کو پست کر دیتی ہے تدمارلے نفس کی حرکت کے ان ہی دونوں رخ کا نام علو اور سفل رکھا ہے لیکن اس سے جسم کی وہ حرکت مقصود نہیں جو بلندی اور پستی کی طرف ہوتی ہے البتہ ان الفاظ کے سوا وہ اس کا بیان کسی دوسرے طریقہ سے نہیں کر سکتے تھے، شریعت نے اس کی تعبیر یمین و شمال یعنی دائیں بائیں سے کی ہے غرض پہلی حرکت کا رخ روحانیات کی طرف ہوتا ہے جس کی انتہا ذات خداوندی پر ہوتی ہے اور نفس کی یہی اصلی سعادت ہے دوسری حرکت اس کو مادیات اور شہوانیات کے غار میں دھکیل دیتی ہے جو نفس کی اصلی شقاوت ہے لیکن نفس کو یہ سعادت صرف حکمت سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ حکمت کے دو جز ہیں، ایک نظری اور دوسرا عملی، نظری سے صحیح رائیں حاصل ہوتی ہیں، اور عمل سے وہ شریفانہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں جن سے اعمال حسنہ کا ظہور ہوتا ہے، پیغمبروں کی بعثت ان ہی دونوں اجزاء کی تکمیل کے لیے ہوتی ہے اس لیے جو شخص ان کے راستہ پر چلے گا وہ صراط مستقیم پر ہوگا، اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا وہ دوزخ کے گڑھے میں گر پڑے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ پیغمبروں کی دعوت کی صحت اور صداقت صرف حکمت سے معلوم ہو سکتی ہے، کیونکہ حکماء نے موجودات کی جو ترتیب قائم کی ہے اس سے عالم کے تمام اجزاء یعنی اس کی طبیعت، اس کے تمام قوائے مدبرہ کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور یہ منکشف ہو جاتا ہے کہ یہ تمام قوتیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے کی مدبر ہیں اور اس حکیمانہ ربط، ترتیب اور تدبیر کی انتہا ایک ایسے عالم پر ہوتی ہے جو سراسر روحانی اور کل عالم کا مدبر ہے، اور عالم کے تمام اجزاء میں اسی طرح ساری ہے جس طرح یہ قوتیں اجسام طبیعہ میں ساری ہیں، اس انکشاف سے اس کو ایک ایسی روحانی لذت حاصل ہوتی ہے، جو جسمانی لذتوں سے بالکل مختلف ہے، جسمانی لذت تکلیف سے راحت پانے کا نام ہے لیکن یہ ایک روحانی لذت ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتی، نہ کوئی شخص اس کے زائل کرنے کی قدرت رکھتا نہ اس میں دوسروں کی شرکت سے کمی ہوتی ہے، بلکہ دوسروں کی شرکت سے اس میں اور اضافہ ہوتا ہے، البتہ جو لوگ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں ان کے درجے مختلف ہوتے ہیں اور ان ہی درجوں کا نام مقامات ہے، البتہ جب تک ہم اس ہیولانی دنیا میں موجود ہیں، اس لذت کا تصور نہیں کر سکتے اسی لیے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین — لوگوں کے لیے آنکھوں کی جو ٹھنڈکیں مخفی رکھی گئی ہیں ان کو کوئی شخص جان نہیں سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں جو لذتیں ہیں ان کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی کے دل میں ان کا احساس پیدا ہوا۔ مرنے کے بعد اس دنیا سے قطع تعلق ہو جاتے ہی پر اس کا علم ہو سکتا ہے اس دنیا میں صرف رموز و اشارات، اور امثال کے ذریعہ سے اس کی حقیقت بیان کی جا سکتی ہے، یہی درجہ فلسفہ کی آخری منزل ہے، لیکن عام لوگ اس کو سمجھ سکتے، کیونکہ محسوسات کے سوا وہ کسی چیز کو نہیں جانتے، اس لیے ارباب بصیرت اندھوں کی طرح ان پر رحم کرتے ہیں اور ان حقائق کو محسوسات اور امثال کے ذریعہ سے سمجھاتے ہیں تاکہ ان کو سکون قلب حاصل ہو، اور ان کا بالکل انکار نہ کردیں، انبیاء علیہم السلام باوجود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تائید غیبی سے عوام کو توحید کی تعلیم اس سے زیادہ نہ دے سکے کہ خدا ایک عظیم الشان جسم[1] ہے اور ایک بہت بڑے تخت پر جس کے اردگرد حشم و خدم کا ہجوم ہے بیٹھا ہوا ہے اگر وہ اس طریقہ کے سوا یہ تعلیم دوسرے طریقہ سے دیتے تو وہ لوگ خدا کا انکار کر دیتے۔

نبوت

ابن مسکویہ کے نزدیک نبوت کی حقیقت کے سمجھنے کے لیے موجودات کی ارتقائی ترتیب پر غور کرنا چاہیئے موجودات عالم میں زندگی کا اثر سب سے پہلے نباتات پر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ ان میں حرکت پائی جاتی ہے، اور وہ غذا کے محتاج ہوتے ہیں، اور ان ہی دونوں خصوصیات کی وجہ سے وہ جمادات سے ممتاز ہو جاتے ہیں، لیکن اس متحرک زندگی کے بہت سے مراتب ہیں، ایک درجہ تو ان نباتات کا ہے، جو بغیر تخم کے زمین سے اگتے ہیں اور تخم کے ذریعہ سے اپنی نوع کو محفوظ نہیں رکھتے، ان میں اور جمادات میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے، اس کے بعد اس کی زندگی کے اثر میں ترقی ہوتی ہے اور وہ نباتات پیدا ہوتے ہیں جن میں شاخ و برگ ہوتے ہیں اور وہ اپنی نوع کو تخم کے ذریعہ سے محفوظ رکھتے ہیں، اور وہ پہلی قسم سے زیادہ حکمت الہی کا مظہر ہوتے ہیں اس ترقی کی رفتار آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایسے درخت پیدا ہو جاتے ہیں جن میں تنا، پتے، پھل سب کچھ ہوتے ہیں، اور اسی پھل کے ذریعہ سے وہ اپنی نوع کو محفوظ رکھتے ہیں لیکن ان کا ابتدائی درجہ پہلے درجہ سے ملا ہوا ہے کیونکہ جو درخت پہاڑوں، میدانوں، اور جنگلوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ اگرچہ اپنے تخم کے ذریعہ سے اپنی نوع کو محفوظ رکھتے ہیں، لیکن وہ لگائے نہیں جاتے اور بہت دیر میں نشوونما پاتے ہیں، پھر اس میں اور بھی ترقی ہوتی ہے، یہاں

---

[1] لیکن اسلام کا تصور توحید اس سے مختلف ہے اور اس میں سراسر تنزیہ ہے، اور جن الفاظ کے جسم کا شبہہ ہوتا ہے اس سے ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ صرف تمثیل کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک کہ وہ درخت پیدا ہو جاتے ہیں جن کے لیے عمدہ زمین، عمدہ پانی اور عمدہ ہوا کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً زیتون، انار، سیب اور انجیر وغیرہ اس درجہ کی ترقی کی رفتار انگور اور کھجور تک پہنچتی ہے جو نباتات کی ترقی کی آخری منزل ہے، اور اگر وہ اس حد سے آگے ترقی کر جائیں تو وہ نباتات کی نوع سے نکل کر حیوانی صورت اختیار کر لیں گے کیونکہ کھجور میں متعدد حیثیتوں سے حیوانی خصائص پائے جاتے ہیں، ایک یہ کہ ان میں نر و مادہ الگ الگ ہوتے ہیں اور اس کے بار آور ہونے کے لیے عمل تولید کی ضرورت ہوتی ہے دوسرے یہ کہ جڑ اور رگ و ریشہ کے علاوہ اس میں ایک اور چیز ہوتی ہے جس کو جمار کہتے ہیں، یہ بمنزلہ حیوانات کے دماغ کے ہے، جس کو اگر کاٹ دیا جائے تو کھجور کا درخت فنا ہو جائے گا، اس کے علاوہ کھجور اور حیوان میں اور بہت سی مشابہتیں موجود ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نباتات کی ترقی کی آخری منزل حیوانات کی ابتدائی ترقی کے درجہ سے مل جاتی ہے کیونکہ اس آخری منزل پر پہنچ کر نباتات میں صرف اس قدر ترقی ہوتی ہے کہ ان کو زمین میں لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس کے بغیر بھی حرکت اختیاری کر سکتے ہیں، حیوانیت کا یہ نہایت ابتدائی درجہ ہے، کیونکہ اس درجہ میں ان میں صرف ایک حس عام یعنی حس لمس پیدا ہو جاتی ہے، بقیہ جو اس سے وہ محروم رہتے ہیں، مثلاً سیپ اور گھونگھے جو سمندروں کے کنارے پائے جاتے ہیں، اگر ان کو تیزی کے ساتھ اٹھایا جائے تو وہ اپنی جگہ فوراً چھوڑ دیتے ہیں اور اگر آہستہ آہستہ اٹھایا جائے تو اپنی جگہ پر جمے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ ایک شخص ان کو اٹھانا چاہتا ہے اس لیے اگر وہ اپنی جگہ پر چمٹے رہیں گے، تو وہ ان کو مشکل سے اٹھا سکے گا، یہ اگرچہ زمین میں لگائے نہیں جاتے اور ان میں کسی قدر زندگی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں تاہم ان میں اور نباتات میں ایک قسم کی مناسبت پائی جاتی ہے۔

پھر اس کے بعد اور ترقی ہوتی ہے اور ان میں حرکت اور حس کی قوت زیادہ ہوتی جاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، مثلاً کیڑے مکوڑے پیدا ہوجاتے ہیں، پھر وہ جانور پیدا ہوتے ہیں جن میں صرف چار حواس پائے جاتے ہیں مثلاً گھوندر وغیرہ، پھر اور ترقی ہوتی ہے اور ان میں قوت باصرہ پیدا ہوجاتی ہے مگر وہ ضعیف ہوتی ہے، مثلاً چیونٹی اور شہد کی مکھی کہ ان کی آنکھوں میں پپوٹے نہیں ہوتے، اس کے بعد ایسے حیوانات پیدا ہوتے ہیں جن میں پانچوں حواس پائے جاتے ہیں، یہ حیوانیت کا کامل ترین درجہ ہے لیکن اس میں بھی فرق مراتب ہوتا ہے، بعض حیوانات غبی اور بعض ذکی الحس ہوتے ہیں، جو تربیت اور امر ونہی کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مثلاً گھوڑا اور باز، اس کے بعد حیوانیت کی ترقی کی آخری منزل انسان کے ابتدائی درجہ سے مل جاتی ہے، اور بندر وغیرہ جانور پیدا ہوجاتے ہیں جن میں اور انسان میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے اس درجہ پر پہنچ کر اس قدر سیدھا ہوجاتا ہے، اور اس میں کسی قدر قوت تمیز پیدا ہوجاتی ہے اور وہ تربیت کا اثر قبول کرتا ہے، یہ حیوانیت کا اعلیٰ ترین اور انسانیت کا ادنیٰ ترین درجہ ہے، اور اس درجہ کے انسان حبشی وغیرہ ہیں، جن میں اور حیوانات میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے، رفتہ رفتہ اس میں اور ترقی ہوتی ہے، یہاں تک کہ نہایت ذہین وفطین انسان پیدا ہوجاتے ہیں جو علوم وفنون کے مشکل مسائل حل کرسکتے ہیں، ان میں بھی ہر فرد کی ذہانت مختلف ہوتی ہے یہاں تک کہ ایسے انسان پیدا ہوجاتے ہیں جو آئندہ واقعات کے متعلق پیشین گوئی کرسکتے ہیں اور غیب کی خبریں دے سکتے ہیں، انسان اس درجہ کو پہنچ کر ملکوتیت سے قریب تر ہوجاتا ہے اور اس میں اور فرشتوں میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے، اسی درجہ کا نام رسالت اور نبوت ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابن مسکویہ نے نبوت کی حقیقت پر جو کچھ لکھا ہے، وہ حکمائے یونان سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ یہ باطنیوں کی صدائے بازگشت ہے، چنانچہ رسائل اخوان الصفاء میں نبوت کی حقیقت بالکل موجودات کی اسی ارتقائی ترتیب سے ثابت کی گئی ہے اور ان رسالوں کے مصنفین نے لکھا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معدنیات کا ابتدائی درجہ خاک سے اور انتہائی درجہ نباتات سے، اسی طرح نباتات کا آخری درجہ حیوانات سے اور حیوانات کا آخری درجہ انسان سے اور انسان کا آخری درجہ ملائکہ سے جا کر مل جاتا ہے۔[1]

اس کے بعد نہایت تفصیل سے نباتات و حیوانات کی ابتدائی اور انتہائی مدارج کی ترتیب بیان کی ہے اور آخر میں انسانیت کا وہ آخری درجہ جہاں پہنچ کر انسان فرشتوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، بیان کیا ہے، اور اس کے اوصاف و خصائص بیان کئے ہیں، اور یہ وہی اوصاف و خصائص ہیں جو پیغمبروں میں پائے جاتے ہیں۔

فلسفہ اخلاق

یونانی کتابوں کے تراجم کے سلسلہ میں اگرچہ حکمائے یونان کے فلسفہ اخلاق کی کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے تھے، لیکن چوتھی صدی تک حکمائے اسلام نے خود فلسفیانہ اصول کے مطابق خالص فلسفہ اخلاق پر کوئی کتاب نہیں لکھی تھی، ابن مسکویہ پہلا شخص ہے جس نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بالکل فلسفیانہ انداز پر لکھی چنانچہ خود لکھتا ہے کہ ہم نے یہ کتاب عوام کے لیے نہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے لکھی ہے جو فلسفہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔[2]

ابن مسکویہ سے پہلے مصنفین رسائل اخوان الصفاء نے ایک مستقل رسالہ اخلاق پر لکھا تھا لیکن اس کا انداز زیادہ تر مذہبی اور واعظانہ تھا، تاہم اس سے جو فلسفیانہ باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انسان کی فطرت اور اخلاق میں جو اختلافات پیدا ہوتے ہیں ان کے چار سبب ہیں:

---

[1] رسالہ اخوان الصفا جلد ۴ ص ۳۱۴ [2] تہذیب الاخلاق ص ۸۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ ایک سبب اخلاط اور ان کے مزاج کا اختلاف ہے مثلاً گرم مزاج لوگ زیادہ تر بہادر اور فیاض ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرا سبب سرزمین اور آب و ہوا کا اختلاف ہے کیونکہ ان چیزوں کا اثر اخلاط پر پڑتا ہے اور اخلاط کے تغیرات سے اخلاق میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسرا سبب آبائی مذہب، اساتذہ، مربی اور معلم ہیں مثلاً جو بچے بہادروں اور شہسواروں کے ساتھ نشو و نما پاتے ہیں وہ بھی بہادر ہو جاتے ہیں اور جن کی تربیت عورتوں اور مخنثوں کے ساتھ ہوتی ہے، ان میں زنانہ پن پیدا ہو جاتا ہے، ماں، باپ، بہن بھائی، دوست و احباب، مربی اساتذہ اور مذہب کے اثر کو بھی ان ہی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

۴۔ چوتھا سبب احکام نجوم کا اختلاف ہے مثلاً جو بچے ایسے اوقات میں پیدا ہوتے ہیں جن میں آتشیں ستارے بروج آتشیں میں ہوتے ہیں ان کا مزاج گرم ہوتا ہے، اس لیے ان میں وہی اخلاق پائے جاتے ہیں جو گرم مزاج والوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اس تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اخلاق کی دو قسمیں ہیں، ایک تو فطری اخلاق جو اخلاط مزاج، آب و ہوا اور ستاروں کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں، دوسرے کسبی اخلاق جو تعلیم و تربیت اور مذہب وغیرہ کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں، اس سے اخلاق کی تعریف بھی نکل آئی یعنی فطری اخلاق وہ ہیں جو انسان سے بغیر غور و فکر کے نہایت آسانی کے ساتھ ظہور پذیر ہوں، مثلاً جو شخص فطرتاً بہادر ہوتا ہے وہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال سکتا ہے، لیکن جو شخص فطرۃً بہادر نہیں ہوتا اس کو بہادری کے کام کرنے میں غور و فکر، ریاضت اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صرف وعد، وعید، مدح و ذم اور ترغیب و ترہیب سے اس کام کو کر سکتا ہے شریعت بلکہ تعلیم و تربیت کا تعلق اسی دوسری قسم یعنی کسبی اخلاق سے ہے اور شریعت میں جو وعد وعید اور ترغیب و ترہیب بہ کثرت آئی ہے اس کا فلسفہ یہی ہے۔

۲۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ان کے اخلاق کے مطابق ہوتا ہے، مثلاً بعض مذاہب کا میلان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعصب اور جنگ وجدل کی طرف اور بعض کا زہد ورع اور نرمی اور خوش اخلاقی کی طرف ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان مذاہب کے پیرووں کی اخلاقی حالت مختلف ہوتی ہے اور اسی اخلاقی اختلاف کے بموجب وہ اپنا مختلف عقیدہ قائم کر لیتے ہیں اس کے برعکس بعض لوگوں کے اخلاق، ان کے عقیدے کے مطابق ہوتے ہیں، کیونکہ ایسا شخص جب کسی عقیدہ یا مذہب کا پابند ہوتا ہے تو ہر طریقے سے اپنے عقیدہ اور مذہب کی تائید کرتا ہے، اس لیے یہ اس کی اخلاقی فطرت ہو جاتی ہے اور وہ صرف ان ہی اخلاق کی پابندی کرتا ہے جو اس کے عقیدے کے مطابق ہوتے ہیں۔

۲۔ انسان میں جو فطری اخلاق پائے جاتے ہیں ان میں بعض تو

۱۔ نفس نباتیہ کی طرف منسوب ہیں، مثلاً کھانے پینے کی خواہش، اور ان سے لطف اندوزی

۲۔ بعض نفس حیوانیہ کی طرف منسوب ہیں، مثلاً مباشرت، انتقام اور ریاست کی خواہش۔

۳۔ بعض نفس ناطقہ کی طرف منسوب ہیں، مثلاً صنعت وحرفت، عزت و رفعت کی خواہش۔

یہ تمام اخلاق اگرچہ تمام انسانوں میں فطرۃً پائے جاتے ہیں لیکن ہر شخص ان میں سے وہ اخلاق اختیار کر لیتا ہے جس کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں، جس کو صنعت وحرفت کے اسباب میسر آجاتے ہیں وہ صناع ہو جاتا ہے، جس کو علوم وفنون کے سامان مل جاتے ہیں وہ عالم ہو جاتا ہے جس کو سلطنت مل جاتی ہے وہ عزت رفعت اور ریاست حاصل کر لیتا ہے جس کو عیش وتنعم کے ذرائع مل جاتے ہیں وہ عیش پسند اور شہوت پرست ہو جاتا ہے۔

۴۔ بعض نفس عاقلہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً علوم ومعارف کی خواہش۔

۵۔ بعض نفس قدسیہ ملکیہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً خدا سے تقرب اور فیض حاصل کر کے اپنے ابنائے جنس کی طرف پہنچانے کی خواہش۔

لیکن یہ تمام خواہشیں ایک عام اور عالمگیر خواہش کے زیر اثر ہیں جو تمام انسانوں میں مشترک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر پائی جاتی ہے اور وہی ان تمام خواہشوں کا سرچشمہ ہے یعنی ہر انسان میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ بہترین حالات میں زندہ رہے اور فنا ہونے نہ پائے اور یہی خواہش دوسری تمام فطری خواہشوں کی بنیاد ہے اور اور یہ تمام فطری خواہشیں انسان کے تمام اخلاق کا اصول ہیں اس اصول کے مطابق سعادت انسانی کی دو قسمیں ہیں ایک سعادت دنیوی جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان جہاں تک ممکن ہو بہترین حالات میں زندہ رہے، دوسرے سعادت دینی جس کا منشا یہ ہے کہ انسان بہترین حالات میں اخروی زندگی بسر کرے اسی سے دنیوی اور دینی اخلاق یا دوسرے الفاظ میں اہل دنیا اور اہل آخرت کے اخلاق کی تحدید و تقسیم بھی ہو جاتی ہے، دنیوی یا اہل دنیا کے اخلاق وہ ہیں جن میں کسب و اختیار، غور و فکر، ریاضت و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں، بلکہ فطرۃً ان کا ظہور ہوتا ہے، اور اس حالت میں انسان کا درجہ حیوانات سے ممتاز نہیں ہوتا، اس کے بخلاف دینی یا اہل آخرت کے اخلاق وہ ہیں جو کسب و اختیار، غور و فکر اور ریاضت و اجتہاد سے حاصل ہوتے ہیں، شریعت کے اوامر و نواہی، وعد و وعید اور ترغیب و ترہیب پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا ان کا تعلق اسی کسبی اور عقلی اخلاق سے ہے، جو فطری اخلاق کے بالکل ضد واقع ہوتے ہیں، روزہ رکھنا، سردی میں وضو کرنا، نرم بستر کو چھوڑ کر راتوں کو نماز کے لیے اٹھنا، بھوکوں اور محتاجوں کے ساتھ ہمدردی کرنا، ہیجان شہوت کی حالت میں پاکدامنی اختیار کرنا، غصہ کے وقت تحمل و بردباری کرنا، مصیبت میں صبر کرنا، دنیوی ساز و سامان کے باوجود زہد اختیار کرنا، یہ سب دینی اور اخروی اخلاق ہیں جو انسان کی فطری خواہشوں کے بالکل مخالف ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے معنی پوچھے گئے۔

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض	عفو و درگزر کرو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے
عن الجاھلین	منہ موڑ لو،

تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں تمام محاسن اخلاق جن کی تعداد سات ہے، جمع کر دیئے گئے ہیں، ایک یہ کہ جو شخص تم پر ظلم کرے، اس کو معاف کر دو، جو شخص تم کو محروم کرے اس کو دو، جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص تم سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق پیدا کرو جو شخص تم سے بدسلوکی کرے اس سے سلوک کرو جو شخص تمہاری بدخواہی کرے اس کی خیر خواہی کرو، جو شخص تمہاری غیبت کرے اس کے لیے استغفار کرو، جو شخص تم کو غصہ دلائے اس کے ساتھ بردباری کرو" اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام اخلاق فطری اخلاق کے ضد واقع ہوئے ہیں۔

یہ رسائل اگرچہ ابن مسکویہ ہی کے زمانے میں لکھے گئے، لیکن ابن مسکویہ نے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ حکمائے قدیم یونان نے فلسفۂ اخلاق کے متعلق جو نظریے قائم کئے تھے ان کو پیش نظر رکھ کر اس فن کے مہمات مسائل کی تفصیل کی، اس نے جس ترتیب سے حکمائے یونان کے نظریات کے مطابق اخلاقی مسائل کی تشریح کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک روح ہے، جو جسم اور عرض نہیں ہے بلکہ ایک مستقل جوہر ہے، اور اس میں خاص خاص قوی وملکات ہیں جو اور جانوروں میں نہیں پائے جاتے، ان ہی سے انسان تمام جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے، اور ان ہی سے اس کی انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، انسان کے یہ مخصوص قوی ملکات وہ ہیں جو ارادہ، تمیز اور غور وفکر سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن اس قسم کے افعال اراد یہ برے بھی ہوتے ہیں اور بھلے بھی، لیکن برائی اور بھلائی کا معیار یہ ہے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے کا جو مقصد ہے، اگر اس کے افعال واعمال سے وہ مقصد پورا ہوتا ہے تو وہ اچھی ورنہ بری ہے مثلاً گھوڑے کے پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ چست وچالاک اور تیز رو ہو اگر اس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں تو وہ بہترین گھوڑا ہے ورنہ گدھے سے بھی بدتر ہے، اسی لیے انسان جس غرض سے پیدا کیا گیا ہے، اگر اس کے افعال واعمال سے یہ غرض پوری ہوتی ہے تو وہ انسان کامل ہے، اور اگر اس کے افعال واعمال اس کے مخالف ہیں تو وہ جانور ہے لیکن چونکہ اس قسم کے قوی ملکات اور افعال نہایت کثرت سے ہیں، اس لیے ایک انسان تمام فرائض واعمال کے ادا کرنے کی قوت نہیں رکھتا بلکہ ان کی تکمیل کے لیے مختلف جماعتوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس بناء پر انسان گویا ایک جسم ہے، جس کے مختلف اعضا ہیں جن کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باہمی معاونت سے اس جسم کی تکمیل ہوتی ہے۔

اس اصول کی بنا پر وہ رہبانیت اور ترک دنیا کو کوئی اخلاقی فضیلت نہیں قرار دیتا بلکہ اس کے نزدیک اس حالت میں انسان کی تمام اخلاقی قوتیں مردہ ہوجاتی ہیں، اور وہ بمنزلہ جمادات کے ہوجاتا ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ تمام حیوانات میں انسان اپنی ذات کی تکمیل خود نہیں کرسکتا، بلکہ اس کے لیے ایک بہت بڑی قوم کی اعانت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے حکما کا قول ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے، یعنی وہ ایک ایسے شہر کا محتاج ہے جس میں بہت سے لوگ رہتے ہوں، تاکہ اس طریقے سے سعادت انسانیہ کی تکمیل ہو، اس لیے ہر انسان طبعاً وضرورۃً دوسرے کا محتاج ہے، اور اس لیے ان کی دوستی، معاشرت اور محبت پر مجبور ہے جب یہ ایک طبعی اور ضروری چیز ٹھہری تو ایک عقلمند آدمی تنہائی اور بے تعلقی کی زندگی کو کیونکر پسند کرسکتا ہے؛ اس لیے جو لوگ انسانوں سے الگ رہ کر پہاڑوں کے غاروں یا میدانوں میں خانقاہیں بناکر یا شہروں کی سیاحت میں مشغول رہ کر زندگی بسر کرتے ہیں، ان کو کوئی انسانی فضیلت نہیں حاصل ہوتی، جو لوگ لوگوں سے مل جل کر شہروں میں نہیں رہتے، ان سے پاک دامنی فیاضی اور عدالت کا اظہار نہیں ہوسکتا، بلکہ ان کے تمام قویٰ وملکات بیکار ہوجاتے ہیں، اور ان سے برائی اور بھلائی کچھ بھی صادر نہیں ہوتی، اور اس صورت میں وہ بمنزلۂ جمادات اور مردوں کے ہوجاتے ہیں، اس لیے وہ لوگ خود اور دوسرے لوگ بھی ان کی نسبت گمان کرتے ہیں کہ وہ پاکدامن ہیں، حالانکہ پاک دامن نہیں ہیں، عادل ہیں، حالانکہ عادل نہیں ہیں، اور تمام فضائل اخلاق کا یہی حال ہے، یعنی جب ان سے برائیاں صادر نہیں ہوتیں، تو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان میں فضائل اخلاق پائے جاتے ہیں، حالانکہ فضائل اخلاق عدمی چیز نہیں ہیں بلکہ وہ افعال واعمال ہیں جو انسانوں کی مشارکت اور مختلف قسم کے اجتماعات میں ظاہر ہوتے ہیں[1]۔

---

[1] تہذیب الاخلاق ص ۳۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب سوال یہ ہے کہ انسان کے پیدا کرنے کی غرض وغایت کیا ہے؟ ایک گروہ کے نزدیک انسان کے پیدا کرنے کا مقصد صرف مادی لذتیں ہیں، اور اس کے تمام قوی وملکات ان ہی لذتوں کے حاصل کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، مثلاً اس کو قوت حافظہ اس لیے دی گئی ہے کہ جب اس کو کھانے پینے کی لذت یاد آئے تو اس کے دل میں دوبارہ اس کا شوق پیدا ہو اور وہ دوبارہ اس کو حاصل کرے، جنت کا شوق ان لوگوں کے دلوں میں اسی لذت کے حاصل کرنے کے لیے پیدا ہوتا ہے جو لوگ زہد ورہبانیت اختیار کرتے ہیں، ان کا مقصد بھی ان ہی لذتوں کا حاصل کرنا ہوتا ہے، کیونکہ وہ تھوڑی سی لذتوں کو اس لیے چھوڑتے ہیں کہ بڑی لذتوں کو حاصل کریں گویا یہ ایک قسم کی منفعت بخش تجارت ہے لیکن یہ اس گروہ کی سخت غلطی ہے اولاً تو اس حالت میں انسان دوسرے تمام جانوروں بلکہ کیڑوں مکوڑوں تک ممتاز نہیں ہوتا دوسرے انسان متضاد عناصر یعنی حرارت برودت یبوست اور رطوبت سے مرکب ہے، اور کھانے پینے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ اجزائے بدنی کے تحلیل ہونے سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان کے ذریعہ سے ان کا علاج کیا جائے اور اس کی جسمانی ترکیب میں خلل نہ آنے لیکن مرض کا علاج سعادت یا فضیلت نہیں ہے بلکہ سعید صرف وہ شخص ہے جس کو مرض لاحق ہی نہ ہو۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ گروہ جب کسی شخص کو دیکھتا ہے کہ اس نے ان لذتوں کو بالکل چھوڑ دیا ہے، روزے رکھتا ہے گھاس پات کھا کر زندگی بسر کرتا ہے تو وہ اس کی نہایت عزت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس گروہ میں ایک ایسی قوت ممیزہ ہے جو اس کو یہ بتاتی ہے کہ فضیلت کوئی دوسری چیز ہے اور اسی فضیلت کی بناء پر وہ اس شخص کی عزت کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی سعادت لذت اور ترک لذت نہیں ہے، بلکہ اس کی سعادت اس کی ترکیب سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ انسان ایک مرکب چیز ہے اور مرکبات کا کمال اس کے اجزاء کے کمال سے مختلف ہوتا ہے، مثلاً تخت کا کمال لکڑی کا کمال نہیں ہے بلکہ لکڑی کے باہم جوڑنے سے جو شکل پیدا ہوئی ہے وہی اس کا کمال ہے، اس اصول کے مطابق انسان دو قوتوں کا مجموعہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، ایک قوت عاقلہ جس کے ذریعہ سے وہ علوم و معارف حاصل کرتا ہے دوسری قوتِ فاعلہ جس کے ذریعہ سے وہ تمام امور میں تنظیم و ترتیب پیدا کرتا ہے اس لیے انسان کی سعادت ان ہی دونوں اجزا یعنی جزو نظری اور جزو عملی کی ترکیب ہے پہلے جزو کے ذریعہ سے وہ صحیح علوم اور صحیح عقائد حاصل کرتا ہے اور اس پر الہیات کے تمام اسرار منکشف ہو جاتے ہیں، دوسرے جزو کے ذریعہ سے وہ اخلاقی کمال حاصل کرتا ہے جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنے تمام قویٰ و افعال کو اس طرح مرتب کرتا ہے کہ ان میں ایک قوت دوسری قوت پر غالب نہ آنے پائے بلکہ ان میں باہم مصالحت ہو جائے یہ ترتیب پہلے تو ایک شخص کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے، پھر ترقی کرتے کرتے ایک تمدنی نظام قائم ہو جاتا ہے اور اب تمام انسان اپنی مشترک سعادت کو حاصل کر لیتے ہیں، یہی کمال انسان کے پیدا کرنے کی غرض و غایت ہے، کیونکہ کمال اور غرض دونوں ایک ہی چیزیں ہیں جب تک کوئی چیز قوت سے فعل میں نہیں آتی غرض کہی جاتی ہے اور جب قوت سے فعل میں آجاتی ہے تو اس کو کمال کہتے ہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان میں کتنی قوتیں ہیں جن کی تنظیم و ترتیب سے اخلاقی فضائل کا اظہار ہوتا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان تین متضاد قوتوں کا مجموعہ ہے ایک قوت کا کام صرف غور و فکر کرنا اور حقائق کو معلوم کرنا ہے، دوسری قوت سے غصہ بہادری، ترفع، اقتدار اور اعزاز حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، تیسری قوت سے کھانے پینے اور دوسری قسم کی لذتوں کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، پہلی قوت کے اعتدال کا نام حکمت دوسری قوت کے اعتدال کا نام شجاعت اور تیسری قوت کے اعتدال کا نام عفت ہے، ان تینوں قوتوں کے مجموعی اعتدال سے ایک اور اخلاقی فضیلت پیدا ہوتی ہے، جس کو عدالت کہتے ہیں، اس لیے یہی چاروں چیزیں یعنی حکمت شجاعت عفت اور عدالت اصول اخلاق میں داخل ہیں اور تمام اخلاقی فضائل ان ہی سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان اخلاقی فضائل دو جانب ہیں جن کو رذائل اخلاق کہتے ہیں، ان کے وسط میں جو درجہ ہے اسی کا نام اخلاقی فضیلت ہے، مثلاً چالبازی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حماقت کے بیچ میں جو درجہ ہے وہ حکمت، ہوس اور بالکل خواہش کے نہ پیدا ہونے کے درمیان کا درجہ عفت، بزدلی اور تہور یعنی نامناسب اور غیر دانشمندانہ اقدام کے درمیان میں جو درجہ ہے وہ شجاعت ظلم کرنے اور ظلم کے برداشت کرنے کے درمیان کا نام عدالت ہے اب سوال یہ ہے ان اصول اخلاق سے انسانوں میں جو مختلف قسم کے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں، وہ طبعی اور قدرتی ہیں یا غیر طبعی اور غیر قدرتی؟ یا یہ کہ انسان طبعاً خوش اخلاق پیدا کیا گیا ہے یا بداخلاق، رواقیین کا خیال ہے کہ تمام انسان طبعاً خوش اخلاق پیدا کئے گئے ہیں، البتہ بداخلاقوں کی صحبت میں رہ کر بداخلاق ہو جاتے ہیں، اس کے بخلاف حکمائے قدیم کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ انسان فطرتاً بداخلاق پیدا کیا گیا ہے، البتہ تعلیم وتادیب سے خوش اخلاق ہو سکتا ہے لیکن جالینوس نے ان دونوں نظریوں کو اس طرح باطل کیا ہے کہ اگر انسان فطرۃً خوش اخلاق پیدا کیا گیا ہے اور صرف تعلیم سے خوش اخلاق ہو سکتا ہے تو سوال یہ ہے اس نے بداخلاقی کیونکر سیکھی؟ اگر دوسروں سے سیکھی ہے تو اس صورت میں تمام انسان فطرۃ خوش اخلاق نہیں قرار دیئے جا سکتے اور اگر اپنی ذات سے سیکھی ہے تو وہ خود فطرۃً خوش اخلاق نہیں ہے، اسی دلیل سے اس نے دوسری نظریہ کو بھی باطل کیا ہے یعنی اگر انسان فطرۃً بداخلاق پیدا کیا گیا ہے اور خوش اخلاقی دوسروں سے سیکھی ہے تو تمام انسان بداخلاق نہیں تسلیم کئے جا سکتے اور اگر اپنی ذات سے سیکھی ہے تو وہ فطرۃً بداخلاق نہیں ہے ان دونوں نظریوں کے باطل کرنے کے بعد اس کی رائے یہ ہے کہ انسانوں میں کچھ لوگ جن کی تعداد بہت کم ہے، فطرۃً خوش اخلاق پیدا کیے گیے ہیں جو کسی صورت سے بداخلاق نہیں کچھ لوگ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے فطرۃً بداخلاق پیدا کئے گئے ہیں جو کسی حالت میں خوش اخلاق نہیں ہو سکتے کچھ لوگ ان دونوں کے درمیان میں ہیں، اور یہی لوگ تعلیم وتادیب اور صحبت کے اثر سے خوش اخلاق یا بداخلاق بنائے جا سکتے ہیں۔

ارسطو نے بذات خود کوئی نظریہ نہیں قائم کیا ہے، البتہ اس نے یہ لکھا ہے کہ بداخلاق لوگ تعلیم وتادیب اور وعظ وپند سے خوش اخلاق بنائے جا سکتے ہیں، لیکن اس کے مراتب مختلف ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ ان چیزوں کا اثر جلد اور بعض لوگ بدیر قبول کرتے ہیں ابن مسکویہ نے اس سے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ کوئی خلق طبعی نہیں ہے، کیونکہ طبعی چیزوں میں تغیر نہیں ہو سکتا، البتہ ان تغیرات کے قبول کرنے کے درجے غیر محدود ہیں، اور جو شخص اس قسم کے اخلاقی تغیرات پیدا کرنا چاہتا ہے اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں بالکل طبعی ترتیب اختیار کرے۔ مثلاً انسان میں سب سے پہلے غذا کی خواہش پیدا ہوتی ہے اس لیے سب سے پہلے اس خواہش میں جو بے اعتدالیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح کرنی چاہیئے پھر درجہ بدرجہ اسی طرح اس کو انسانیت کے درجہ کمال کی طرف لے چلنا چاہیئے۔

فلسفہ اخلاق کا نہایت اہم مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی اصلی سعادت کیا ہے؟ اس میں حکمائے یونان کی رائیں مختلف ہیں اور یہ اختلاف اس بنا پر پیدا ہوا ہے کہ خود انسان کی حقیقت کے متعلق ان حکما کی رائیں مختلف ہو گئی ہیں، فیثا غورث، بقراط اور افلاطون وغیرہ کے نزدیک انسان صرف روح کا نام ہے، اور جسم اس کی حقیقت کا جزو نہیں ہے، اس لئے انسان کی سعادت صرف قوائے روحانی یعنی حکمت، شجاعت عفت اور عدالت کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے جسم کی اصلاح کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر انسان نے ان قوائے روحانی کی تکمیل کر لی ہے تو جسمانی نقائص مثلاً امراض بدنی وغیرہ اس کی سعادت میں خلل انداز نہیں ہو سکتے اسی طرح جو چیزیں انسان کی روح وجسم سے الگ ہیں، مثلاً فقر واحتیاج گمنامی اور بے سروسامانی وغیرہ، ان سے بھی انسان کی سعادت میں خلل واقع نہیں ہو سکتا۔

اس اصول کے مطابق انسان کی اصلی سعادت صرف موت کے بعد آخرت میں حاصل ہو سکتی ہے، جب تک وہ جسمانی آلائشوں سے آلودہ ہے اس کو یہ سعادت نہیں حاصل ہو سکتی، مسلمانوں میں صوفیانہ نظام اخلاق ان ہی حکما کی رائے کے مطابق قائم کیا گیا ہے اور رہبانیت کی بنیاد ان ہی حکما کے اخلاقی نظریہ پر قائم ہے۔

لیکن ارسطو وغیرہ کے نزدیک انسان روح وجسم دونوں کا مجموعہ ہے، اس لیے سعادت انسانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تکمیل کے لیے ان کے نزدیک جسم وروح د (ن) ں کی اصلاح کی ضرورت ہے، اوران دونوں کی اصلاح کے بعد انسان دنیا ہی میں سعادت کاملہ حاصل کرسکتا ہے اس اصول کے مطابق انسانی سعادت کی پانچ قسمیں ہیں،

(۱) صحت اور اعتدالِ مزاج

(۲) مال و دولت اور اعوان وانصار

(۳) شہرت و نیکنامی

(۴) مقاصد میں کامیابی،

(۵) صحت رائے اور خوش اعتقادی

مذہب اسلام کا نظریۂ اخلاق یہی ہے، اور اسی بنا پر اس نے دین و دنیا دونوں کی تکمیل کی تعلیم دی ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ سعادت انسانی صرف عدالت، شجاعت، عفت اور ان تمام محاسنِ اخلاق سے حاصل ہوسکتی ہے جو ان سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں سے ان تمام محاسنِ اخلاق کا ظہور ہو ان کو سعادت انسانی بھی حاصل ہو جائے کیونکہ بہت سے لوگ عفت اختیار کرتے ہیں لیکن وہ عفیف نہیں ہوتے بہت سے لوگ بہادروں کے کام کرتے ہیں لیکن بہادر نہیں ہوتے، بہت سے لوگ عادلوں کے کام کرتے ہیں لیکن عادل نہیں ہوتے، مثلاً اگر ایک شخص نے کھانے پینے اور دوسری قسم کی لذتوں کو اس لیے ترک کردیا ہے۔ کہ اس سے زیادہ کھانے پینے اور لذت کے سامان جمع ہوں تو ان سے لطف اندوز ہو یا یہ کہ ان لذتوں سے واقف ہی نہیں ہے، جیسے بدو اور دیہاتی گنوار یا یہ ان لذتوں سے اس کو نقصان پہنچتا ہے، جیسے مریض تو اس کو عفیف نہیں کہہ سکتے، عفیف صرف وہ شخص ہے جو عفت کو ایک اخلاقی فرض سمجھ کر اختیار کرے اور اپنی تمام خواہشوں کو بقدر ضرورت، مناسب طریقہ، مناسب وقت اور مناسب حالات میں پورا کرے، اسی طرح جو لوگ فقروفاقہ یا ذلت کے خوف سے خودکشی کرلیتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں وہ بہادر نہیں ہوتے بلکہ بزدل ہوتے ہیں کیونکہ بہادر آدمی مصیبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کرتا ہے، اور اس حالت میں وہ کام کرتا ہے جو اس حالت کے مناسب ہوتے ہیں۔

ان اصول اخلاق میں ابن مسکویہ نے سب سے زیادہ دقیق اور فلسفیانہ بحث عدالت پر کی ہے اور بعض ایسے خیالات ظاہر کئے ہیں، جن سے موجودہ دور کی اشتراکیت (سوشلزم) کے مساویانہ نظریہ کی تردید ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ لغت میں عدل کے معنی مساوات کے ہیں، اس لیے عادل درحقیقت وہی شخص ہے جو غیر مساوی چیزوں میں مساوات پیدا کرے، لیکن اس کے لیے اس کو سب سے پہلے وسط کی حقیقت کا علم ہونا چاہیئے تاکہ اس کے دونوں کناروں کو اس کی طرف لاسکے، مثلاً معاملات میں نفع و نقصان دو کنارے ہیں اگر کوئی شخص اپنے واجبی حق سے کم لے تو یہ نقصان اور اگر واجبی حق سے زیادہ لے تو یہ زیادتی ہے، اور ان دونوں کے درمیان کا درجہ وسط ہے، اور اس وسط کی تعین صرف شریعت کرتی ہے، مثلاً انسان مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے باہم لین دین کرتے ہیں، اور اپنے کام کا مناسب معاوضہ چاہتے ہیں، اگر ایک موچی، ایک بڑھئی سے کرسی بنوائے اور اس کے بدلے اس کے لیے جوتا بنا دے تو یہ اس کا معاوضہ ہوگا بشرطیکہ دونوں کے کام مساوی درجہ کے ہوں لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک کا کام دوسرے سے بہتر ہو، اس لیے دونوں کے معاوضوں میں مساوات صرف روپے سے پیدا ہوسکتی ہے، اس لئے عادل حقیقی روپیہ ہے، لیکن وہ بے زبان چیز ہے، اس کا استعمال ایک بولنے والا انسان کرتا ہے، اس لیے ایک حاکم کی ضرورت ہوتی ہے جو اس وقت اپنا فیصلہ کرتا ہے جب روپے کے متعلق دو فریقوں میں نزاع پیدا ہوتی ہے، لیکن اس حالت میں ہر کام کی قیمت اور ہر عمل کا درجہ متعین کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ تھوڑا سا کام بہت سے کام کے مساوی ہو مثلاً ایک انجنیئر تھوڑا سا غور و فکر اور تھوڑا سا کام کرتا لیکن اس کا یہ کام مزدوروں کے بہت سے کام کے برابر ہے اس لیے اس کو مزدوروں سے زیادہ اجرت ملتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عدالت کے معنی مساوات کے ہیں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ تفضل یعنی کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا ایک قابل ستائش کام ہے، حالانکہ وہ عدالت کے تحت میں داخل نہیں، کیونکہ عدالت وسط کا نام ہے، اس لیے جس طرح اس میں کمی کرنا مذموم ہے، اسی طرح اس میں اضافہ کرنا بھی مذموم ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کا اضافہ عدالت کے متعلق ایک قسم کی احتیاط ہے، اور اخلاقی معاملات میں اس کا اضافہ قابل اعتراض نہیں مثلاً اگر کوئی شخص ضرورت سے زیادہ فیاضی کر دے اور وہ اسراف کی حد تک نہ پہنچتی ہو تو یہ مذموم نہیں بلکہ محمود ہے یہی وجہ ہے کہ تفضل کا استعمال اسی موقع پر کیا جاتا ہے جہاں عدالت کا استعمال ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنا مال ایک مستحق شخص کو دے دے تو یہ احسان وتفضل نہ ہوگا بلکہ تضییع مال کی ایک صورت ہوگی اس کے بخلاف اگر ایک مستحق شخص کو اس کے پورے حق کے دینے کے بعد کچھ اور زیادہ دے دے تو اسی کا نام تفضل واحسان ہے لیکن اس قسم کا اضافہ عدالت کی ان ہی صورتوں میں جائز ہے جو انسان کے ذاتی معاملات سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اگر ایک حاکم دو فریق کے درمیان فیصلہ کرتا ہے تو وہ خالص عدل اور حقیقی مساوات کا پابند ہے وہ کسی فریق کو اس کے حق سے زیادہ بطور تفضل واحسان کے نہیں دے سکتا۔

حکما اور فلاسفہ کے نزدیک نظام عالم عدل پر قائم ہے اس میں خلل واقع ہوتا ہے تو نظام عالم میں ابتری پیدا ہو جاتی ہے، لیکن ایک گروہ کے نزدیک نظام عالم پر قائم ہے، کیونکہ عدالت کی ضرورت معاملات میں پڑتی ہے لیکن اگر معاملہ کرنے والوں میں باہم محبت ہو تو وہ خود ہی کوئی کام انصاف کے خلاف نہ کریں گے اس لیے عدالت کی ضرورت ہی نہ ہوگی، ابن مسکویہ نے بھی اس نظریہ کو بے حد پسند کیا ہے اور محبت اور محبت کے اقسام پر نہایت مفصل بحث کی ہے، وہ کہتا ہے کہ انسان کے مقاصد تین ہیں، حصول لذت، حصول خیر، حصول نفع اور ان تینوں کی ترکیب سے ایک چوتھا مقصد پیدا ہوتا ہے، ان ہی مقاصد کے لحاظ سے انسانوں میں محبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ جو شخص انسان کو ان مقاصد کے حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے وہ اس کو محبوب ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) جس محبت کا سبب لذت ہے وہ بہت جلد پیدا ہوتی ہے، اور بہت جلد زائل ہو جاتی ہے کیونکہ لذت خود ایک سریع الزوال چیز ہے۔

(۲) جس محبت کا سبب حصول خیر ہے وہ جلد پیدا ہوتی ہے اور دیر میں زائل ہوتی ہے۔

(۳) جس محبت کا سبب نفع ہے وہ دیر میں پیدا ہوتی ہے اور جلد زائل ہو جاتی ہے دوستی بھی محبت ہی کی ایک خاص قسم ہے، فرق یہ ہے کہ محبت ایک بڑی جماعت میں پیدا ہو سکتی ہے لیکن دوستی بڑی جماعت میں نہیں پیدا ہوتی۔

عشق بھی محبت ہی کی ایک قسم ہے لیکن وہ دوستی سے بھی خاص تر ہے، کیونکہ عشق صرف دو شخصوں میں پیدا ہو سکتا ہے، اور حصول نفع اس کا سبب نہیں ہوتا، وہ صرف سخت لذت پرست اور سخت خیر دوست شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے، عشق کی پہلی قسم مذموم اور دوسری قسم محمود ہے،

بچوں اور طفل مزاج لوگوں میں دوستی کے پیدا ہونے کا سبب صرف لذت پرستی ہے اس لیے وہ بہت جلد باہم دوست بن جاتے ہیں اور بہت جلد اس دوستی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے،

بوڑھوں میں دوستی صرف نفع کے لیے پیدا ہوتی ہے اور چونکہ نفع ایک دیرپا چیز ہے اس لیے جب تک نفع کی توقع رہتی ہے، دوستی قائم رہتی ہے ورنہ زائل ہو جاتی ہے نیک لوگوں میں دوستی صرف حصول خیر کے لیے پیدا ہوتی ہے اور چونکہ خیر ایک لازوال چیز ہے، اس لیے ارباب خیر کی دوستی ہمیشہ قائم رہتی ہے،

محبت کے یہ تمام اسباب بعض اوقات ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ایک سبب زائل ہو جاتا ہے اور دوسرا سبب باقی رہتا ہے، مثلاً میاں بیوی کے درمیان محبت کا ایک سبب لذت ہے اس لئے اس کی وجہ سے دونوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن ان میں محبت کا دوسرا سبب حصول خیر اور حصول نفع بھی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ لذت کی وجہ سے جو محبت پیدا ہوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے وہ زائل ہو جائے، کیونکہ لذت خود سریع الزوال چیز ہے، لیکن حصول خیر یا حصول نفع کی وجہ سے باہم محبت قائم رہے، لذت کے ساتھ بی بی یہ بھی چاہتی ہے کہ شوہر کما کر لائے اور میاں یہ چاہتا ہے کہ بی بی اس کی کمائی کی حفاظت کرے، اگر دونوں اس فرض کو ادا کرتے ہیں تو محبت قائم رہتی ہے ورنہ پہلے شکائتیں پیدا ہوتی ہیں، پھر رفتہ رفتہ محبت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے،

اس صورت میں محبت کے دو مختلف سبب ہیں لیکن میاں بیوی دونوں میں مشترک ہیں لیکن بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ دو شخصوں میں محبت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، عاشق معشوق سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس سے لذت اندوز ہو اور معشوق اگر بازاری ہے تو وہ عاشق سے محبت کے تعلقات اس لیے قائم کرتا ہے کہ اس سے مالی نفع اٹھائے اس صورت میں محبت کا سبب مختلف یعنی ایک جگہ لذت اور دوسری جگہ نفع ہے اس قسم کی محبت میں ہمیشہ شکوہ شکایت پیدا ہوتے رہتے ہیں، عاشق جلد سے جلد معشوق سے متمتع ہونا چاہتا ہے اور معشوق حصول نفع کے لیے ٹال مٹول کرتا ہے اس لیے باہم شکر رنجیاں ہوتی رہتی ہیں، البتہ ارباب خیر یعنی اخیار کی محبت کا سبب نہ لذت ہوتی ہے نہ حصول نفع بلکہ صرف مناسبتِ ذاتی اس کا سبب ہوتی ہے، یعنی ہر ایک دوسرے سے صرف نیکی اور فضیلت کا خواستگار ہوتا ہے، اس لیے جب ان میں باہم محبت ہو جاتی ہے تو اس میں مخالفت اور منازعت نہیں پیدا ہوتی۔

باپ اور بیٹے کی محبت کے اسباب بھی اگرچہ مختلف ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی ایک قسم کی ذاتی مناسبت ہوتی ہے، کیونکہ باپ بیٹے کے وجود کو بعینہ اپنا وجود سمجھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی شکل دوسرے قالب میں بدل گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایک باپ سے کہا جائے کہ تمہارا بیٹا تم سے افضل ہے تو اس کو ناگوار نہیں ہوتا، کیونکہ اگر ایک انسان فضیلت میں درجہ بدرجہ ترقی کرتا جائے اور اس سے کہا جائے کہ اب تمہاری حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے تو اس کو ناگوار نہیں گزرتا اسی طرح چونکہ وہ بیٹے کے وجود کو اپنا وجود سمجھتا ہے، اس لیے بیٹے کی فضیلت کو خود اپنی فضیلت سمجھتا ہے بلکہ یہ کوشش کرتا ہے کہ بیٹے کی حالت اس سے بہتر ہو لیکن بیٹے کی محبت کا درجہ اس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم ہے اسی لیے خدا نے بیٹے کو باپ کی تعظیم ومحبت کی نصیحت کی ہے۔

فضائل اخلاق کی تحدید، تقسیم اور تفصیل کے بعد ابن مسکویہ نے رذائل اخلاق کے علاج اور طریقہ اصلاح پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اطبا جب کسی جسمانی مرض کا علاج کرنا چاہتے ہیں تو اس مرض کو معلوم کرتے ہیں، پھر اس کا سبب دریافت کرتے ہیں پھر اس کے اضداد سے اس کا علاج کرتے ہیں، اس کی ابتدا تو پرہیز اور لطیف دواؤں سے کرتے ہیں پھر بعض امراض میں تلخ دوائیں دیتے ہیں اور بعض صورتوں میں چیر پھاڑ کی ضرورت ہوتی ہے، اخلاقی امراض کے علاج کا بھی یہی طریقہ ہے۔

انسان روح وجسم دونوں کا مجموعہ ہے، اس لیے ایک کے مرض کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے جسمانی حیثیت سے اکثر قلبی ودماغی امراض کا اثر انسان کے اخلاق پر پڑتا ہے اس کی ذہنی قوتیں خراب ہو جاتی ہیں اور وہ اس حالت میں بدمزاج چڑچڑا اور بدخلق ہو جاتا ہے، اسی طرح روحانی امراض کا اثر بھی جسم پر پڑتا ہے، غصہ، محبت، اور رنج وغم میں انسان کا نپنے لگتا ہے، اس کے چہرے کا رنگ کبھی زرد، کبھی سرخ ہو جاتا ہے، غرض اس میں اس قسم کے بہت سے جسمانی تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں، اب جو شخص اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج کرنا چاہتا ہے اس کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ مرض کا اصلی سبب کیا ہے؟

(۱) اگر اخلاقی مرض کا سبب خود روح سے پیدا ہوتا ہے مثلاً انسان نے بری چیزوں پر غور وفکر کیا ہے اور اس سے اس کے دل میں برے جذبات پیدا ہو گئے ہیں تو اس وقت روح کا علاج کرنا اور اس کو ان برے خیالات سے روکنا چاہیئے۔

(۲) اگر اس کا سبب جسمانی ہے، مثلاً ایک شخص میں بزدلی اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ اس کے قلب میں حرارت کم ہے تو قلب کا علاج کرنا چاہیئے۔

طب کے دو حصے ہیں ایک حصے میں حفظان صحت کے طریقے بتائے جاتے ہیں، اور دوسرے حصے میں زائل شدہ صحت کا دوبارہ اعادہ کیا جاتا ہے، روحانی طب میں بھی یہ دونوں حصے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجود ہیں

روحانی حفظانِ صحت یعنی تحفظ اخلاق کے طریقے حسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر انسان فطرۃً نیک ہے، تو اس کو نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور بد لوگوں کی صحبت سے احتراز کرنا چاہیئے، ورنہ ان کی صحبت کے اثر سے اس کی فطری نیکی زائل ہو جائے گی۔ لیکن اسی کے ساتھ اس قسم کے نیک لوگوں کی صحبت میں بھی کسی قدر جائز لطافت اور خوش طبعی کا عنصر بھی شامل ہونا چاہیئے تاکہ اس میں ترش روئی اور بدخلقی نہ پیدا ہونے پائے۔

(۲) جس طرح جسمانی صحت کے قائم رکھنے کے لیے تھوڑی سی ورزش اور سیر و تفریح کی ضرورت ہے، اسی طرح روحانی صحت کے قائم رکھنے کے لیے فلسفۂ اخلاق کے نظری علمی حصے کا تھوڑا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

(۳) تخیل کے ذریعہ سے قوت شہوانیہ یا قوت غضبیہ کو حرکت میں نہیں لانا چاہیئے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو کسی وقت کچھ شہوانی لذتیں حاصل ہوئی ہیں تو ان کو یاد کر کے ان سے لطف اندوز نہیں ہونا چاہیئے، ورنہ اس سے قوت شہوانیہ کو تحریک ہوگی اور اس تحریک سے شوق پیدا ہوگا جو اعمال شہوانیہ کا موجب ہوگا۔

(۴) انسان کو ہمیشہ اپنے اعمال پر غور و فکر کرتے رہنا چاہیئے کہ وہ اس سے عادۃً صادر ہوئے ہیں یا وہ عقل و تمیز کا نتیجہ ہیں، کیونکہ انسان سے بہت سے ایسے افعال صادر ہو جاتے ہیں جو عقل و تمیز کے مخالف ہوتے ہیں، اس لیے اس کو چھوٹی چھوٹی بداخلاقیوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ بڑی بڑی بداخلاقیوں کا سبب ہو جاتی ہیں۔

(۵) اخلاقی تحفظ کے لیے ان محتاط بادشاہوں کی روش اختیار کرنی چاہیئے جو دشمن کے حملے سے پہلے ہی اس کی مدافعت کا سامان کر لیتے ہیں تاکہ عین حملے کے وقت ان کو دشواری نہ پیش آئے۔ اسی طریقہ کے مطابق بداخلاقیوں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ان سے بچنے کا سامان کر لینا چاہیئے اور ایسے اخلاق کا پابند رہنا چاہیئے جو ان بداخلاقیوں سے محفوظ رکھ سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) تحفظ اخلاق کے لیے سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ انسان خود اپنی برائیوں کا پتہ لگاتا رہے جالینوس نے اس کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ وہ ایک خوش اخلاق دوست پیدا کرے اور اس سے باصرار یہ درخواست کرتا رہے کہ وہ اس کی اخلاقی برائیوں سے اس کو اطلاع دیتا رہے اور جب وہ کسی برائی کی اطلاع دے تو اس پر مسرت ظاہر کرے، اور اس کی اصلاح میں مصروف ہو جب وہ دیکھے گا کہ یہ اس پر خوش ہوتا ہے اور اپنی برائی کی اصلاح کرتا ہے تو اور بھی مستعدی سے اس کے عیوب ظاہر کرے گا۔

لیکن ابن مسکویہ کے نزدیک ایسا دوست نہیں مل سکتا بلکہ دشمن اس فرض کو دوست سے بہتر طریقے پر ادا کر سکتا ہے کیونکہ دشمن کے عیوب کے ظاہر کرنے میں کوئی باک نہ ہوگا، جالینوس کے نزدیک بھی نیک لوگ دشمنوں سے اخلاقی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یعقوب کندی کے نزدیک اس معاملے میں انسان کو اپنے دوست احباب کی ذات کو آئینہ بنانا چاہیئے اور جو برائیاں ان میں نظر آئیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ برائیاں ہم میں بھی ہیں یا کم از کم ہم میں بھی پیدا ہو سکتی ہیں اس طریقہ سے تمام برائیاں ہمارے پیش نظر ہو جائیں گی اور ہم ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں گے، ابن مسکویہ نے بھی اس طریقے کو پسند کیا ہے اور لکھا ہے کہ قدماء کے طریقہ اصلاح نفس سے یہ طریقہ بہتر ہے۔

یہ طریقے تو وہ ہیں جو انسان میں سرے سے اخلاقی برائیاں پیدا ہی نہیں ہونے دیتے لیکن اگر بدقسمتی سے روح انسانی مریض ہو گئی اور اس میں اخلاقی برائیاں پیدا ہو گئیں تو سب سے پہلے ان امراض کا نام بتانا چاہیئے، ان کے اسباب بتانے چاہئیں، پھر ان کا علاج تجویز کرنا چاہیئے۔ ابن مسکویہ نے ان تمام اخلاقی امراض کا استقصا نہیں کیا ہے، صرف ان امراض کو لیا ہے جو لوگوں کو اکثر لاحق ہوتے رہتے ہیں اور یہ وہ امراض ہیں جو فضائل اربعہ یعنی شجاعت حکمت، عفت اور عدالت کے ضد واقع ہوتے ہیں اور چونکہ ہر اخلاقی فضیلت افراط و تفریط کے درمیان وسط میں واقع ہوتی ہے، اس لیے ان فضائل اربعہ کی ضد وہ دونوں کنارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں جن کے وسط میں یہ فضائل واقع ہوئے ہیں اس بناء پر فضائل اخلاق کی چار اور رذائل اخلاق کی آٹھ قسمیں ہیں، یعنی

(۱) تہور اور جبن جو شجاعت کے اطراف ہیں۔

(۲) حرص شدید اور عدم شہوت جو عفت کے اطراف ہیں۔

(۳) چالبازی اور حماقت جو حکمت کے اطراف ہیں۔

(۴) ظلم اور ظلم پسندی جو عدالت کے اطراف ہیں۔

اصل میں یہی آٹھ اخلاقی امراض ہیں اور ان کے تحت میں اس کثرت سے اخلاقی امراض ہیں جن کا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً سیاہی اور سفیدی دونوں ایک دوسرے ضد ہیں، اور وہ ہم کو معلوم ہیں، لیکن سیاہی اور سفیدی کے درمیان جو اور مدارج ہیں، وہ غیر محدود ہیں، اس لیے ان کا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔

اس اصول کے مطابق اس نے ان ہی آٹھوں اخلاقی امراض کا طریقہ علاج بیان کیا ہے اور سب سے پہلے تہور اور جبن سے ابتدا کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ تہور، جبن اور شجاعت کا اصلی سبب قوت غضبیہ ہے، یہ قوت جب اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہے، تو انسان بالکل دیوانہ ہو جاتا ہے اور یہ حالت بہت سے اسباب مثلاً خود بینی، فخاری، لڑائی جھگڑے، مذاق، تمسخر، بیوفائی اور ظلم سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے قوت غضبیہ کی اصلاح کے لیے ان اسباب کا ازالہ ضروری ہے، اس کے بعد ابن مسکویہ نے ان اسباب میں سے ہر ایک کی حقیقت بتائی ہے اور ان کے عواقب و نتائج بیان کیے ہیں لیکن یہ مباحث فلسفیانہ نہیں ہیں بلکہ واعظانہ ہیں۔

قوت غضبیہ کی اسی بے اعتدالی کا نام تہور ہے اس کے بخلاف جب اس قوت میں کمی آتی ہے تو بزدلی پیدا ہوتی ہے، اور انسان ہر قسم کی ذلت کے برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس میں انتقام کا جذبہ بالکل نہیں پیدا ہوتا، یہ بھی ایک بداخلاقی ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ قوت غضبیہ کی تحریک کے اسباب پیدا کیے جائیں، کیونکہ کوئی انسان قوت غضبیہ سے کلیتہً خالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتا، بلکہ اس آگ کی چنگاریاں راکھ میں دب جاتی ہیں، اسی لیے بعض فلاسفہ خطرناک مقامات میں جاتے تھے تاکہ ان میں خطرات کے مقابلہ کی طاقت پیدا ہو، ایسے شخص کے لیے کسی قدر لڑائی جھگڑے میں پڑنا بھی معیوب نہیں، کیونکہ اس سے قوت غضبیہ کو تحریک ہوتی ہے، اور وہ اخلاقی وصف پیدا ہوتا ہے، جس کو شجاعت کہتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے خوف و غم پر بحث کی ہے اور ان کے علاج کے طریقے بتائے ہیں۔

تجارب الامم

حکمائے اسلام میں ابن مسکویہ پہلا شخص ہے جس نے فن تاریخ پر کتاب لکھی ہے، اس لیے اس کی یہ کتاب تاریخی اور فلسفیانہ دونوں حیثیتوں سے نہایت اہمیت رکھتی ہے، تاریخی حیثیت سے وہ محض خود رو اور خود ساختہ مورخ نہ تھا بلکہ اس نے باقاعدہ فن تاریخ کی تعلیم حاصل کی تھی، اور تاریخ طبری کو ابوجعفر طبری کے ایک خاص شاگرد سے باقاعدہ طور پر پڑھا تھا، چنانچہ ۳۵۰ھ کے واقعات میں لکھتا ہے کہ "اس سنہ میں قاضی ابوبکر احمد بن کامل نے وفات پائی اور میں نے ان سے ابوجعفر طبری کی تاریخ سنی تھی، وہ ابوجعفر طبری کے شاگرد تھے اور ان سے بہت کچھ سنا تھا، لیکن میں نے ان سے اس کتاب کے سوا ابوجعفر طبری کی اور کوئی کتاب نہیں سنی، میں نے اس کتاب کے بعض حصے کو ان سے پڑھا اور بعض حصے کی اجازت لی وہ شارع عبدالصمد میں رہتے تھے اور ان کی مجھ سے بکثرت ملاقاتیں ہوتی تھیں"[1]

ابن مسکویہ کے زمانے تک تاریخی روایات کا بہترین مجموعہ ابوجعفر طبری کی یہی کتاب تھی، جس کی تعلیم ابن مسکویہ نے خود اس کے ایک شاگرد سے حاصل کی تھی، لیکن ابن مسکویہ نے سب سے پہلے تاریخی روایتوں پر فلسفیانہ حیثیت سے تنقیدی نگاہ ڈالی اور ان تمام روایتوں کو اپنی کتاب

---

[1] تجارب الامم جلد ۶ ص ۱۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے خارج کر دیا، جو طوفانِ نوح کے زمانہ سے پیشتر پیدا ہو چکی تھیں، کیونکہ اولاً تو یہ روایتیں قابلِ اعتماد طریقہ پر منقول نہیں ہوئی تھیں، دوسرے یہ کہ ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا بلکہ جس طرح روایت حدیث میں دو قسم کے لوگ پیدا ہو گئے تھے، ایک تو محدثین کا گروہ تھا جو صرف حدیثوں کے نقل و روایت سے کام رکھتا تھا، دوسرے فقہا اور اربابِ رائے تھے جو حدیثوں کے مدارج کے معین کرتے تھے اور ان سے مختلف نتائج نکالتے تھے، اسی طرح اس بات کی ضرورت تھی کہ تاریخی واقعات و روایات کا خاص مقصد قرار دیا جائے اور جو واقعات و روایات اس مقصد سے تعلق رکھتے ہوں، ان کا انتخاب کیا جائے اور بقیہ واقعات و روایات نظرانداز کر دیے جائیں ابن مسکویہ پہلا مورخ ہے جس نے فن تاریخ کا ایک خاص مقصد قرار دیا اور اس مقصد کے مطابق تاریخی واقعات کا انتخاب کیا، چنانچہ اپنی تاریخ کے دیباچے میں لکھتا ہے،

میں نے جب قوموں کے حالات اور بادشاہوں کے تذکرے دیکھے اور شہروں کے حالات اور تاریخ کی کتابیں پڑھیں تو ان میں ایسی چیزیں پائیں جن سے ان امور کے متعلق جن کے مثل واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور آئندہ بھی اسی قسم کے واقعات کے پیدا ہونے کی توقع ہوتی ہے، تجربہ حاصل کیا جا سکتا ہے، مثلاً سلطنتوں کی ابتدا ملکوں کی نشو و نما، اس کے بعد ان میں اختلال کا پیدا ہونا، پھر جو شخص اس کی تلافی کر کے اس کو بہترین حالت میں لاتا ہے اور جو شخص ان سے غفلت کر کے اس کو زوال پذیر بنا دیتا ہے، ان سب کا بیان اسی کے ساتھ ان سیاسی واقعات کا ذکر جو شہروں کی آبادی، رعایا کے اتفاق و اتحاد اور نوح کی نیتوں کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں،

قدیم تاریخوں میں اس قسم کے واقعات کی کمی نہ تھی، البتہ وہ دلچسپ قصوں اور کہانیوں میں مخلوط ہو کر گم ہو گئے تھے، اس لیے ان سے کوئی تاریخی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا، چنانچہ اسی سلسلے میں لکھتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میں نے دیکھا کہ اس قسم کے واقعات ان واقعات کے ساتھ رل مل گئے ہیں
جو قصے اور خرافات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے اس کے سوا اور کوئی فائدہ
حاصل نہیں ہوتا ان کو سن کر نیند آئے اور ان کی اعجوبگی سے دلچسپی لی جائے نتیجہ
یہ ہوا کہ یہ واقعات ان واقعات میں مل کر گم ہو گئے اور ان کے درمیان منتشر ہو گئے
اس لیے ان کا جو فائدہ تھا وہ جاتا رہا۔

اسی مقصد کی بنا پر اس نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو بھی نظر انداز کر دیا، کیونکہ ان سے کوئی فائدہ اور تجربہ نہیں حاصل ہو سکتا، چنانچہ لکھتا ہے،

اسی وجہ سے میں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ہمارے
زمانے کے لوگ ان سے آئندہ واقعات کے متعلق کوئی تجربہ نہیں حاصل کر سکتے

یہی وجہ ہے کہ اس کی تاریخ سے سب سے زیادہ فائدہ وہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو دنیوی معاملات سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ لکھتا ہے۔

اسی لیے میں نے یہ کتاب مرتب کی اور اس کا نام تجارب الامم رکھا، اور اس
سے زیادہ تر فائدہ وہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں، جن کو دنیوی حصہ زیادہ ملا ہے، مثلاً
امراء فوجی افسر، مدبران ملک عام و خاص لوگوں کے مدبر اس کے بعد اور تمام
طبقے کے لوگ،

اس نے اپنی تاریخ کی ابتدا سلاطین عجم کے حالات سے کی ہے، اور ان کے حالات میں جو دور از کار قصے مذکور تھے، ان کی اصلی حقیقت بتائی ہے، مثلاً ان میں بعض بادشاہوں کے متعلق ایران کی قدیم تاریخوں میں لکھا ہے کہ جن و شیاطین کو انہوں نے مسخر کر لیا تھا، اور ان سے کام لیتے تھے لیکن ان کی حقیقت ابن مسکویہ نے ہوشنگ کے حالات میں یہ بتائی ہے کہ

"اس نے اپنے حسن سیاست سے بدمعاشوں کو جلا وطن کر دیا، البتہ جو لوگ ان
میں سے کار آمد ہو سکتے تھے، ان کو ملازم رکھ لیا اور شیطان اور عفریت ان کا نام رکھا"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طہومرث کے حالات میں لکھتا ہے:

"اس نے بدمعاشوں کو طلب کیا اور شیطانوں یعنی بدمعاشوں کو جلاوطن کر دیا اور ان مفسدوں اور شیطانوں میں سے جس پر غلبہ پایا ان کو سخت کاموں مثلاً پہاڑوں سے پتھر کاٹنے، عمارات بنانے اور کانوں میں کام کرنے پہ لگایا، اس لیے ان سخت کاموں کی وجہ سے مفسد لوگ اس سے ڈرنے لگے"۔

ضحاک کی نسبت ایرانی تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس کے کاندھے پر دو سانپ تھے جن کی غذا آدمی کا دماغ تھا، لیکن ابن مسکویہ نے اس کی یہ حقیقت بتائی ہے کہ ضحاک نہایت ظالم تھا، اور ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو مرعوب کرنا چاہتا تھا، چونکہ اس کے شانے پر دو غدود تھے اس لیے ان کو حرکت دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ دو سانپ ہیں تاکہ احمق لوگ خوف زدہ رہیں۔

ان اصول کی پابندی کی وجہ سے اس کی تاریخ قصص وحکایات کے دائرے سے نکل کر تدبیر و سیاست بلکہ فن اخلاق کے دائرے میں آگئی، چنانچہ لکھتا ہے کہ وزراء، مدبرین سیاست وغیرہ جو اس کتاب سے سب سے پہلے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

تدبیر منزل اور معاشرت احباب میں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

تاریخی حیثیت سے ابن مسکویہ کی اس کتاب کا سب سے مستند حصہ وہ ہے جو دیلمیوں کے دور حکومت کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے، اس سلطنت کی تاریخ خود عضد دولہ کے حکم سے ابواسحٰق صابی نے کتاب التاجی کے نام سے لکھی تھی، لیکن عضد دولہ اور ابواسحٰق صابی میں اس قدر عداوت تھی کہ جب عضد دولہ بغداد کا فرمانروا ہوا تو اس کو ۳۶۷ھ میں قید کر دیا اور صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈلوا دینا چاہا پھر لوگوں کی سفارش سے اس کو ۳۷۱ھ میں رہا کیا اور کتاب التاجی کے لکھنے کا حکم دیا، لیکن اس نے جس قسم کی تاریخ لکھی، اس سے اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صابی کے ایک دوست نے اس کو تصنیف و تالیف میں مشغول دیکھ کر پوچھا کہ کیا کر رہے ہو، تو اس نے جواب دیا کہ جھوٹ کا طومار جمع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہوں، لیکن اس کے برخلاف ابن مسکویہ کی تاریخ کا یہ حصہ مستند بلکہ چشم دید واقعات کا مجموعہ ہے وہ اس سلطنت کے وزرا اور امرا سے صحبت و معاشرت رکھتا تھا، جس کا ذکر اس نے خود اپنی تاریخ میں جا بجا کیا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"معز الدولہ نہایت بدزبان تھا اور اپنے وزرا کو برا بھلا کہتا تھا کہ وزیر مہلبی کو اس سے ناقابل برداشت صدمہ پہنچتا تھا، لیکن وہ نہایت بے پروائی سے اس کو برداشت کرتے تھے میں اس وقت ان کا ندیم تھا، اور اس بدزبانی کا ان پر کوئی اثر نہیں پاتا تھا"[۲]

ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے۔

میں اس دن کو یاد کرتا ہوں جس میں میں استاد رئیس کی خدمت میں بیٹھا تھا اور وہ ان تکلیفوں کو بیان کرتے تھے جو انہوں نے اور ان کی فوج نے اپنے سفر میں برداشت کیں[۳]۔

اس صحبت و معاشرت کا جو اثر اس کی تاریخ کے اس خاص حصے پر پڑا اس کو وہ خود بیان کرتا ہے۔

اس سال (۳۴۰ھ) کے بعد کے جو واقعات میں بیان کروں گا وہ یا تو میرے عینی مشاہدات پر مبنی ہوں گے یا ایسے مستند شخص کی روایت پر جس کی روایت میرے نزدیک بمنزلہ مشاہدہ کے ہوگی، کیونکہ استاد رئیس ابوالفضل محمد بن حسین بن عمید نے مجھ سے اس واقعہ کی اور اس کے علاوہ اور واقعات کی روایت کی ہے اور ان کی روایتیں قابل اعتبار ہونے میں میرے مشاہدہ سے کم نہیں ہیں، اسی طرح ابو محمد مہلبی نے مجھ سے زیادہ وہ واقعات بیان کئے جو ان کے زمانے میں ظہور پذیر ہوئے، اور اس کا موقع مجھ کو

---

[۱] ابن خلکان جلد اول ص ۷۲ [۲] تجارب الامم جلد ۶ ص ۱۴۶ [۳] تجارب الامم جلد ۶ ص ۲۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طولِ صحبت اور کثرتِ مجالست سے حاصل ہوا۔

ان دونوں کے زمانے کے بہت سے مشائخ نے بھی مجھ سے وہ واقعات بیان کئے جس سے تجربہ حاصل کیا جا سکتا ہے، اور میں وہ تمام واقعات بیان کرتا ہوں جو مجھے یاد ہیں، اور جن کو میں نے دیکھا ہے اور خود ان کا تجربہ کیا ہے[1]۔

یہی وجہ ہے کہ پہلی جلد کی اشاعت کے بعد اور حصوں کو چھوڑ کر اس کی تاریخ کی پانچویں اور چھٹی جلدیں شائع کی گئی ہیں، کیونکہ تاریخ طبری ۳۰۲ھ کے واقعات پر ختم ہو گئی ہے، اور یہ حصے ۲۹۵ھ سے شروع ہو کر ان کے ذیل کے ساتھ ۳۹۳ھ کے واقعات پر ختم ہوتے ہیں، اس لیے یہ تاریخ طبری کا ذیل و تکملہ ہیں، اور اسی کے ساتھ وہ دیلمیوں کے دورِ سلطنت کی علمی تاریخ ہیں۔

---

[1] تجارب الامم جلد ۶ ص ۱۳۶ - ۱۳۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ہیثم

ابو علی کنیت، حسن نام، باپ کا نام حسن اور دادا کا نام ہیثم تھا، جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما میں اس کا یہی نام اور یہی سلسلۂ نسب لکھا ہے، لیکن علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں اس کا نام محمد لکھا ہے، بقیہ سلسلۂ نسب میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن مختصر الدول میں اس کے باپ کا نام حسین لکھا ہے[1]، اور غالباً یہی صحیح ہے۔

بصرہ کا رہنے والا تھا، اور وہیں نشوونما پائی، محمد لطفی جمعہ نے لکھا ہے کہ ۳۵۴ھ میں پیدا ہوا[2] اور جمال الدین قفطی کی تصریح کے مطابق ۴۳۰ھ میں یا اس کے چند دنوں بعد قاہرہ میں وفات پائی۔

بہرحال وہ بصرہ میں پیدا ہوا اور اپنی عمر کا ایک حصہ سرکاری ملازمت میں بسر کیا، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ وہ وزیر تھا، لیکن یہ ملازمت اس کے مذاق کے بالکل مخالف تھی وہ علم و حکمت کا شیدائی تھا اور اسی مشغلہ میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا تھا، اس لیے ملازمت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لیے حیلۃً مجنون بن گیا، اور اب اپنے عہدہ سے ہٹا دیا گیا، اس کے بعد مصر کا سفر کیا اور وہاں جامع ازہر میں قیام کیا[3]

۱؎ مختصر الدول صفحہ ۳۱۶ ۲؎ تاریخ فلاسفۃ الاسلام محمد لطفی جمعہ تذکرہ ابن ہیثم

۳؎ طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۹۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس جنون و وحشت کے ذریعہ سے سرکاری ملازمت سے علیحدگی کا محرک تو ہمارے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق صرف علم و حکمت کا شوق تھا، لیکن مصر کے سفر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محرک صرف علم و حکمت کا شوق ہی نہ تھا، بلکہ اس میں مالی ترغیبات بھی شامل تھیں چنانچہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکما میں لکھا ہے کہ شاہان علویہ میں حاکم شاہ مصر کا میلان علوم حکمیہ کی طرف تھا جب اس کو ان علوم میں ابن ہیثم کے فضل و کمال کا حال معلوم ہوا تو اس کے دل میں اس کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور اسی کے ساتھ لوگوں میں ابن ہیثم کے متعلق یہ روایت کی کہ وہ کہتا ہے کہ اگر میں مصر میں ہوتا ہے تو دریائے نیل میں ایک ایسا بند باندھ دیتا جس سے اس کی زیادتی اور کمی دونوں حالتوں میں فائدہ اٹھایا جاسکتا، اس سے حاکم کا شوق اور بڑھا اور مخفی طور پر اس نے اس کے پاس بہت سا مال بھیجا، اور اپنے یہاں آنے کی ترغیب دی، بہرحال اس نے مصر کا سفر کیا اور جب وہ وہاں پہنچا تو حاکم نے اس کا استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مہمان بنایا، جب سفر کی تکان دور ہوئی تو حاکم نے دریائے نیل پر بند باندھنے کا مطالبہ کیا اور اس کے ساتھ بہت سے کاریگر اور مزدور کر دیئے، لیکن جب ابن ہیثم نے پورے مصر کا دورہ کیا اور گذشتہ قوموں کے عمارات و آثار دیکھے تو اس کو معلوم ہو گیا کہ اس نے جس کام کا ارادہ کیا ہے وہ ناممکن ہے اگر وہ ممکن ہوتا تو گذشتہ قومیں اس کام کو کر چکی ہوتیں، اب اس کا حوصلہ پست ہو گیا اور بعض مقامات کی دیکھ بھال کے بعد اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ کام اس کی خواہش کے مطابق انجام نہیں پاسکتا اس لیے نہایت شرمندگی اور ندامت کے ساتھ واپس آیا اور حاکم سے معذرت کی جس کو بظاہر اس نے قبول کر لیا اور ابن ہیثم کی رائے سے اتفاق کیا، اس کے بعد حاکم نے اس کو کسی دفتر میں مقرر کر دیا اور حاکم کے خوف سے ابن ہیثم نے اس عہدے کو قبول کر لیا، لیکن چونکہ حاکم سخت متلون مزاج تھا اور بغیر کسی سبب یا معمولی سبب کے جو اس کے خیال میں آجاتا تھا لوگوں کو قتل کر دیتا تھا اس لیے ابن ہیثم نے سوچا کہ کسی طریقہ سے اس عہدے سے سبکدوشی حاصل کرنی چاہیئے، اور اسی پہلے طریقہ کے سوا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا، چنانچہ وہ پاگل بن گیا اور اس کے جنون کا عام شہرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا، اب حاکم اور اس کے قائم مقاموں نے اس کے تمام سرمایہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی خدمت کے لیے ایک ملازم مقرر کر دیا گیا اور اس کے گھر میں ایک جگہ اس کو قید کر دیا گیا، حاکم کی وفات کے زمانے تک وہ اسی قید کی حالت میں رہا لیکن جب حاکم کا انتقال ہوگیا تو تھوڑے دنوں کے بعد وہ پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور اپنے گھر سے نکل جامع ازہر کے ایک قبہ میں مقیم ہوگیا اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے لگا اور حاکم نے اس کے جس سرمایہ پر قبضہ کر لیا تھا وہ اس کو واپس دے دیا گیا[1]

اسی روایت کو علامہ ابن ابی اصیبعہ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن محمد لطفی جمعہ نے تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں اس پر یہ تنقید کی ہے کہ قدمائے مصر کے آثار و عمارات کو دیکھ کر ابن ہیثم کے دل میں اپنی ناکامی کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا کیونکہ ان آثار و عمارات کو ایک مہندسانہ اسکیم میں کوئی دخل نہیں، اور ابن ہیثم کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ان آثار و عمارات سے وہ اپنے وطن میں ناواقف تھا بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ اس کام کے شروع کرنے کے لیے جس قدر مصارف جس قدر تجربہ کار عملہ اور جس قدر معدنی آلات کی ضرورت تھی اس وقت مصر اس کو مہیا نہیں کر سکتا تھا اس لیے ابن ہیثم نے کام شروع کرنے سے پہلے ہی نہایت دانشمندانہ طور پر اس کام سے انکار کر دیا، اگر وہ کام کو شروع کر کے ادھورا چھوڑ دیتا تو اس سے مصر کو بجائے نفع کے الٹے نقصان پہنچ جاتا۔"

اس کی تائید تتمہ صوان الحکمۃ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ہیثم نے علم الحیل میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں حیلہ یہ لکھا تھا کہ جب دریائے نیل کے پانی کم ہو جانے سے زراعت کو نقصان پہنچے تو اس کو کیونکر جاری کیا جا سکتا ہے اس کتاب کو لے کر وہ مصر پہنچا اور ایک سرائے میں اترا، یہاں قیام کرنے کے بعد اس سے کہا گیا کہ شاہ مصر الملقب بالحاکم دروازے

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۱۴ - ۱۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر تم کو بلا رہا ہے، اب ابن ہیثم اس کتاب کو لے نکلا، اور چونکہ پستہ قد تھا اور سرائے کے دروازے پر ایک چبوترہ تھا اس لیے اس پر چڑھ کر وہ کتاب حاکم کے حوالے کی، حاکم ایک مصری گدھے پر سوار تھا جس پر روپہلے ساز وسامان تھے اس نے کتاب دیکھی تو کہا کہ تم نے غلطی کی، کیونکہ اس حیلے کے مصارف زراعت کے منافع سے زائد ہیں، اس کے بعد چبوترے کے گرانے کا حکم دے کر چلا گیا۔ اب ابن ہیثم کے دل میں اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوا اور رات کو بھاگ نکلا اور شام میں جا کر ایک امیر کے یہاں قیام کیا۔[1] شہرزوری نے بھی سب سے پہلے اس روایت کو نقل کیا ہے، اس کے بعد قفطی کی روایت کو لفظ "قیل" سے نقل کیا ہے جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، حاکم نہایت متلون مزاج تھا، اس لیے ممکن ہے کہ جب پہلی ملاقات کے بعد ابن ہیثم شام کی طرف بھاگ نکلا ہو تو اس نے اس کام کے لیے اس کو دوبارہ طلب کیا ہو، اور اس کے تجربے کے لیے اس کے ساتھ کاریگر اور مزدور کر دیئے ہوں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہرزوری نے لکھا ہے کہ جب حاکم نے اس کو طلب کیا ہے تو وہ شام میں مقیم تھا۔[2] بہرحال اس ناکامی کے بعد اس نے زہد و قناعت کی زندگی بسر کرنی شروع کی اور جامع ازہر کے دروازے پر ایک قبہ میں مقیم ہو کر تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مشغول ہو گیا، اس حالت میں اس کا ذریعہ معاش یہ تھا کہ سال میں تین کتابیں یعنی اقلیدس متوسطات اور مجسطی اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا اور جب اس نے ان کو لکھنا شروع کیا تو بعض لوگوں نے ان کی قیمت ڈیڑھ سو مصری دینار دی، اور اب یہ ان کی مقررہ قیمت ہو گئی، جن میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی تھی اور یہی اس کے سال بھر کا ذریعہ معاش بن گئی۔[3]

ابن ہیثم نے قناعت پسندی کی یہ زندگی اسی وقت سے شروع کر دی تھی، جب وہ

---

[1] تتمہ صوان الحکمہ ص ۸، [2] شہرزوری قلمی ص ۲۸ [3] اخبار الحکماء قفطی ص ۱۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاکم مصر کے خوف سے شام کی طرف بھاگ نکلا تھا، چنانچہ جب وہ مصر سے بھاگ کر شام میں آیا تو وہاں کے امیر کے یہاں قیام کیا، جس نے اس کو بہت سا مال و دولت دیا لیکن ابن ہیثم نے کہا کہ میرے لیے ایک دن کا گذارا، ایک لونڈی اور ایک خادم کافی ہے، اس لیے جو رقم ایک دن کے گزارے سے زائد ہوگی، اگر میں اس کو روک لوں گا تو تمہارا خزانچی ہوں گا، اور اگر خرچ کردوں گا تو تمہارا مہتمم اور وکیل ہوں گا لیکن اگر ان دونوں کاموں میں مشغول ہو جاؤں تو میرے علم میں کون مشغول ہوگا؟ اس کے بعد صرف اس قدر رقم قبول کی جو اس کے ضروری خرچ اور متوسط لباس کے لیے کافی تھی اور اسی زاہد و قناعت کے ساتھ زندگی بسر کردی، چنانچہ ایک بار سمنان کا ایک امیر جس کا نام سرخاب تھا، اس کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے آیا، ابن ہیثم نے کہا کہ میں تم سے تعلیم کی اجرت جس کی مقدار سو اشرفی ماہانہ ہوگی لوں گا، امیر نے اس کو منظور کرلیا اور اس کی خدمت میں تین سال رہ کر تعلیم حاصل کی جب واپس جانے لگا تو ابن ہیثم نے کہا کہ "اپنا مال واپس لے لو مجھ کو اس کی ضرورت نہیں جب تم اپنے ملک میں جاؤ گے تو تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہوگی، میں نے اس اجرت کے ذریعہ تمہارے شوق کا تجربہ کرنا چاہا لیکن جب مجھے معلوم ہوگیا کہ تحصیل علم میں تم کو مال و دولت کی کچھ پرواہ نہیں ہے، تو میں نے تمہاری تعلیم میں اپنی پوری طاقت صرف کردی یاد رکھو کہ کار خیر کے انجام دینے میں اجرت، رشوت اور ہدیہ کوئی چیز نہیں ہے، اس کے بعد اس کو رخصت کردیا۔

اس زہد و قناعت کے ساتھ وہ ایک عبادت گزار اور مذہبی شخص بھی تھا، چنانچہ اس کی وفات کے واقعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ اسہالِ دموی میں مبتلا ہوا اور جب کوئی قابض دوا کھاتا تو قے کر دیتا تھا زیست سے ناامید ہوا تو کہا کہ "مہندسہ بے کار گیا، فن طب لغو ثابت ہوا اب صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ جان، جان آفرین کے سپرد کردی جائے، چنانچہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تیرے ہی طرف لوٹنا ہے خداوندا! تیرے ہی اوپر بھروسہ کرتا ہوں، اور تیرے ہی طرف رجوع کرتا ہوں" اس کے بعد مر گیا [1]

---

[1] تتمہ صوان الحکمۃ ص ۷۸-۷۹-۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصنیفات

ابن ہیثم بچپن ہی سے علم وفن کا شائق تھا، اور عمر بھر تصنیف و تالیف میں مصروف رہا اس کی شہرت اگرچہ عام طور پر علم ریاضی میں ہے، لیکن وہ منطق اور طب میں بھی کافی دست گاہ رکھتا تھا، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اس نے طب میں جالینوس کی بہت سی کتابوں کی تلخیص کی اور وہ طب کے اصول وقوانین سے کافی واقفیت رکھتا تھا، البتہ اس نے عملی طور پر طبابت نہیں کی اور اس کو معالجات کا تجربہ نہ تھا۔

ابن ہیثم نے ۴۱۷ھ تک جبکہ اس کی عمر ۶۳ سال کی تھی جو کتابیں تصنیف کی تھیں ان کی ایک فہرست خود مرتب کی ہے، اس کی ابتدا میں لکھتا ہے کہ میں بچپن ہی سے لوگوں کے مختلف عقائد پر غور وفکر کرتا رہتا تھا اور مجھ کو ان سب میں شک تھا اور مجھ کو یقین تھا کہ حق ایک ہی ہے اختلاف صرف اس کے طریقہ میں، اس لیے جب میں امور عقلیہ کے ادراک میں کامل ہوا تو معدن حق کی جستجو کرنے لگا تاکہ ظن وشک کی ملمع کاریاں اور گمراہیاں کھل جائیں، چنانچہ میں نے ایسی رائے کے حاصل کرنے کا قصد کرلیا، جو خدا کی رضامندی، اس کی طاعت اور تقوے تک پہنچا دے اب میں مختلف آراء عقائد اور علوم دیانات کے دریا میں گھس پڑا، لیکن ان سے مجھ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا اور ان سے میں نے حق کا راستہ نہیں پہچانا، اب میں نے سوچا کہ میں حق تک صرف ان رایوں کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہوں جن کا مادہ تو محسوسات ہوں اور ان کی صورت امور عقلیہ ہوں اور میں نے ان کو صرف ارسطو کی منطق، طبیعات اور الہیات میں پایا جب مجھ کو معلوم ہوا تو میں نے علوم فلسفیہ ۔۔۔ یعنی علوم ریاضیہ، طبیعہ اور الہیہ کے حاصل کرنے میں پوری طاقت صرف کر دی اور ان کے اصول ومبادی معلوم کر دیئے، پھر میں نے جب دیکھا کہ انسان فانی ہے اور وہ عنفوان شباب میں ان اصول پر اچھی طرح غور وفکر کر سکتا ہے اور بڑھاپے میں اس کی طاقت نہیں رکھتا جہاں تک ہوسکا ان اصول کی تلخیص وتشریح کی اور ان کے فروع میں ایسی کتابیں تصنیف کیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو ان اصول کی گویا توضیح و تشریح ہیں، اس وقت ذی الحجہ کا مہینہ اور سنہ ۴۱۷ھ ہے اور جب تک زندہ رہوں گا اسی قسم کے کاموں میں اپنی قوت صرف کرتا رہوں گا، اور اس سے میرے تین مقصد ہیں

(۱) ایک تو یہ کہ جو شخص حق کا طالب ہے اس کو اپنی زندگی اور اپنی وفات کے بعد فائدہ پہنچا دوں۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں نے ان علوم کو جس قدر سمجھا ہے اس کی مشق ہوتی رہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ وہ میرے بڑھاپے کے لیے ذخیرہ بنیں۔

اس کے بعد اس نے اپنی تصنیفات کی تعداد بتائی ہے، جس میں ۲۵ کتابیں ریاضی کی ہیں اور ۴۴ کتابیں طبیعات اور الٰہیات میں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے رسالے اور کتابیں تھیں، جو بصرہ اور اھواز کے بہت سے لوگوں کے پاس تھیں، لیکن ان کے مسودے ضائع ہو گئے اور دنیوی امور اور سفر کے موانع کی وجہ سے ان کی نقل نہ ہو سکی، ابن ہیثم کی تصنیفات کی اس فہرست کو نقل کر کے علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ یہ ذوالحجہ سنہ ۴۱۷ھ تک کی تصنیفات کی فہرست ہے اس کے بعد جمادی الثانی سنہ ۴۱۹ھ تک کی جو تصنیفات ہیں ان کے نام بھی خود ابن ہیثم نے لکھے ہیں، اور ان میں بعض کتابیں علم کلام میں ہیں، مثلاً ایک کتاب نبوت کے ثبوت میں لکھی ہے جو لوگ نبوت کے قائل نہیں ان کی رائے کی تردید کی ہے اور نبی اور متنبی کا فرق بتایا ہے، ایک رسالہ اس مضمون پر لکھا ہے کہ حدوث عالم پر جو دلائل قائم کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، ایک رسالے میں حدوث صفات باری کے متعلق معتزلہ کی تردید کی ہے،

یہ تو وہ کتابیں ہیں جن کے نام خود ہیثم نے لکھے ہیں لیکن اس کے بعد سنہ ۴۲۹ھ تک ابن ہیثم نے اور جو کتابیں لکھی ہیں، ان کی فہرست بھی علامہ ابن ابی اصیبعہ کو ملی ہے اور انہوں نے طبقات الاطباء میں ان سب کے نام درج کئے ہیں اور ابن ہیثم کی تصنیفات کی ان طولانی فہرستوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ایک کثیر التصنیف شخص تھا، اور مرتے دم تک تصنیف و تالیف میں مصروف رہا لیکن افسوس ہے کہ اب اس کی کتابیں بالکل ناپید ہیں، اس کی وفات کے بعد اس پر کفر کا فتویٰ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی لگایا گیا اور تیرہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں اس کی بعض کتابیں بغداد میں جلا بھی دی گئیں[1] البتہ فرنچ، جرمن اور دوسری مغربی زبانوں میں اس کی تصنیفات کا بہ کثرت ذکر آتا ہے، سارٹن نے اپنی کتاب ہسٹری آف سائنس میں اس کی تصنیفات کی فہرست صفحہ ۲، پر دی ہے اور بروکلمین نے بھی اس کے رسائل کا ذکر کیا ہے یورپین زبانوں میں اس کی تصنیفات کے متعدد ترجمے بھی ہوئے ہیں۔

علم مناظر میں اس کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف کتاب المناظر ہے، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اس فن میں بہت سے یونانیوں نے کتابیں لکھیں اور مسلمانوں میں جن لوگوں نے اس فن میں تصنیفات کیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور ابن ہیثم ہے[2]، اس کتاب کے متعلق لیبان تمدن عرب میں لکھتا ہے کہ

"منجملہ ان تصانیف کے بہت ہی عجیب الحسن (ابن ہیثم) کی کتاب المناظر ہے جس کا ترجمہ لاطینی اور اطالی زبانوں میں ہوا تھا، اور جس سے کیپلر نے اپنی کتاب مناظر میں بہت کچھ کام لیا ہے اس میں نہایت محققانہ ابواب ہیں جن میں آئینوں کے نقطہ اجتماع الضوء اور ان میں تماثیل کے ظاہری مقامات، مسئلہ انعطاف شعاعی اور تماثیل ظاہری کا بڑا پن وغیرہ مسائل سے بحث کی گئی ہے، اسی کتاب میں مسئلہ مندرجہ ذیل کو بھی جس کا حل کرنا درجہ چہارم کی مساوات پر موقوف تھا۔ اقلیدس سے حل کیا ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مدور آئینہ میں نقطہ انعکاس کو معلوم کرنا جس وقت کہ شے منعکس اور آنکھ کا مقام معلوم ہو۔

موسیو شال جن سے بہتر اس امر میں رائے دینے والا کوئی شخص نہیں ہے الحسن (ابن ہیثم) کی کتاب یورپ کی کل معلومات علم مناظر کا ماخذ خیال کرتے ہیں"[3]

---

[1] تاریخ فلاسفۃ الاسلام محمد لطفی جمعہ صفحہ ۲۴۷ [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۲۲ [3] تمدن عرب ص ۴۲۲، ۴۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معارف میں ابن ہیثم پر ایک مستقل مضمون شائع ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اس کتاب کی شرحیں وقتاً فوقتاً لکھی گئی ہیں جن میں کمال الدین کی تنقیح المناظر خاص اہمیت رکھتی ہے، اس کتاب کو عربی زبان میں جناب عنایت احمد صاحب نقوی نے پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد علی گڑھ میں مرتب کیا، اس کے نسخے اگرچہ مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، مگر ان میں کوئی بھی قابل وثوق و صحیح نہیں اس کتاب کے مرتب کرنے کے بعد اس کو جرمنی روانہ کیا گیا اور وہاں سے مشہور مستشرق پروفیسر ڈاکٹر کرنکو کے ایک دیباچے کے ساتھ ہندوستان واپس آئی اور دائرۃ الترجمہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی، اس کتاب میں مختلف مضامین و مسائل کے متعلق بحث کی گئی ہے، مثلاً روشنی کا انعکاس کس طرح ہوتا ہے، آنکھ کی ساخت کیا ہے؟ سورج اور چاند افق پر بڑے کیوں نظر آتے ہیں؟ تارے کیوں جھلملاتے ہیں؟ انسان کو ایک آنکھ کے بجائے دو آنکھیں کیوں عطا کی گئی ہیں؟ یہ اور اسی طرح دیگر سوالات کے جوابات اس کتاب میں موجود ہیں اس کے ساتھ دیگر مسائل کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا جن کے متعلق اس نے رائے زنی کی ہے، ان سب سے اہم اور دلچسپ اس کا عملی طریقہ ہے، جس کی مدد سے نور کے متعلق اس نے تحقیقات کیں وہ اپنے علم کو مشاہدے پر قائم کرتا تھا، کسی مسئلہ کے متعلق جو نور سے تعلق رکھتا تھا، پہلے عملی طریقہ اختیار کرتا اور بعدہ اپنے مشاہدے کے نتائج کو من و عن بیان کرتا، مثلاً آئینوں کے متعلق جو تحقیقات اس نے کیں ان کی بنا مشاہدہ ہی تھی۔

اگر کسی اندھیرے کمرے میں ایک سوراخ کریں جس سے روشنی کا گذر ہو تو وہاں دیوار پر اس کا عکس پڑے گا اور اس عکس میں بیرونی اشیا کی تصویریں الٹی نظر آئیں گی، اس کو کمرہ المیکیوز کہتے ہیں اور اس مشاہدہ کا نتیجہ وہ فوٹو کمرہ ہے جس سے آج لوگ عکس کشی کرتے ہیں، ابن ہیثم نے اس کا مشاہدہ پہلے پہل کیا، اور اس کا استعمال اس نے سب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے اول کیا۔

ابن ہیثم کا نظریہ نور جس کے متعلق اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ تھا کہ شعاعیں آنکھ تک پہنچ کر ہمیں نور کے متعلق خبر دیتی ہیں، یہ نظریہ اس زمانے میں بالکل انوکھا نظریہ نظر آتا تھا، اس لیے بطلیموس اور دیگر حکمائے یونان کے نظریوں کی رو سے روشنی کی اہمیت بالکل جداگانہ خیال کی جاتی تھی۔ ان مسائل کے علاوہ جن کا مختصر ذکر مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا ہے اور جن کی تحقیقات سے علم مناظر آج اس درجہ کمال پر پہنچا ہے، ابن ہیثم نے ریاضی کے متعدد مسائل حل کیے اور اپنے فہم و ادراک کا ثبوت دیا۔[1]

---

[1] ماخوذ از مضمون معارف اکتوبر ۱۹۳۴ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخوان الصفا

قدیم زمانہ میں موجودہ زمانہ کی طرح یہ طریقہ نہ تھا کہ اہل علم کی ایک جماعت مل کر انسائیکلو پیڈیا کے طرز پر کوئی کتاب لکھے اور اس کو کسی خاص شخص کے انتساب کے بغیر شائع کرے، لیکن چوتھی صدی کے نصف حصہ میں اہل علم کی ایک جماعت نے جو اپنے آپ کو اخوان الصفا کے نام سے موسوم کرتی تھی، اس قسم کی متفقہ کوشش کی اور مختلف فلسفیانہ موضوع پر ۵۱ رسالے لکھے جو رسائل اخوان الصفا کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہوئے ہیں جہاں تک تاریخ فلسفہ کا تعلق ہے قدیم زمانے میں ان رسائل کو کوئی خاص فلسفیانہ اہمیت حاصل نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ حکماء کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ان رسالوں کا ذکر نہایت معمولی طور پر کیا گیا ہے، شہرزوری نے تاریخ الحکما میں ان رسائل اور ان کے مؤلفین کا ذکر صرف چند سطروں میں کیا ہے[1]۔ قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ کرمانی نے مشرق کا سفر کیا اور اپنے ساتھ رسائل اخوان الصفا لایا جو اس سے پہلے اندلس میں نہیں آئے تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کرمانی کے تذکرہ میں ضمناً اسی کو نقل کر دیا ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا ہے[2]۔ ان رسائل کا ذکر سب سے زیادہ مفصل طور پر قفطی نے اخبار الحکماء میں کیا ہے، لیکن ان کی فلسفیانہ اہمیت کا وہ بھی منکر ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ "اخوان الصفا و خلان الوفاء ایک

---

۱ شہرزوری ص ۱۹ ۲ طبقات الاطبا جلد دوم ص ۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت کا نام ہے، جس نے جمع ہو کر قدیم فلسفہ کے مختلف انواع پر ایک کتاب لکھی اور اس کو چند مقالات پر مرتب کیا، جن کی تعداد ۵۱ ہے۔ ان میں پچاس رسالے فلسفہ کے پچاس انواع پر ہیں اور اکیاونواں رسالہ تمام مقالات کا اختصار و خلاصہ ہے۔ لیکن یہ رسالے صرف تشویقی حیثیت رکھتے ہیں، نہ ان میں مسائل کا استقصاء کیا گیا ہے نہ ان کے دلائل واضح ہیں، بلکہ وہ انواعِ فلسفہ کی ہر نوع کے طالب کے لیے صرف تنبیہ و اشارہ ہیں اس بناء پر دورِ جدید کے مورخین فلسفہ کے یہ الفاظ کہ ان رسائل میں فلاسفۂ اسلام کے مباحث کا خلاصہ درج ہے، اور ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مولفین نے دقیق بحث کی اور طویل غور و فکر کے بعد ان کو مرتب کیا ہے۔ مبالغہ آمیز لفاظی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ان کی حیثیت تبلیغی رسالوں سے زیادہ نہیں ہے، اور ان سے صرف پروپیگنڈے کا کام لیا گیا ہے۔ البتہ تاریخی حیثیت سے ان رسائل کے متعلق چند باتیں بحث طلب ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ان کو کن کن لوگوں نے لکھا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

(۳) تیسرے یہ کہ ان رسائل کے لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا؟

اور ہم اسی ترتیب سے ان امور پر بحث کرتے ہیں۔

(۱) قفطی نے ان رسائل کے مولفین میں صرف ابو سلیمان محمد بن مشعر البستی (مقدسی) ابو الحسن علی بن ہارون الزنجانی، ابو احمد المہرجانی اور رعونی کا نام لیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے جنہوں نے ان رسائل کو لکھا لیکن اپنے نام کا اخفاء کر کے ان کو مسودہ نویسوں میں پھیلایا اور لوگوں کو تقسیم کیا، شہرزوری نے زید بن رفاعہ کے نام کا اور بھی اضافہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان رسائل کی عبارت مقدسی نے لکھی ہے لیکن قفطی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ زید بن رفاعہ ان رسائل کی

ؔلہ اخبار الحکماء قفطی ص ۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تدوین و ترتیب میں شامل نہ تھا بلکہ وہ محض ان مولفین کا شریک صحبت تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ مجھ کو ان رسائل کے مولفین کے حالات کی نہایت تلاش تھی، اسی حالت میں مجھ کو ابوحیان توحیدی کا ایک مضمون ملا، جس کو اس نے وزیر صمصام الدولہ ابن عزالدولہ کے ایک سوال کے جواب میں ۳۷۳ھ میں لکھا تھا وزیر اس سے پوچھتا ہے کہ مجھ کو ایک اہم بات بتاؤ، میں زید بن رفاعہ سے ہمیشہ ایک بات سنتا ہوں جو مجھے شبہ میں ڈالتی ہے وہ حروف والفاظ کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ب کو جو ایک نقطہ دیا گیا ت پر جو نقطے لگائے گئے اور الف کو جو بغیر نقطے کے چھوڑ دیا گیا، اس کا کوئی نہ کوئی سبب اور کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا؟ اسی کے ساتھ وہ اور بھی بڑے بڑے دعوے نہایت بلند آہنگی کے کے ساتھ کرتا ہے تو بتاؤ کہ اس کی کیا حالت ہے اور اس کے اخلاق کیسے ہیں؟ کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس کے یہاں آمد و رفت رکھتے ہو، اس کے پاس بیٹھتے ہو اور خوش گپی کرتے ہو اور جو شخص کسی کی صحبت میں رہتا ہے وہ اس کے مخفی خیالات اور مخفی مذہب سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے"

ابوحیان پہلے تو ٹال مٹول کرتا ہے، پھر وزیر کے اصرار پر بیان کرتا ہے کہ وہ ایک نہایت ذہین شخص ہے نظم و نثر پر نہایت قدرت رکھتا ہے، حساب، بلاغت، تاریخ اور مختلف مذاہب و عقائد سے ماہرانہ واقفیت رکھتا ہے یہ سن کر وزیر پوچھتا ہے کہ "اس کا مذہب کیا ہے؟" ابوحیان جواب دیتا ہے کہ اس کا کوئی خاص عقیدہ نہیں وہ کسی خاص فرقہ کی طرف منسوب نہیں بلکہ وہ سب کچھ کہتا ہے اس نے بصرہ میں ایک طویل زمانہ تک قیام کیا ہے اور وہاں اس کو اہل علم کی ایک جماعت مثلاً ابوسلیمان محمد بن معشر البستی (مقدسی)، ابوالحسن علی بن ہارون زنجانی، ابواحمد المہرجانی اور عوفی وغیرہ کی صحبت اور خدمت کا موقع ملا ہے جو دوستانہ اور خیرخواہانہ اصول پر قائم ہوئی تھی اور اس نے ایک خاص مذہب ایجاد کیا تھا جس کی نسبت اس کا خیال تھا کہ اس کے ذریعہ سے اس نے رضائے الٰہی کا راستہ قریب تر کر دیا ہے کیونکہ وہ کہتی ہے کہ شریعت، جہالت اور ضلالت سے گردآلود ہو گئی ہے، اور یہ غبار صرف فلسفہ کے ذریعہ سے دور کیا جا سکتا ہے اور جب یونانی فلسفہ اور عربی شریعت ایک لڑی میں پرو دیئے جائیں گے تو کمال کا درجہ حاصل ہو جائے گا، اس غرض سے اس نے فلسفہ کے تمام عملی اور علمی اجزا اور پچاس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسالے لکھے، جن کا نام رسائل اخوان الصفا رکھا لیکن اپنے نام نہیں ظاہر کیے۔[1] اس تصریح سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زید بن رفاعہ ان رسائل کے مولفین کا صرف شریک صحبت تھا، ان کا خادم تھا اور ان کے خیالات سے متاثر تھا لیکن ان رسائل کا مولف نہ تھا۔

(ب) اس سے زیادہ اہم بحث یہ ہے کہ ان لوگوں کے عقائد کیا تھے؟ اور وہ کس فرقے سے تعلق رکھتے تھے؟ قفطی نے لکھا ہے کہ چونکہ ان رسائل کے مولفین نے اپنے نام کا اخفا کیا، اس لیے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا کہ کس نے ان کو مرتب کیا، اور ہر گروہ نے باطنی اور قیاسی طور پر رائیں قائم کیں، ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ بعض ائمہ کا کلام ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے پھر اس امام کے نام میں بھی اختلاف کرتے ہیں، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ قدیم زمانے کے بعض متکلمین معتزلہ کی تصنیف ہیں۔[2] لیکن خود قفطی کو اس پر اطمینان نہ تھا، اس لیے اس نے مزید تحقیق کی تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ ایک آزاد خیال گروہ تھا جس کو کسی خاص فرقہ یا کسی خاص مذہب سے تعلق نہ تھا اور خود ان رسائل کے مولفین بھی کہتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کو کسی علم سے دشمنی نہیں رکھنی چاہیئے کسی کتاب کو نہیں چھوڑنا چاہیئے کسی مذہب سے تعصب نہیں رکھنا چاہیئے، کیونکہ ہماری رائے اور ہمارا مذہب تمام مذاہب اور تمام علوم کو شامل ہے۔[3] بالخصوص معتزلہ سے تو ان کو کوئی تعلق ہی نہیں اور انہوں نے اپنے رسائل میں معتزلہ کے بعض مشہور عقائد کی تردید کی ہے مثلاً معتزلہ قیامت کے دن رویت باری کے منکر ہیں لیکن ارباب رسائل اخوان الصفا لکھتے ہیں کہ اس مناظرہ پسند گروہ کا خیال ہے کہ آنکھ سے صرف اجسام و اعراض دیکھے جا سکتے ہیں اور خداوند تعالیٰ بالاجماع جسم نہیں ہے، اسی قیاسی وجہ سے انہوں نے خداوند تعالیٰ کی رویت کا انکار کیا ہے، حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے کہ صرف اجسام و اعراض دیکھے جا سکتے ہیں بلکہ اجسام تو درحقیقت دیکھے ہی نہیں جا سکتے جب تک رنگ کا وجود نہ ہو اور رنگ بھی اس وقت تک نظر نہیں آسکتا جب تک رنگ کا وجود

---

[1] اخبار الحکما قفطی ص ۵۹ [2] ایضاً ص ۵۸ [3] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۱۰۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو اور رنگ بھی اس وقت تک نظر نہیں آسکتا جب تک نور نہ ہو لیکن خود نور نہ جسم ہے نہ عرض کیونکہ اگر نور جسم ہوتا تو وہ سخت اور شفاف اجسام مثلاً شیشہ اور بلورین سرایت نہ کر سکتا کیونکہ جسم بالاجماع دوسرے جسم میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ایک جسم دوسرے جسم میں داخل ہو سکے تو کل اجسام ایک جسم میں داخل ہو جائیں، اسی طرح نور عرض بھی نہیں ہے، جو کسی جسم میں حلول کئے ہوئے ہو کیونکہ روح بھی جسم نہیں ہے، گو اس کے افعال صرف جسم ہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، فرشتے، شیطان، جن، روح، نفس عقل، فعال ان میں سے کوئی چیز جسم یا عرض نہیں ہے، لیکن ان کے افعال کا صدور جسم ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے بعینہٖ اسی طرح نور بھی جسم نہیں ہے گو وہ ہم کو صرف جسم ہی کے ذریعہ سے نظر آتا ہے، اگر خدا دیکھا نہ جا سکتا تو وہ یہ کیوں کہتا،

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ	ہرگز نہیں، آج کے دن وہ لوگ اپنے
لَّمَحْجُوبُونَ	پروردگار سے آڑ میں ہوں گے

خدا کی تجلی پہاڑ پر نمایاں ہوئی، اور تجلی اور حجاب کا اطلاق ان اشیاء پر نہیں ہوتا جو نظر نہیں آسکتیں[۱]

غرض اسلامی فرقوں سے بالاتر وہ خود اپنے آپ کو صرف ایک عقلی گروہ کہتے ہیں اور عقل ہی کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ "ہر جماعت کی نظم و ترتیب و اصلاح کے لیے ایک رئیس کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم نے اپنے بھائیوں کی جماعت کے لیے اپنا رئیس عقل کو مقرر کیا ہے اور ان شرائط کے مطابق جن کو ہم نے اپنے رسالوں میں بیان کیا ہے، اور اپنے بھائیوں کو اس کی وصیت کی ہے، اس کے فیصلوں پر راضی ہو گئے ہیں تو جو شخص عقل کے شرائط و موجبات پر راضی نہ ہو اور ان شرائط کو قبول نہ کرے بن کی ہم نے اپنے بھائیوں کو وصیت کی ہے یا

[۱] رسائل اخوان الصفا جلد ۳ ص ۱۵۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں داخل ہونے کے بعد ان سے نکل آئے تو اس کی سزا یہ ہے کہ ہم اس کی دوستی سے الگ ہوجائیں اس کے ساتھ معاشرت و معاملت نہ رکھیں اس کو اپنے اسرار نہ بتائیں اور اپنے بھائیوں کو اس سے الگ رہنے کی ہدایت کریں [1]

لیکن بایں ہمہ وہ صرف عقل ہی کے تبع نہیں ہیں بلکہ مذہبی حیثیت سے فرقہ شیعہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی کی ایک شاخ ہیں اور یہ رسائل انہوں نے خاص اسی فرقہ کے لیے لکھے ہیں چنانچہ ایک موقعہ پر لکھتے ہیں کہ " اے بھائی ہم نے مختلف علوم و فنون میں ۵۱ رسالے لکھے ہیں جن میں ہر ایک کی حیثیت تمہید، مقدمہ اور نمونہ کی ہے تاکہ اس کو ہمارے بھائی دیکھیں، اس کی قرأت سنیں اس کے بعض مطالب سمجھیں اور فضیلت اہلبیت کی حقیقت کو جس کے وہ معترف ہیں جانیں کہ وہ لوگ خدا کے علم کے خازن اور نبوتوں کے علم کے وارث ہیں [2]۔

ایک جگہ خاص طور پر شیعوں کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ " خدا نے ہم میں چند باتیں ایسی جمع کردی ہیں جو باہمی برادرانہ محبت اور دوستی کو مضبوط کرتی ہیں اور ان ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے اہل بیت کی محبت اور امیر المومنین علی بن ابی طالب خیر الوصیین کی ولایت ہے [3]۔

لیکن انہوں نے شیعوں کی مختلف جماعتوں پر تنقید کر کے شیعیت کا درجہ بہت بلند کرنا چاہا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ " بدترین لوگوں کی ایک جماعت نے شیعیت کو محض ایک پردہ بنا رکھا ہے وہ ہر قسم کی برائیاں کرتی ہے، اور جب حکام ان پر دار و گیر کرتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ ہم شیعہ ہیں، علوی ہیں تاکہ اس کی آڑ میں پناہ لیں "۔

ایک جماعت ایسی ہے جس کے جسم ہم سے ملے ہوئے ہیں، لیکن اس کی روح ہم سے الگ ہے وہ اپنے آپ کو علوی کہتی ہے لیکن وہ علوی نہیں ہے وہ صرف قرآن کا نام جانتی ہے اور اسلام کی صرف سطح سے واقف ہے نہ علم سیکھتی، نہ فقہ کو جانتی نہ نماز پڑھتی، نہ زکوٰۃ دیتی نہ حج کرتی

---

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۱۸۱ [2] ایضاً جلد ۴ ص ۲۳۳۔ ۲۳۴ [3] ایضاً ص ۲۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ جہاد کو جانتی نہ حرام سے بچتی نہ برائی سے باز آتی، اور ہر قسم کی برائیوں کی مرتکب ہوتی ہے تو یہ جماعت ہمارے اہل ملت سے بہت دور ہے اور ہمارے شیعوں کی بہت بڑی دشمن ہے۔

ایک اور جماعت ہے جس نے نوحہ گر عورتوں اور قصہ گو واعظوں کی طرح شیعیت کو ذریعہ معاش بنالیا ہے، یہ جماعت صرف تبرا، گالی گلوچ، لعن طعن اور نوحہ گر عورتوں کے ساتھ گریہ زاری کو شیعیت سمجھتی ہے اور ان کا شعار مشاہد کی مجاوری اور قبروں کی زیارت ہے بعض شیعوں کا قول ہے کہ آئمہ آوازوں کو سنتے ہیں اور دعاؤں کو قبول کرتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام منتظر مخالفین کے خوف سے چھپا ہوا ہے، حاشا وہ ان کے سامنے موجود ہے، ان کو پہچانتا ہے اور وہ اس کے منکر ہیں[۱]؛ اسی فرقہ کی ترقی یافتہ شکل کا دوسرا نام باطنیت ہے اور باطنیوں کی تعلیمات کی بہت سی خصوصیات ان میں موجود ہیں، مثلاً باطنیوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد صرف اس شخص پر ظاہر کرتے ہیں، جس سے یہ قسم لے لیتے ہیں کہ وہ ان کے اسرار کسی غیر پر ظاہر نہ کرے گا[۲]، اور رسائل اخوان الصفا کے مولفین بھی اپنی تعلیمات مخفی طور پر دیتے ہیں چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ "اے بھائی ہم لوگوں سے اپنے اسرار اس لیے نہیں چھپاتے کہ ہم دنیوی بادشاہوں کے اقتدار سے ڈرتے ہیں یا یہ کہ عوام کے شور و غل سے بچنا چاہتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ خداوند تعالےٰ کے عطیے کو محفوظ رکھیں، جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حکمت نااہلوں کو نہ سکھاؤ" اگر ایسا کروگے تو اس پر ظلم کروگے، لیکن جو لوگ اس حکمت کے اہل ہوں، ان سے اس کو نہ روکو، اگر ایسا کروگے تو ان پر ظلم کروگے[۳]۔

باطنیوں کی تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کے اسرار و خواص کو معلوم کرنا چاہتے ہیں مثلاً حروف تہجی کے کیا معنی ہیں؟ حروف تہجی صرف ۲۹ کیوں ہیں؟ بعض حروف پر کیوں نقطے لگائے

---

[۱] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۱۹۹ [۲] الفرق بین الفرق ص ۲۷۸ [۳] رسائل الصفا جلد ۴ ص ۲۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے اور بعض حروف پر کیوں نہیں لگائے گئے[1] یہی بات ہے جس کو زید بن رفاعہ اس طرح کہتا ہے کہ ب کو صرف ایک نقطہ دیا گیا، اور ت پر جو دو نقطے لگائے گئے اور الف پر کوئی نقطہ نہیں لگایا گیا ہے اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا" لیکن چونکہ ان حقائق کا علم ہر شخص کو نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ اس کو علم باطن کہتے ہیں، جس سے صرف ائمہ اہل بیت ہی واقف ہو سکتے ہیں، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ اے بھائی اکثر فلسفیوں اور حقائق اشیاء پر بحث کرنے والوں سے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں کے اسرار مخفی رہ گئے کیونکہ ان لوگوں نے ان سے بحث نہیں کی، اس لیے کہ وہ ان کی سمجھ سے بالاتر تھے، کیونکہ ان کے معانی ان ملائکہ سے ماخوذ ہیں جن کو ملاء اعلیٰ کہتے ہیں اے بھائی تجھ کو ان لوگوں میں شامل نہیں ہونا چاہیے جو دنیوی زندگی کے ظاہر سے تو واقف ہیں لیکن آخرت سے غافل، جن کی خدا نے اپنی کتاب میں اس طرح برائی بیان کی ہے۔

صم بکم عمی فھم لا یرجعون — بہرے، گونگے، اندھے ہیں اس لیے یہ نہیں لوٹیں گے۔

تو کیا تمہارے خیال میں یہ لوگ آواز نہیں سنتے؟ یا رنگ کو نہیں دیکھتے تھے؟ یا معاش کے معاملے کو نہیں سمجھتے تھے؟ یہ کچھ نہیں بلکہ خدا نے ان کی برائی اس لیے بیان کی ہے کہ وہ ان معانی کو نہیں سمجھتے تھے جو پیغمبروں کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کی طرف ہم ان رسالوں میں اشارہ کرتے ہیں، اور اپنے بھائیوں کو ان کی دعوت دیتے ہیں، پیغمبروں کا یہی دین ہے اور ربانیوں اور احبار کا یہی مذہب ہے جنہوں نے خدا کی کتاب میں ان مخفی اسرار کا تحفظ کیا ہے، جن کو صرف پاک لوگ چھو سکتے ہیں اور یہ لوگ اہل بیت ہیں جن سے خدا نے نجاست کو دور کر دیا ہے، اور ان کو خوب پاک صاف کیا ہے[2]

ان تمام تصریحات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتے تھے

---

[1] الفرق بین الفرق ص ۲۹۲ [2] رسائل اخوان الصفا ص ۲۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صرف اس مذہب ان اسرار و معانی کی دعوت دیتے تھے جو اہل بیت سے ماخوذ ہیں۔

(۳) لیکن اس دعوت کا جو مقصد تھا اس کے لیے ہم کو اس گروہ کی تنظیم و ترتیب پر غور کرنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں سب سے مقدم بات یہ تھی کہ اخوان الصفا کا انتخاب نہایت غور و فکر سے کیا جاتا تھا، اور اس گروہ کے ہر فرد کو یہ ہدایت تھی کہ جب وہ کسی کو اپنا دوست یا بھائی بنانا چاہے تو اس کو اس طرح پرکھے، جس طرح درہم و دینار پرکھے جاتے ہیں، یا بیج بونے یا درخت لگانے کے لئے عمدہ مٹی والی زمین کا انتخاب کیا جاتا ہے۔[1] اگر کوئی شخص خود پسند، جھگڑالو، سخت دل، حاسد کینہ پرور، منافق، ریاکار، بخیل، بزدل، مکار، بیوفا، متکبر، سرکش، حریص اپنے استحقاق سے زیادہ مدح پسند ہو، یا اپنے ہمسروں کو حقیر سمجھتا ہو یا اپنی قوت پر اعتماد رکھتا ہو وہ مودت اور اخوت کے قابل نہیں۔

ان بڑھوں کی اصلاح میں جو بچپن ہی سے بری رایوں کے معتقد اور بری عادتوں اور دہشت انگیز اخلاق کے خوگر ہیں، وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ کسی علم کے حاصل ہونے یا کسی عقیدہ کے معتقد ہونے سے پہلے روح کی حالت اس سادہ کاغذ کی ہوتی ہے، جس میں کچھ لکھا نہ گیا ہو، پھر جب اس میں حق یا باطل جو کچھ لکھ دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی دوسری بات نہیں لکھی جاسکتی اور جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا مٹانا مشکل ہو جاتا ہے، بعینہٖ اسی طرح جب روح میں کوئی علم کوئی اعتقاد، کوئی عادت خواہ وہ حق یا باطل جاگزین ہو جاتی ہے تو اس کا مٹانا دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ خدا نے صرف ان لوگوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جو جوان تھے اور اس بندے کو حکمت عطا فرمائی ہے جو جوان، خدا کے ہر پیغمبر کی سب سے پہلے تکذیب اس قوم کے فلسفی اور مناظرہ پسند بڈھوں نے کی ہے[2]

انسانوں کے چار درجے ہیں بعض لوگ صاحب مال اور صاحب علم دونوں ہوتے ہیں،

---

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۱۰۰ [2] ایضاً ص ۱۰۹ [3] ایضاً ص ۱۱۴-۱۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ دونوں سے محروم رہتے ہیں، بعض لوگوں کے پاس مال تو ہوتا ہے، لیکن علم نہیں ہوتا بعض لوگوں کے پاس علم تو ہوتا ہے لیکن مال نہیں ہوتا تو ہمارے بھائیوں میں سے جس کے پاس علم اور مال دونوں ہوں وہ ان میں اپنے بھائی کو شریک کرے جو دونوں سے محروم ہے اور اس پر احسان نہ جتائے اور اس کو حقیر نہ سمجھے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر احسان نہیں جتاتا، لیکن اگر ایک بھائی کے پاس مال ہو اور علم نہ ہو تو اس کے اپنے ساتھ اس بھائی کو شریک کر لینا چاہیئے جو صاحب علم ہو یہ مال سے اس کی خدمت کرے، اور وہ علم سے اس کو بہرہ اندوز کرے اور صاحب مال بھائی اپنے صاحب علم بھائی پر احسان نہ جتائے لیکن اگر صاحب علم بھائی کو جو مال سے محروم ہے، ایسا شخص نہ مل سکے جو مال سے اس کی اعانت کرے تو اس کو صبر کرنا چاہیئے، خدا کسی نہ کسی طرح اس کی مصیبت کو دور کر دے گا لیکن جس بھائی کے پاس نہ علم ہے نہ مال تو اس کے پاس پاکیزہ روح ہے، عمدہ اخلاق ہیں اس کا دل آرا فاسدہ سے محفوظ ہے، وہ خیر اور اہل خیر کا دوست ہے، خدا نے اس کو جو کچھ دیا ہے اس پر صابر اور راضی ہے، اس لیے اس کو جاننا چاہیئے کہ یہ چیزیں مال اور علم دونوں سے بہتر ہیں کیونکہ ہم نے بہت سے فلسفی اور علما کو دیکھا ہے کہ وہ فن اخلاق میں کتابیں لکھتے ہیں اور لوگوں کو اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں لیکن خود ان کے اخلاق نہایت برے ہیں، اسی طرح ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جن کے پاس علم تو کم ہے لیکن ان کے اخلاق عمدہ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ خوش خلقی خدا کی ایک نعمت ہے[۱]۔

غرض علمی، مالی، اخلاقی اور معاشرتی اشتراک کی بنا پر اس جماعت میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے اور ہر ملک میں اس کا جال پھیلا ہوا تھا، اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ہر جگہ ایک خاص شخص مقرر تھا چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "ہمارے بہت سے شریف اور فاضل بھائی اور دوست مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں ایک گروہ سلاطین، امراء، وزراء، عمال اور

---

[۱] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب کی اولاد کا ہے، ایک گروہ اشراف، دہقان، تجار اور مجاہدین کی اولاد کا ہے، ایک گروہ علماء، ادبا، اور فقہا کی اولاد کا ہے، ایک گروہ کاریگروں اور عام کاروباری لوگوں کی اولاد کا ہے اور ہم نے ان میں سے ہر گروہ کے لیے اپنے ایک بھائی کو جس کی بصیرت اور علم کو ہم نے پسند کیا، مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ہمارا قائم مقام ہو اور ان کو نرمی، مہربانی اور شفقت سے نصیحت کرے۔[۱]

اس جماعت کی ایک خاص مجلس تھی لیکن جو لوگ اس مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ان کی اصلاح و تربیت کے لیے یہ رسالے لکھے گئے تھے جو ان کو تقسیم کئے جاتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کو اس علم کی جن چیزوں کی ضرورت ہے ہم نے ان کو ۵۱ رسالوں میں بیان کر دیا ہے تو اگر تم ہماری مجلس میں حاضر نہ ہو سکو تو ان کو دیکھو اور اپنے جن بھائیوں کو تم پسند کرو اور ان میں ہدایت کے آثار پاؤ ان کے سامنے ان کو پیش کرو۔

جب یہ لوگ اس مجلس میں آتے تھے اور ان کے ساتھ کوئی نوخیز اور نوآموز شخص شریک ہوتا تھا تو اس کے سامنے ایک خطبہ دیا جاتا تھا جس کے الفاظ یہ تھے کہ ہر سلطنت کا ایک وقت ہوتا ہے جس سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اس کی ترقی کا ایک درجہ ہوتا ہے جہاں تک وہ ترقی کرتی ہے اور ایک حد پر پہنچ کر اس کی انتہا ہو جاتی ہے لیکن جب وہ اپنے انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے تو اس کو زوال ہونے لگتا ہے، اور دوسری سلطنت میں قوت و نشاط پیدا ہو جاتا ہے اور وہ روز بروز طاقت ور اور یہ روز بروز ضعیف ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ پہلی سلطنت بالکل مٹ جاتی ہے، اور دوسری نوخیز سلطنت اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

جس طرح زمانے میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں اسی طرح نیکی اور بدی کی سلطنت میں اہل زمانہ کی حالت بھی ہوتی ہے، کبھی دنیا میں قوت و غلبہ نیک لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور کبھی

---

[۱] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۱۴۵[۲] ایضاً ۲۲۱ - ۲۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدلوگوں کو جیسا کہ خداوند تعالےٰ کہتا ہے، تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ؎
تو اے بھائیو! تم دیکھتے ہو کہ بدلوگوں کی قوت اس زمانے میں اپنے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی اور انتہائی درجہ کے بعد صرف انحطاط اور نقصان ہی کا درجہ ہے، سلطنت ہر زمانے میں ایک گروہ سے دوسرے گروہ ایک خاندان سے دوسرے خاندان اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہوتی رہتی ہے لیکن نیک لوگوں کی سلطنت کی ابتدا نیک اور فاضل لوگوں سے ہوتی ہے جو ایک شہر میں جمع ہوتے ہیں، ایک رائے ایک دین اور ایک مذہب پر اتفاق کرتے ہیں، باہم مضبوط عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے ان کو بے یار و مددگار نہ چھوڑیں گے اور تمام معاملات میں یکجان و دو قالب ہو جائیں گے تو اے بھائیو یہ اعتماد رکھو کہ اگر تم نے کوشش سے کام لیا تو خدا تمہاری مدد کرے گا جیسا کہ اس نے وعدہ کیا ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَاِنَّ	خدا اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ؎	صرف خدا ہی کا گروہ غالب ہوگا۔

جو لوگ اس مجلس میں شریک نہیں ہوتے تھے ان کے پاس داعی اور مبلغ بھیجے جاتے تھے اور داعی کے ذریعہ سے ان تک یہ پیغام پہنچایا جاتا تھا چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ " اے بھائی ہم نے تجھ کو ایک نیک اور دینی کام کے لیے انتخاب کیا ہے تو ہمارے ایک بھائی کے پاس جاؤ اور اس سے رفق و ملاطفت کے ساتھ اس کی خلوت میں جب وہ فارغ البال ہوں اور اس کو ہمارا اسلام پہنچا اور اس کے سامنے اس نصیحت کو پیش کر تا کہ وہ اس پر غور کرے اور اس کو بتا کہ اس کے جن بھائیوں نے اس کو بھیجا ہے ان کی ایک مجلس ہے جس میں وہ خلوت میں جمع ہوتے ہیں، علوم و فنون پر بحث کرتے ہیں، مخفی اور راز کی باتوں پر گفتگو ہوتی ہے انہوں نے اس مجلس میں ایک دن زمانے کے انقلابات، مذاہب کے تغیرات اور سلطنتوں کے ادل بدل پر گفتگو کی

؎ رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۲۲۴-۲۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو سب نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ عنقریب دنیا میں انقلاب رونما ہو گا جس میں دین و دنیا کی بھلائی ہو گی اور وہ یہ ہے کہ ایک نئی حکومت قائم ہو گی اور سلطنت ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہو جائے گی، دلیل، عقل، تجربہ، قیاس، زجر، فال، کہانت، فراست، نجوم اور خواب سب سے ہم نے اس کو معلوم کر لیا ہے اور نئے بادشاہ کے اوصاف سے واقف ہو گئے ہیں اور اس سال اور اس مہینہ کو جان لیا ہے جس میں یہ انقلاب رونما ہو گا، اگر وہ اس نصیحت کو قبول کرے تو فبہا اور اگر توقف کرے تو یہ کہے کہ اس کی علامت کیا ہے اور اس کی تصدیق کیونکر کی جا سکتی ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے دلائل و علامات تو ظاہر ہیں لیکن ان کو وہی شخص جان سکتا ہے جو علوم پر ہماری طرح نگاہ ڈالے اور ان سے ہماری طرح واقف ہو۔[1]

ان تمام تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کا اصلی مقصد ایک سیاسی انقلاب ایک نئی سلطنت کا قیام تھا اور انہوں نے علم، مذہب اور اخلاق کے ذریعہ سے اس انقلاب کو پیدا کرنا چاہا ہے اور چونکہ انسانوں کے مختلف گروہ ہیں اور ہر گروہ پر مختلف علوم، مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کا اثر پڑتا ہے اس لیے انہوں نے ہر علم، ہر مذہب اور ہر عقیدہ کو اس کا ذریعہ بنایا ہے اور اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ کسی علم سے دشمنی نہ رکھیں یا کسی کتاب کو نہ چھوڑیں، کسی مذہب سے تعصب نہ رکھیں کیونکہ ان کا مذہب تمام مذاہب کو شامل ہے۔

عام طور پر ان کے علم کے ماخذ چار ہیں۔

(۱) وہ کتابیں جو حکما نے ریاضیات اور طبیعیات پر لکھی ہیں۔

(۲) وہ کتابیں جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں مثلاً تورات، انجیل، قرآن اور انبیاء کے دوسرے صحیفے۔

(۳) صحیفہ فطرت یعنی آسمانوں کی ترکیب، بروج کے اقسام، ستاروں کی حرکت، ان کے اجسام

---

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۲۲۷، ۲۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مقدار، عناصر کے تغیرات، کائنات کی مختلف قسمیں مثلاً معدنیات، حیوانات، نباتات اور انسانی مصنوعات۔

(۴) کتب الہیہ جن کو صرف پاک لوگ یعنی فرشتے چھو سکتے ہیں اور یہ جواہر نفوس کے احساس، انواع اور جزئیات ہیں جو اجسام میں تصرف کرتے ہیں، ان کو حرکت دیتے ہیں، ان کی تدبیر کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اُن کے افعال کو پیدا کرتے ہیں۔ [1]

لیکن ان کا طرز تحریر فلسفیانہ اور متکلمانہ نہیں ہے بلکہ خطیبانہ، شاعرانہ اور انشاء پردازانہ ہے اور غالباً اس معاملے میں کلیلہ و دمنہ کا ان پر اثر پڑا ہے اور بہت سی باتیں جانوروں کی زبان سے بیان کی گئی ہیں اور جا بجا قصص و حکایات کے ذریعے سے مطالب کو سمجھایا گیا ہے اس لیے کتاب دلچسپ تو ضرور ہو گئی ہے لیکن اس کو فلسفہ کی کتاب نہیں کہا جا سکتا، اس لیے قدیم زمانے کے فلسفیوں نے اس کو بہت زیادہ دلچسپی کے ساتھ نہیں دیکھا، چنانچہ ابوحیان توحیدی سے جب وزیر صمصام الدولہ نے پوچھا کہ تم نے ان رسالوں کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے وہ ہر فن پر مشتمل ہیں لیکن وہ بالکل ناکافی ہیں اور ان میں خرافات اور کنایات اور رنگ آمیزیاں بہت ہیں میں نے ان میں سے چند رسائل، اپنے شیخ ابوسلیمان منطقی سجستانی محمد بن بہرام کی خدمت میں پیش کئے اور انہوں نے ان کو چند دنوں تک غور و فکر کے ساتھ دیکھ کر واپس کر دیا اور کہا کہ ان لوگوں نے تکلیفیں تو بہت اٹھائیں لیکن لاحاصل چشمے کے گرد گھومتے رہے لیکن اس کے کنارے اتر نہ سکے، راگ تو گائے لیکن کسی کو حال نہ آیا، بال تو سنوارے لیکن اس میں اور پیچ و خم پڑ گئے، ان لوگوں نے ایک ناممکن خیال قائم کیا اور یہ گمان کیا کہ فلسفہ یعنی علم نجوم، علم افلاک و مقادیر، مجسطی، آثار طبیعہ، موسیقی اور منطق کو شریعت میں شامل کر کے شریعت اور فلسفہ کو باہم مربوط کر دیں لیکن یہ بڑی دشوار گزار راہ ہے، ان سے پہلے ایک قوم نے جو ان سے بہت زیادہ تیز دست، طاقتور اور بلند رتبہ تھی اس قسم کی کوشش

---

[1] رسائل اخوان الصفاء جلد ۴ ص ۱۰۵، ۱۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تھی، لیکن ناکامیاب رہی نجاستوں میں آلودہ ہوگئی اور اس کا انجام نہایت ذلت انگیز ہوا اس موقع پر بخاری ابن العباس نے ان سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ انہوں نے کہا کہ "شریعت بذریعہ ایک سفیر کے خداوند تعالیٰ سے وحی، مناجات، شہادت آیات اور ظہور معجزات کے طریقہ سے ماخوذ ہے اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر بحث و تدقیق نہیں جا سکتی، ان کو صرف مان لینا چاہیئے اور یہاں اس قسم کے سوالات نہیں کرنے چاہئیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیونکر ہوا؟ یہ کیوں نہیں ہوا؟ کاش ایسا ہوتا، بلکہ ان کی بنیاد ان حدیثوں پر قائم ہے جو اہل ملت میں مشہور ہیں اور ان پر امت نے اتفاق کر لیا ہے، ان میں ستاروں کے اثر کے متعلق نجومیوں کی طبیعت کے آثار، حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست اور فعل و انفعال کے متعلق طبیبین کی اشیا کی مقدار کے متعلق مہندسوں کی اور اقوال اور اسماء و افعال کے متعلق منطقیوں کی باتیں شامل نہیں ہیں، ایسی حالت میں اخوان الصفا کے لیے یہ کیونکہ جائز ہے کہ وہ ایک ایسی ہمہ گیر دعوت کا پروگرام بنائیں جو شریعت میں فلسفیانہ حقائق کی جامع ہو، ان لوگوں کے علاوہ صاحب عزیمت، صاحب کیمیا، صاحب طلسم معبرین خواب، مدعیان سحر اور شعبدہ بازوں کی ایک جماعت بھی ہے جو اسی قسم کے مقاصد رکھتی ہے، تو اگر یہ باتیں جائز ہوتیں تو خداوند تعالےٰ ان پر تنبیہ کرتا اور صاحب شریعت ان کو استعمال کر کے اپنی شریعت کو مکمل بناتا اور ان کے اضافہ سے شریعت کے نقص کی تلافی کرتا اور فلسفیوں کو ان کی توضیح و تکمیل پر آمادہ کرتا لیکن نہ تو اس نے خود ایسا کیا اور نہ یہ کام اپنے خلفاء کے سپرد کیا بلکہ ان چیزوں پر غور و فکر کرنے کی ممانعت کی اور فرمایا کہ جو شخص عراف کاہن اور منجم کے پاس اس غرض سے گیا کہ اس کو غیب کی باتیں معلوم ہو جائیں اس نے خدا سے لڑائی مول لی اور جو شخص خدا سے لڑے گا اور اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہے گا اور خود مغلوب ہو جائے گا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ امت نے اصول و فروع میں بہت سے اختلافات کیے حلال و حرام تفسیر و تاویل اور دعوت و اصلاح کے متعلق ان میں نزاعین پیدا ہوئیں، لیکن انہوں نے ان مباحث میں منجم، طبیب منطقی ریاضی دان اور موسیقی دان، صاحب عزیمت، شعبدہ باز، ساحر اور ارباب کیمیا سے مدد نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لی، کیونکہ خدا نے اس دین کی تکمیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کی ہے اور اس بیان کے بعد جس کا ذریعہ وحی تھا آپ کو ایسے بیان کا محتاج نہیں کیا جس کا ذریعہ رائے ہے، جس طرح یہ امت، ارباب فلسفہ کی محتاج نہیں ہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت یعنی یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت یعنی عیسائی اور مجوسی بھی ارباب فلسفہ کے محتاج نہیں ہیں اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ اس امت میں رائے اور مذہب کے لحاظ سے بہت سے اختلافات پیدا ہوئے اور ان اختلافات کی بنا پر بہت سے فرقے مثلاً معتزلہ، مرجیہ، شیعہ اہلسنت والجماعت اور خوارج پیدا ہو گئے لیکن ان میں کوئی گروہ فلسفیوں کا محتاج نہیں ہوا اور نہ ان کے دلائل سے اپنے عقائد ثابت کیے اسی طرح فقہا نے بھی جن میں ابتدائی زمانہ سے آج تک حلال و حرام کے احکام میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے فلسفیوں سے مدد نہیں لی، پھر دین اور فلسفہ میں کیا تعلق ہے اور جو چیز وحی سے ماخوذ ہے اس کو اس چیز سے کیا علاقہ جو رائے سے ماخوذ ہے، اگر وہ عقل سے استدلال کرتے ہیں تو اگر عقل کافی ہوتی تو وحی کا کیا فائدہ تھا اس کے علاوہ عقل میں لوگوں کے درجے باہم مختلف ہیں، کل عقل ایک ہی شخص کو نہیں ملی ہے بلکہ اس میں سب لوگ شریک ہیں، اس لئے عقل کے بھروسہ پر ہم وحی سے بے نیاز ہو جائیں تو کیا کر سکتے ہیں؟ اگر کوئی شخص جہالت سے یہ کہے کہ ہر عاقل کے لیے صرف اس کی عقل کافی ہے اس کو دوسرے کی عقل کی ضرورت نہیں تو اس میں کوئی شخص اس سے اتفاق نہ کرے گا اگر دین و دنیا کے تمام کاموں میں ایک شخص صرف اپنی عقل پر اعتماد کرے تو اس کو اپنی دین و دنیا کی تمام ضرورتوں میں اپنی ہی قوت پر اعتماد کرنا ہوگا اور تمام علوم صنائع میں وہ اپنے اور بھائیوں کا محتاج نہ ہوگا، اور یہ ایک ایسی بات ہے، جس کی تائید کسی نے نہیں کی۔

اس پر بجاسی نے یہ اعتراض کیا کہ وحی میں انبیاء کے درجے بھی مختلف ہیں اور جب وحی میں یہ جائز ہے اور اس سے اس میں کوئی نقص نہیں پیدا ہوتا تو یہ عقل میں بھی جائز ہو سکتا ہے لیکن انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اصحاب وحی کے درجات کے اختلافات نے ان کے قابل اعتماد ہونے پر کوئی اثر نہیں ڈالا لیکن مختلف عقلوں سے کام لینے والوں میں یہ اعتماد مفقود ہے، اب وزیر نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا کہ کیا مقدسی نے بھی یہ باتیں سنیں، اس نے کہا کہ باب الطاق میں مسودہ نویسوں کے سامنے میں نے یہ اور اسی قسم کی اور باتیں گھٹا بڑھا کر اور آگے پیچھے کر کے اس سے کہیں، لیکن وہ خاموش رہا اور مجھ کو اس کے جواب کے قابل نہیں سمجھا لیکن ابن طرارہ کے غلام حریری نے اس کو مسودہ نویسوں کے سامنے اسی قسم کی باتوں سے اشتعال دلایا تو اس نے مشتعل ہو کر کہا کہ "شریعت مریضوں کی طب اور فلسفہ صحیح و تندرست لوگوں کی طب ہے، پیغمبر لوگ مریضوں کا علاج کرتے ہیں تاکہ ان کا مرض بڑھنے نہ پائے یہاں تک کہ ان کا مرض زائل ہو جائے اور صحت عود کر آئے لیکن فلاسفہ حفظان صحت کا فرض انجام دیتے ہیں، تاکہ لوگوں میں مرض پیدا ہی نہ ہونے پائے اور مریض اور تندرست لوگوں کے مدبرین میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ مریض کی تدبیر کے یہ معنی ہیں کہ اگر دوا موثر ہو طبیعت میں اس کے اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو اور طبیب مخلص ہو تو صحت عود کر آئے اور تندرست آدمی کی تدبیر کا مقصد یہ ہے کہ صحت محفوظ رہے اور جب صحت محفوظ ہو گی تو وہ تمام فضائل کو حاصل کر سکے گا اور وہ سعادت عظمٰی کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گا اور خدائی زندگی کا مستحق ہو جائے گا جس کے معنی دائمی بقا کے ہیں، اگرچہ وہ شخص بھی جو طبیب کی دوا سے مرض سے شفایاب ہوتا ہے، ان فضائل کو حاصل کر سکتا ہے، لیکن یہ فضائل پہلے فضائل سے مختلف ہیں، کیونکہ ایک تقلیدی ہے، دوسرا برہانی، ایک ظنی ہے اور دوسرا یقینی ایک روحانی ہے دوسرا جسمانی، ایک ابدی ہے اور دوسرا وقتی [1]

ان رسائل کے متعلق قدیم دور میں اس سے زیادہ تفصیلی رائے نہیں مل سکتی لیکن موجودہ دور میں ان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اسماعیلی شیعوں کی ایک انقلاب انگیز سیاسی جماعت تھی، جو ابو سلیمان نہرجوری کے مکان میں جمع ہوتی تھی اور جب کوئی اجنبی اس میں شریک ہو جاتا تھا تو رمز وکنایہ میں گفتگو کرتی تھی

---

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زید بن رفاعہ ان اجتماعات میں شریک ہوتا تھا اور اسی طریقہ اجتماع نے وزیر صمصام الدولہ کے دل میں اس کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کئے۔

(۲) چوتھی صدی میں مسلمانوں کا سیاسی زوال انتہائی درجہ کو پہنچ گیا تھا، اور ہر جگہ طوائف الملوکی پھیل گئی تھی، لیکن اسی کے ساتھ مسلمانوں کی عقلی زندگی نہایت ترقی یافتہ ہو گئی تھی اور تمام دنیا کی قوموں کے علوم وفنون اسلامی تمدن کا جزو ہو گئے تھے۔

(۳) اخوان الصفا کی جماعت اسی زوال پذیر سیاسی نظام کو الٹنا چاہتی تھی لیکن اسی کے ساتھ وہ نظام عقلی میں بھی تغیر وانقلاب پیدا کر کے ایک جدید نظام عقلی قائم کرنا چاہتی تھی اور اس نے اس معاملے میں یونانیوں کی تقلید کی تھی، کیونکہ فیثا غورثیوں کی جماعت بھی یونانی نظام سیاست کو سخت ناپسند کرتی تھی اور اس میں انقلاب پیدا کرنا چاہتی تھی، جس کے لیے انہوں نے بہت سے ایسے طریقے ایجاد کئے تھے جن میں سب سے اہم طریقہ یہ تھا کہ انہوں نے نظام عقلی کو بدل کر ایک نیا فلسفہ پیدا کرنا چاہا تھا جس کے ذریعے سے ایک ایسی عقلی اور علمی زندگی پیدا ہو جائے جو اس نئی سیاست کے لئے موزوں ہو اور عام معاملات اس جماعت کے زیر اقتدار آ جائیں۔

افلاطون نے بھی عقلی حیثیت سے ایک سیاسی نظام قائم کیا تھا جس کی تفصیل اس نے کتاب جمہوریت میں کی ہے، یہ نظام افلاطونی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہوا تھا، جس طرح فیثا غورثی جماعت کے سیاسی نظام کی بنیاد فیثا غورثی فلسفہ پر قائم تھی، تمام یونانی فلسفیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی سیاسی نظام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک ایک ایسا نظام تربیت نہ قائم کیا جائے جو اس سیاسی نظام کے لیے موزوں ہو اور فرد جماعت کو اس کی تائید ومدافعت کے لیے تیار کر دے، افلاطون نے جمہوریت میں اور ارسطو نے کتاب السیاستہ میں اسی نظام تربیت کو اہمیت دی ہے اور اخوان الصفا کی جماعت اس معاملے میں افلاطون اور فیثا غورث دونوں سے متاثر ہے اور جس طرح فیثا غورث کو کسی قدر سیاسی کامیابی یونان میں حاصل ہوئی تھی اسی طرح اس جماعت کو بھی سیاسی کامیابیاں حاصل ہوئیں اور اسماعیلیوں کو عالم اسلامی کے بعض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصوں میں اقتدار حاصل ہوگیا،

(۲) اگرچہ اس قسم کی مخفی جماعتوں کا قائم ہونا بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی سیاسی حالت کس قدر ابتر ہوگئی تھی تاہم ان رسائل میں اس زمانے کی سیاسی حالت سے زیادہ اس زمانے کی عقلی زندگی کی مکمل تصویر نظر آتی ہے، ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ اسلامی عقل نے یونان کے فلسفہ ہندوستان کی حکمت، ایرانیوں اور عربوں کے آداب اور ہر آسمانی اور غیر آسمانی مذہب کے حقائق کو اخذ کرلیا ہے اور اس کی ترتیب و تنظیم سے ایک ایسا موزوں مجموعہ تیار کرلیا ہے جو ہر روشن خیال شخص کے لیے قابل قبول ہے اس لیے یہ رسائل فلسفہ کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہیں، جن میں افلاطون، فیثا غورث اور ارسطو کا فلسفہ موجود ہے اس کے علاوہ اس دور میں اسلامی فلسفہ پر مذہب اخلاق اور تصوف وغیرہ کا جو اثر پڑا ہے ان سب کی تفصیل ہے یہاں تک کہ ان میں خرافات کا ایک حصہ بھی شامل ہے، فارابی اور ابن سینا نے فلسفہ کی جو کتابیں لکھی تھیں وہ مخصوص لوگوں کے لیے تھیں، لیکن ارباب رسائل اخوان الصفا نے یہ رسالے عام لوگوں کے لیے لکھے ہیں اس لیے اس میں فلسفیانہ دقیق عبارتیں نہیں پائی جاتیں، بلکہ صاف سلیس ادبی رنگ پایا جاتا ہے لیکن باایں ہمہ ان سے فلسفہ کی تعلیم دینا مقصود نہیں بلکہ ایک ایسا مجموعہ تیار کرنا مقصود تھا جو ایک خاص قسم کی سیاست کے لیے ایک جماعت کو تیار کردے اس لیے انہوں نے اس کی عام اشاعت نہیں کی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ بوعلی بن سینا

نام و نسب

حسین نام، ابوعلی کنیت ہے۔ باپ کا نام عبداللہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا۔

شیخ کے ایک شاگرد ابو عبید جرجانی نے جو یورپ میں جوردس کے نام سے مشہور رہیں۔ خود شیخ کے حالات شیخ سے پوچھے ہیں اور شیخ نے ان سے اپنے جو حالات بیان کیے ہیں، وہ گویا اس کی خود نوشت سوانح عمری ہیں، اور اسی کو تمام تذکرہ نویسوں نے نقل کر دیا ہے۔ یہی حالات لیٹن زبان میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اور یورپ میں شیخ کی جو کتابیں چھاپی گئی ہیں۔ ان کی ابتداء میں بھی یہی حالات درج ہیں۔

ان حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کا باپ عبداللہ بلخ کا رہنے والا ایک سرکاری ملازم یا عہدہ دار تھا۔ لیکن نوح بن منصور سامانی کے عہد حکومت میں بخارا چلا آیا، اور سرکاری ملازم ہو کر بخارا کے ایک بڑے گانوں خرمثین میں سرکاری خدمات ادا کرنے لگا۔ اسی گانوں کے قریب ایک دوسرا گانوں تھا جس کو افشنہ کہتے تھے اس نے اس گانوں کی ایک عورت سے جس کا نام ستارہ تھا۔ شادی کر لی اور شادی کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں اقامت گزین ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولادت

شیخ اسی گاؤں میں صفر ۳۷۰ھ میں پیدا ہوا، اور اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کا بھائی محمود پانچ سال کے بعد پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت

چند دنوں کے بعد شیخ کا پورا خاندان بخارا منتقل ہو کر چلا آیا، اور شیخ کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ یہیں شروع ہوا جس کی ابتدا قرآن مجید اور علم ادب سے ہوئی۔ اور دس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے شیخ نے قرآن مجید اور علم ادب کا بڑا حصہ ازبر کر لیا۔ یہاں تک کہ لوگ شیخ کی ذہانت کا چرچا کرنے لگے لیکن شیخ کے کان ابھی تک فلسفہ و منطق سے ناآشنا تھے۔ البتہ شیخ کا باپ اسمٰعیلی فرقے میں داخل ہو گیا تھا اور ان سے نفس اور عقل کا ذکر سن چکا تھا اور خود بھی ان کا تذکرہ کرتا رہتا تھا۔ شیخ ان تذکروں کو سنتا تھا لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے شیخ کو بھی اسمٰعیلی مذہب کے قبول کرنے کی دعوت دی اور اسی سلسلہ میں ان لوگوں کی زبان پر فلسفہ، ہندسہ اور ہندوستان کے حساب کا ذکر بھی آیا، اور اس طرح شیخ کے کان ان علوم سے آشنا ہوئے اور اس نے سب سے پہلے ریاضی سے اس کی ابتدا کی اور اس کے باپ نے اس کو ایک سبزی فروش کے پاس جس کا نام محمود مساحی تھا بھیج دیا تاکہ اس سے ہندوستان کے حساب اور جبر و مقابلہ کی تعلیم حاصل کرے۔ ریاضی کے ساتھ شیخ فقہ کی تعلیم اسمٰعیل زاہد سے حاصل کرتا تھا۔ اسی اثناء میں ابوعبداللہ الناتلی جو فیلسوف کے لقب سے مشہور تھے بخارا میں آئے اور شیخ کے والد نے ان کو شیخ کی تعلیم کی غرض سے اپنے گھر میں ٹھہرایا، اور شیخ نے ان سے پہلے منطق کی، پھر اقلیدس کی، پھر مجسطی کی تعلیم حاصل کی اور اس حالت میں ان پر شیخ کی ذہانت کے غیر معمولی جوہر کھلے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال شیخ نے ان سے منطق کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اس کی دقیق کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اور اس میں پختگی حاصل کر لی۔ اوقلیدس کی تعلیم کی بھی یہی کیفیت رہی یعنی شیخ نے اس کی ابتدائی پانچ یا چھ شکلیں استاد سے پڑھیں پھر بقیہ کتاب کو خود حل کیا اس کے بعد مجسطی پڑھی اور جب اس کے مقدمات کے بعد اشکال ہندسیہ تک پہنچا تو عبداللہ ناتلی نے اس سے کہا کہ "تم خود اس کتاب کو پڑھو اور اس کو حل کرو، پھر اس کو میرے سامنے دہراؤ تاکہ میں بتادوں کہ صحیح مسئلہ کیا ہے"؟ لیکن وہ اس کتاب کو خود نہیں پڑھا سکتے تھے اس لیے شیخ نے اس کتاب کے مطالب کو بھی خود حل کیا اور عبداللہ کی بہت سی مشکل شکلیں اس وقت معلوم ہوئیں جب شیخ نے ان کو سمجھا دیا۔ شیخ کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عبداللہ ناتلی شاہ مامون بن محمد کے دربار میں خوارزم چلے گئے اور شیخ نے طبیعیات اور الٰہیات کی کتابیں خود پڑھنی شروع کیں، اس وقت ان کے سامنے علم کے دروازے کھل گئے۔ اس کے بعد شیخ کو علم طب کا شوق پیدا ہوا اور اس فن کی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ شیخ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے علم طب کو بذات خود حاصل کیا تھا، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے ابو سہل عیسیٰ بن یحییٰ مسیحی جرجانی کے حال میں لکھا ہے کہ وہ فن طب میں شیخ کا استاد تھا[1] ابو سہل کے علاوہ شیخ نے اس زمانے کے مشہور طبیب ابو منصور الحسن بن نوح القمری کے حلقۂ درس میں بھی شامل ہو کر طبی تعلیم حاصل کی[2]

بہرحال فن طب چونکہ کوئی مشکل فن نہ تھا۔ اس لیے شیخ نے تھوڑی سی مدت میں اس میں اس قدر کمال پیدا کر لیا کہ بڑے بڑے اطبا اس سے طب کی تعلیم حاصل کرنے لگے اور مریضوں کی دیکھ بھال میں اس کو جو تجربے حاصل ہوئے تھے اس سے فائدہ اٹھانے لگے، علوم حکمیہ کی تحصیل و تعلیم کے ساتھ ساتھ علم فقہ کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری

---

[1] طبقات الاطباء جلد اول ص ۳۲۸ [2] ایضاً ص ۳۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا۔ اس وقت شیخ کا سن سولہ سال یا باختلاف روایت بارہ سال کا تھا۔ ان تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد مزید تکمیل فن کے لیے شیخ نے ڈیڑھ سال تک تعلیم کا سلسلہ اور جاری رکھا اور منطق اور فلسفہ کے تمام اجزاء کو دوبارہ اس شوق و محنت سے پڑھا کہ اس زمانے میں کبھی پوری رات نہیں سویا۔ اور دن کو بھی اس کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا، جس دلیل پہ غور کرتا تھا پہلے اس کے مقدمات قیاسیہ کو ثابت کرتا تھا اور اس کو کاغذ پہ لکھ لیتا تھا، پھر اس کے نتیجے پہ غور کرتا تھا جس سے اس مسئلے کی حقیقت معلوم ہوجاتی تھی اور جب کوئی مسئلہ حل نہ ہوتا تو وضو کر کے جامع مسجد میں چلا جاتا۔ نماز پڑھتا اور دعا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس مسئلے کی پیچیدگی دور ہوجاتی۔ مسجد سے رات کو پلٹ کر گھر آتا تو چراغ سامنے رکھ کر لکھنے پڑھنے میں مشغول ہوجاتا تھا۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا یا ضعف محسوس ہوتا تو قوت کے لیے شراب یا نبیذ کا ایک پیالہ پی لیتا اس کے بعد پھر شروع کر دیتا، اس حالت میں اگر جھپکی بھی آجاتی تھی تو خواب میں بھی وہی مسائل نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسائل کی حقیقت اس کو خواب ہی میں معلوم ہوئی۔ اس طریقے سے شیخ کو تمام علوم و فنون میں اس قدر کمال حاصل ہو گیا کہ پھر بقیہ عمر میں اس پہ کوئی اضافہ نہ ہوسکا۔ منطق، طبعیات اور ریاضیات میں کمال حاصل کرنے کے بعد شیخ نے الٰہیات کی طرف توجہ کی، اور کتاب مابعد الطبعیہ کو پڑھا لیکن اس کتاب کے مقاصد و اغراض کو نہ سمجھ سکا، یہاں تک کہ اس کو چالیس بار پڑھا اور وہ ازبر یاد ہوگئی پھر بھی سمجھ میں نہ آئی۔ یہاں تک کہ اس سے مایوس ہوگیا۔ اسی اثناء میں ایک دن عصر کے وقت کتب فروشوں کے بازار میں گیا تو دیکھا کہ ایک دلّال کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس کو وہ پکار پکار کر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اس نے شیخ کے سامنے یہ کتاب پیش کی، شیخ نے اس خیال سے کہ یہ ایک غیر مفید علم ہے۔ نہایت ناگواری سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ "اس کتاب کو خرید لو نہایت سستی ہے۔ اس کا مالک اس کی قیمت کا محتاج ہے اور میں اس کو تین درہم پہ فروخت کر دوں گا"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ نے کتاب خرید کر دیکھی تو وہ کتاب مابعد الطبیعۃ کے اغراض پر ابونصر فارابی کی کتاب نکلی۔ گھر واپس آکر اس کو فوراً پڑھنا شروع کیا۔ چونکہ وہ اس کو حفظ یاد ہو گئی تھی اس لیے اس مرتبہ اس کے مطالب شیخ پر واضح ہو گئے اور وہ اس قدر مسرور ہوا کہ دوسرے دن اس کے شکرانے میں محتاجوں میں بہت کچھ صدقہ و خیرات کیا۔ اسی زمانہ میں بخاری کا فرمانروا نوح ابن منصور سامانی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ تمام اطباء اس کے علاج میں ناکامیاب رہے۔ کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے اطباء میں شیخ کو بھی شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ اس لیے انھوں نے نوح کے سامنے شیخ کا تذکرہ کیا اور اس کے بلانے کی درخواست کی۔ چنانچہ شیخ بھی ان اطباء کے ساتھ اس کے معالجے میں شریک ہوا اور اس کو شفا حاصل ہو گئی اور اس تقریب سے اس کے متوسلین میں داخل ہو گیا۔ اور اس نے نوح کے کتب خانے میں داخل ہونے اور طبی کتابوں کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی اجازت چاہی۔ اس کی اجازت مل گئی۔ اس نے دیکھا کہ کتب خانہ ایک بہت بڑا مکان ہے جس میں بہت سے کمرے ہیں اور ہر کمرے میں کتابوں کے صندوق ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں۔ ایک کمرے میں شعر و عربیت کی۔ دوسرے میں فقہ کی، اس طرح ہر کمرے میں الگ الگ علوم کی کتابیں تھیں، لیکن شیخ نے اپنے ذوق کے مطابق صرف حکماء کی کتابوں کی فہرست دیکھی تو ایسی کتابیں نظر آئیں جن کے نام بھی بہت سے لوگوں نے نہیں سنے تھے۔ شیخ نے بھی اس وقت تک یہ کتابیں نہیں دیکھی تھیں اور اس کے بعد بھی یہ کتابیں اس کی نظر سے نہیں گذریں۔ اس نے یہ کتابیں پڑھیں ان کے فوائد کو حفظ یاد کیا۔ اور ہر شخص کے علمی مرتبہ کو پہچانا۔

اس طرح اگرچہ شیخ کے علم میں پختگی آگئی، لیکن اس میں کچھ اضافہ نہ ہو سکا، اس کے بعد اتفاق سے کتب خانے میں آگ لگ گئی اور تمام کتابیں جل گئیں۔ اس لیے اب ان کتب خانے کے علوم کا علم صرف شیخ رہ گیا اس بناء پر شیخ کے مخالفین کا خیال ہے کہ خود شیخ ہی نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگ لگا دی تاکہ ان علوم کو اپنی طرف منسوب کرے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ ان علوم کا سب سے بڑا عالم ہے۔ غرض اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے شیخ نے تمام علوم سے فراغت حاصل کر لی اور اس کے بعد تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا، ان کے ایک پڑوسی ابوبکر برقی خوارزمی نے جو بہت بڑے فقیہ، بہت بڑے مفسر اور بہت بڑے زاہد ہونے کے ساتھ علوم حکمیہ کی طرف بھی مائل تھے۔ ان کی شرح کرنے کی درخواست کی اور ان کی خواہش پر شیخ نے کتاب حاصل و محصول تقریباً ۲۰ جلدوں[1] میں لکھی، اس کے علاوہ ان کے لیے فن اخلاق میں بھی ایک کتاب لکھی، جس کا نام کتاب البر والاثم تھا۔ یہ کتابیں صرف ان ہی کے پاس تھیں کسی اور کو انہوں نے ان کی نقل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ شیخ کے پڑوس میں ایک اور شخص ابوالحسن عروضی تھے۔ ان کی خواہش پر بھی شیخ نے علوم حکمیہ میں ایک کتاب کتاب مجموع لکھی۔ اس میں انہوں نے ریاضی کے سوا تمام علوم حکمیہ کو درج کیا۔ اس وقت شیخ کا سن ۲۱ سال کا تھا۔ اس کے ایک سال بعد جب شیخ کا بائیسواں سال تھا۔ تو اس کے باپ نے انتقال کیا۔ اس وقت تک باپ بیٹے دونوں نوح بن منصور سامانی کے ملازم تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد شیخ کچھ دنوں نوح بن منصور کی ملازمت میں رہا۔ پھر جب سامانیوں کا نظام سلطنت درہم برہم ہو گیا تو حالات نے شیخ کو بخارا چھوڑنے پر مجبور کیا اور وہ خوارزم کے دارالسلطنت کرکانج اور شاہ علی بن مامون کے دربار میں فقہاء کی وضع میں حاضر ہوا، اس وقت ابوالحسن سہلی جو علوم حکمیہ کے ساتھ دلچسپی رکھتا تھا، اس کا وزیر تھا۔ یہاں شیخ کا ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا، لیکن یہاں بھی شیخ کا قیام مستقل نہ رہ سکا، اور وہ متصل سفر پر مجبور ہوا اور نسا، ادرد، طوس، شقان، سمنیقان، اور جاجرم وغیرہ ہوتا ہوا امیر شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے دربار میں حاضر ہونے کی غرض سے جرجان پہنچا، لیکن ابھی شیخ کو دربار میں رسائی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ قابوس بن وشمگیر

---

[1] قدیم زمانے میں غالباً جزو کو جلد کہتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف اس کی فوج نے بغاوت کر کے اس کو ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ ۴۰۳ھ میں اسی قلعے میں مرگیا۔ اب شیخ نے وہاں سے دہستان کا سفر کیا اور دہستان پہنچ کر سخت بیمار ہوگیا۔ جرجان میں واپس آیا تو ابوعبیدہ جرجانی نے جو شیخ کے ممتاز شاگردوں میں ہیں اور جن کی زبانی شیخ کے حالات منقول ہیں یہیں شیخ کی شاگردی اختیار کی اور شیخ نے اپنے حسب حال ایک قصیدہ لکھا جس کا بیت القصیدہ یہ شعر ہے۔

لما عظمت فلیس مصر واسعی

لما غلا ثمنی عدمت المشتری

چونکہ میں بہت بڑا ہوگیا اس لیے کسی شہر میں میری گنجائش نہیں ہوتی۔ چونکہ میری قیمت بہت گراں ہوگئی، اس لیے مجھ کو اپنا خریدار نہیں ملتا۔

یہ شیخ کے وہ حالات ہیں جو انہوں نے ابوعبیدہ جرجانی سے بیان کئے اور انہوں نے بلفظہ ان کو نقل کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ حالات ہیں جن کو ابوعبیدہ جرجانی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی اصل علمی زندگی جرجان ہی سے شروع ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "جرجان میں ایک بزرگ ابومحمد شیرازی تھے۔ جو علوم حکمیہ سے دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے پنے پڑوس میں شیخ کے لیے ایک گھر خرید دیا۔ اور شیخ نے اسی میں قیام کیا اور ان کے لیے کتاب مبدء و معاد اور کتاب ارصاد الکلیہ تصنیف کی۔ میں شیخ کے پاس روزانہ جاتا تھا اور مجسطی پڑھتا تھا اور منطق کا املا کرتا تھا۔ شیخ نے منطق میں مختصر الاوسط مجھی کو املاء کرائی تھی۔ لیکن شہرزوری نے اخبار الحکماء میں لکھا ہے کہ شیخ نے اوسط جرجانی اپنے ایک محسن کے لیے لکھی تھی۔ بہرحال شیخ نے یہاں بہت سی کتابیں مثلاً قانون کا ابتدائی حصہ مختصر المجسطی اور بہت سے رسائل تصنیف کیے۔ اس کے بعد جرجان سے نکل کر شیخ رے گیا اور وہاں سیدہ اور سیدہ کے

لہ ابن خلکان جلد اول ص ۱۴۶ ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹے مجد الدولہ کے دربار سے تعلق پیدا کیا۔ اس وقت مجد الدولہ مالیخولیا میں مبتلا تھا۔ شیخ اس کے علاج میں مشغول ہوا۔ اور وہیں کتاب المعاد تصنیف کی۔ اس کے بعد شمس الدولہ کے دربار کا قصد کیا۔ پھر ایسے حالات پیش آئے کہ قزوین ہوتا ہوا ہمدان آیا اور وہاں کدبانو کے دربار میں ملازم ہوا۔ اس زمانہ میں شمس الدولہ درد قولنج میں مبتلا ہوا اور شیخ اس کے علاج کے لیے گیا جب اس کے علاج سے خدا نے اس کو شفا دی تو اس نے شیخ کو بہت سے خلعت فاخرہ دیئے اور چالیس دن کے بعد شیخ اپنے گھر واپس گیا اور شمس الدولہ کا ندیم ہو گیا۔ اس کے بعد جب شمس الدولہ مسافر سے جنگ کرنے کے لیے قرمین روانہ ہوا، تو شیخ بھی اس کے ساتھ ہو گیا لیکن وہاں سے شکست کھا کر ہمدان میں واپس آیا۔ یہاں لوگوں نے شیخ سے منصب وزارت قبول کرنے کی درخواست کی جس کو اس نے منظور کر لیا۔ لیکن فوج نے شیخ کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کے گھر بار اور مال و اسباب کو لوٹ کر اس کو قید کر دیا اور شمس الدولہ سے اس کے قتل کرنے کی درخواست کی۔ شمس الدولہ نے اس درخواست کو تو منظور نہیں کیا۔ لیکن باغیوں کو خوش کرنے کے لیے شیخ کو اپنی سلطنت سے جلا وطن کر دیا۔ اور وہ چالیس دن تک روپوش رہا۔ اتفاق سے شمس الدولہ کو دوبارہ پھر درد قولنج کا دورہ ہوا۔ اس لیے اس نے پھر شیخ کو علاج کے لیے بلایا، اور اس سے بڑی معذرت کی اور وہ نہایت اعزاز کے ساتھ وہاں مقیم رہا اور منصب وزارت بھی دوبارہ ملا۔

اس زمانہ میں وزارت کے فرائض میں مشغولیت کے باوجود تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی زمانہ میں ابو عبیدہ جرجانی نے شیخ سے ارسطو کی کتابوں کی شرح کرنے کی درخواست کی۔ شیخ نے کہا کہ اس وقت مجھ کو اس کی تو فرصت نہیں۔ البتہ اگر تم ایک ایسی کتاب چاہتے ہو جس میں مخالفین کی رد و قدح کے بغیر ان علوم کو جمع کر دوں جو میرے نزدیک صحیح ہیں تو البتہ میں تمہاری خواہش پوری کر سکتا ہوں انہوں نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ تو شیخ نے طبیعات شفا لکھنی شروع کی۔ اس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے وہ قانون کی کتاب اوّل لکھ چکا تھا۔ تصنیف وتالیف کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ دن کو تو اس کو موقع نہیں ملتا تھا۔ رات کو شیخ کے مکان پر طلبہ جمع ہوتے تھے اور باری باری مختلف طلبہ مختلف کتابیں پڑھتے تھے۔ خود ابوعبید جرجانی اپنی باری میں شفاء، معصومی، قانون، ابن زیلہ، اشارات اور بہمن یار تحصیل اور معمول پڑھتے تھے درس وتدریس سے فراغت کے بعد مغنیوں کی ٹولیاں حاضر ہوتی تھیں اور شراب وکباب کا دور چلتا تھا۔

اسی زمانہ میں شمس الدولہ طارم کے امیر سے جنگ کرنے کے لیے گیا۔ راستہ میں درد قولنج کا ایسا سخت دورہ ہوا کہ راستہ ہی میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ ہوا اور فوج نے اس سے درخواست کی کہ وہ شیخ کو اپنا وزیر بنائے لیکن اس نے منظور نہ کیا، اس وقت علاء الدین نے شیخ کو خفیہ خط لکھا کہ وہ اس کے دربار سے اپنا تعلق قائم کرلے اس درمیان میں شیخ ابوغالب عطاء کے گھر میں روپوش رہا۔ اور اسی حالت میں ابوعبید جرجانی کی درخواست پر بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے محض زبانی یادداشت سے شفاء کے تقریباً بیس جز لکھے۔ اس زمانہ میں تصنیف کی روزانہ مقدار پچاس ورق تھی۔ اس طرح طبیعات اور الہیات کا پورا حصہ کتاب الحیوان اور کتاب النباتات کے سوا لکھ لیا۔ اس کے بعد منطق کا ایک حصہ لکھا۔ اسی دوران تاج الملک نے شیخ پر علاء الدولہ سے خط وکتابت کرنے کا الزام لگاکر اس کو گرفتار کرکے فردجان کے قلعہ میں قید کردیا۔ شیخ نے اس حالت میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

دخولی بالیقین کما تراہ
وکل الشک فی امر الخروج

قید خانہ میں میرا داخل ہونا جیسا کہ تم دیکھتے ہو یقینی ہے لیکن قید خانہ سے نکلنے میں بالکل شک ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ نے قید خانے میں چار مہینے بسر کیے اور اس زمانے میں کتاب الہدایۃ۔ رسالہ حی بن یقظان، رسالۃ الطیر اور کتاب القولنج لکھی، اس کے بعد علاء الدین نے ہمدان پر قبضہ کر لیا اور تاج الملک شکست کھا کر اسی قلعہ کی طرف بھاگا جس میں شیخ قید تھا۔ ہمدان پر قبضہ کے بعد جب علاء الدین واپس چلا گیا تو تاج الملک اور شمس الدولہ کا لڑکا دونوں ہمدان واپس آئے اور شیخ کو بھی اپنے ساتھ واپس لیتے آئے۔ اس نے ایک علوی کے گھر میں قیام کیا اور یہیں منطقیات شفاء کے حصے کو لکھا۔ شیخ نے اسی حالت میں کچھ دن بسر کیے۔ تاج الملک بڑی بڑی توقعات دلاتا رہا۔ اس کے بعد شیخ نے صوفیانہ بھیس بدل کر اصفہان کا رخ کیا۔ اس سفر میں ابو عبید جرجانی، شیخ کے بھائی محمود اور اس کے دو غلام شیخ کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ راستے میں سخت تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے جب اصفہان کے دروازہ طاہران تک پہنچے تو شیخ کے احباب اور امیر علاء الدولہ نے اپنے خواص اور علمائے شہر کے ساتھ شیخ کا استقبال کیا اور خلعت فاخرہ اور خاصے کے گھوڑے شیخ کی خدمت میں پیش کیے اور اس کو محلہ کونگنبد میں عبداللہ بن بابی کے گھر میں اتارا۔ جو فرش فروش اور دوسرے ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ اس کے بعد جب شیخ امیر علاء الدولہ کی مجلس میں گیا، تو وہاں بھی اس کو بڑا اعزاز حاصل ہوا۔ اور علاء الدولہ نے ہر جمعرات کو ایک علمی مجلس منعقد کرنا شروع کی جس میں اصفہان کے تمام علماء شیخ کی علمی باتوں سے مستفید ہوتے تھے۔ اصفہان کے قیام کے زمانہ میں شیخ نے منطقیات شفاء کا حصہ پورا کر لیا۔ مجسطی لکھی اور اقلیدس، ارثماطیقی اور موسیقی کا اختصار کیا اور ان میں بہت سی جدید باتوں کا اضافہ کیا۔ شفاء کے تینوں حصے یعنی طبیعیات، الٰہیات اور منطقیات تو مکمل ہو گئے، صرف کتاب الحیوان اور کتاب النباتات باقی رہ گئی تھی جس کو اس نے علاء الدولہ کے سابور خواست کے سفر کی مشایعت میں راستہ میں پورا کیا۔ اور اسی راستہ میں کتاب النجاۃ بھی لکھی۔ لیکن شہرزوری کے بیان کے مطابق شیخ نے نجات کی منطق کا حصہ جرجان میں لکھا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال شیخ علاء الدولہ کے مخصوص ندماء میں ہو گیا۔ جب علاء الدولہ ہمدان کو روانہ ہوا تو شیخ بھی اس کا ہم سفر تھا۔ ایک رات علاء الدولہ کے سامنے یہ تذکرہ ہوا کہ قدیم رصد کے رو سے جو تقویمیں تیار کی گئی ہیں ان میں نقص ہے۔ اس لیے علاء الدولہ نے شیخ کو نئے سرے سے ستاروں کی ترصید کا حکم دیا اور اس کے لیے ضروری مصارف کا انتظام کر دیا۔ شیخ نے ابوعبید جرجانی کی مدد سے تمام آلات مہیا کر کے کام شروع کیا۔ اور بہت سے نئے مسائل کا انکشاف کیا۔ لیکن سفروں کی کثرت کی وجہ سے اس کام میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں اس لیے کام نامکمل رہ گیا۔ شیخ نے اصفہان میں کتاب علائی بھی تصنیف کی۔

شیخ نے ابتداء میں اگرچہ علم ادب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی لیکن بعد کو اس کا میلان زیادہ تر علوم حکمیہ کی طرف رہا۔ اس لیے وہ علم ادب میں کمال نہ حاصل کر سکا۔ مگر علاء الدولہ کی صحبت میں ایک تقریب سے اس کو اس فن میں کمال حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک دن شیخ علاء الدولہ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو منصور جبائی بھی موجود تھا۔ لغت کے ایک مسئلہ پر بحث شروع ہوئی۔ شیخ نے بھی اپنی معلومات کے مطابق اس بحث میں حصہ لیا۔ لیکن ابو منصور جبائی نے کہا کہ "آپ ایک حکیم اور فیلسوف ہیں آپ نے علم لغت کی تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ اس لیے اس فن میں آپ کی بحث قابل قبول نہیں ہے۔ شیخ نے اس کو اپنے لیے موجب ننگ و عار سمجھا اور متصل تین سال تک لغت کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ خراسان سے ابو منصور ازہری کی کتاب تہذیب اللغۃ منگوا کر دیکھی اور چند برسوں میں وہ فن لغت کا بھی ایک بے نظیر عالم ہو گیا۔ تین قصائد لکھے جو بہت سے الفاظ غریبہ پر مشتمل تھے۔ ان کے علاوہ نثر میں تین ادبی کتابیں لکھیں جن میں ایک کا طرز تحریر ابن عمید کے اور دوسری کا صابی کے اور تیسری کا صاحب بن عباد کے طرز تحریر کے مطابق تھا۔ ان تینوں کتابوں کے لکھنے کے بعد ان کی رنگین جلدیں بندھوائیں اور علاء الدولہ سے کہا کہ "ہم نے ان جلدوں کو صحرا میں پایا ہے۔ آپ ان کو ابو منصور جبائی کے سامنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش کیجئے کہ وہ ان کے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں" ابو منصور جبائی نے ان کو دیکھا تو ان کے بہت سے مقامات ان کی سمجھ میں نہیں آئے۔ شیخ نے ان سے کہا کہ " جو مقامات آپ کی سمجھ سے بالاتر ہیں وہ لغت کی فلاں فلاں کتابوں میں فلاں فلاں مقامات پہ مرکوز ہیں" اس وقت ابو منصور جبائی کو معلوم ہوا کہ یہ رسالے خود شیخ نے تصنیف کئے ہیں، اور شیخ پر ان کے طعنہ کا نتیجہ ہیں، چنانچہ انہوں نے شیخ سے معذرت کی۔ اس کے بعد شیخ نے خود لغت میں ایک بے نظیر کتاب لکھی، جس کا نام لسان العرب تھا، لیکن وہ اس کو اپنی زندگی میں صاف نہ کر سکا اور اس کا غیر مرتب مسودہ باقی رہ گیا۔

وفات

جسمانی حیثیت سے شیخ نہایت طاقت ور تھا، مگر اس کی زندگی غیر محتاط تھی، جس کا اثر اس کی صحت پر پڑا، اور وہ کمزور ہو گیا۔ مگر اس کو اپنے مزاج کی قوت پر اتنا اعتماد تھا کہ علاج نہیں کرتا تھا۔ اس لیے ضعف قائم رہا۔ اسی زمانہ میں علاء الدولہ کو ایک جنگ کے سلسلے میں سفر کرنا پڑا۔ شیخ اس وقت درد قولنج میں مبتلا تھا۔ مگر وہ خود علاء الدولہ کے ساتھ سفر کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے جلد سے جلد صحت یاب ہونے کے لیے اس دن میں سات بار حقنہ (انیما) لیا جس کی وجہ سے اس کی آنتوں میں زخم پڑ گئے۔ اسی حالت میں علاء الدولہ کے ساتھ گیا۔ ایک مقام پہ پہنچ کر صرع کا وہ دورہ پڑا جو قولنج کے بعد پڑتا تھا۔ ایک دن حقنہ کی دواؤں میں کسر ریاح کے لیے تخم کرفس کی ایک مقدار کو شامل کرنے کا حکم دیا۔ جو طبیب علاج کرتا تھا اس نے سہواً یا قصداً اس مقدار میں اضافہ کر دیا۔ جس کی حدت سے آنتوں کے زخم اور زیادہ بڑھ گئے۔ اس کے علاوہ شیخ صرع کے دورے کے لیے ایک دوا مثرودیطوس استعمال کرتا تھا۔ شیخ کے بعض غلام اس کے خزانے کا بہت سا مال کھا گئے تھے۔ ان کو خوف تھا کہ اگر شیخ شفایاب ہو گیا تو ان کا انجام اچھا نہ ہو گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے انہوں نے شیخ کے مار ڈالنے کی غرض سے اس دوا میں بہت سی افیون شامل کر دی جس سے اس کو نقصان پہنچ گیا۔ اسی حالت میں شیخ کو اصفہان میں لایا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا علاج کیا۔ ضعف اس قدر تھا کہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ علاج سے اتنا فائدہ ہوا کہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ اور علاء الدولہ کی مجلس میں آنے جانے لگا مگر ابھی پوری شفا نہیں ہوئی تھی۔ اور اسی حالت میں سخت بے احتیاطی اور بدپرہیزی کرتا تھا۔ اس لیے ایک ہفتہ بیمار اور ایک ہفتہ صحیح و تندرست رہتا تھا۔ اس کے بعد علاء الدولہ نے ہمدان کا سفر کیا اور شیخ بھی اس سفر میں اس کے ہمراہ گیا۔ راستے میں دوبارہ درد قولنج کا اتنا سخت دورہ پڑا کہ ہمدان پہنچ کر شیخ کو شفا سے بالکل مایوسی ہو گئی اور قوائے جسمانی نے جواب دے دیا۔ اب شیخ نے علاج سے ہاتھ اٹھا لیا اور اپنے آپ کو بالکل خدا کے حوالے کر کے غسل کیا۔ توبہ کی جو کچھ مال و دولت تھا فقراء میں تقسیم کر دیا۔ اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے اور ہر تیسرے دن ایک قرآن ختم کرتا رہا۔ اسی حالت میں چند دن بسر کر کے بالآخر رمضان ۴۲۸ھ میں جمعہ کے دن ہمدان میں باختلاف روایت ۵۳ یا ۵۸ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ ابن خلکان نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ شیخ کا انتقال اصفہان میں ہوا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ مشہور ہے۔ طبقات الاطباء میں ہے کہ شیخ کی لاش اصفہان میں لا کر دفن کی گئی۔

شیخ کمال الدین بن یونس کا بیان ہے کہ علاء الدولہ نے ناراض ہو کر شیخ کو قید کر دیا تھا اور اس نے قید ہی میں وفات پائی۔ اس کے ثبوت میں وہ یہ اشعار پیش کرتے تھے۔

رایت ابن سینا یعادی الرجال

وفی الحبس مات اخس الممات

میں نے دیکھا کہ ابن سینا لوگوں سے دشمنی رکھتا تھا اور وہ قید خانہ میں بُری موت مرا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلم یشف ما نابہ بالشفاء

ولم ینج من موتہ بالنجاۃ

شفاء نے اس کو مرض سے شفاء نہیں دی اور نجات نے موت سے اس کو نجات نہیں دلائی۔

شفاء اور نجات شیخ کی دو مشہور کتابیں ہیں جن سے شاعر نے اس موقع پر تجنیس کا کام لیا ہے۔ لیکن طبقات الاطباء میں نجات کی جگہ حبس کا لفظ آیا ہے جس سے حبس ریاح مراد ہے جو قولنج کا لازمی نتیجہ ہے۔

مذہب اور اخلاق وعادات

شیخ ابتدا ہی سے نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور اپنی وفات تک راسخ العقیدہ رہا۔ اس کا باپ اور بھائی دونوں اسماعیلی تھے اور شیخ کو بھی اس مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ لیکن وہ ان کے عقیدہ اور ان کی دعوت سے بالکل متاثر نہیں ہوا جس سے اس کے استقلال رائے، استقلال فکر اور استقلال ارادہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ عقائد کے ساتھ عملی سیاست سے بھی شیخ کی مذہبی حالت اچھی تھی۔ تعلیم کے ابتدائی زمانے میں جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو شیخ سیدھا جامع مسجد جاتا، نماز پڑھتا اور درگاہ خداوندی میں تضرع وزاری کرتا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ پیچیدہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ وفات کا وقت آیا تو سب سے پہلے غسل کر کے جسمانی طہارت حاصل کی اور پھر توبہ کر کے جو کچھ مال و دولت پاس تھا۔ فقراء پر صدقہ کر دیا، اور اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے۔ اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو گیا۔ اور ہر تیسرے دن ایک ختم کیا۔ خوشی اور مسرت کے وقت بھی وہ اسی قسم کے مذہبی اعمال کے ذریعہ سے خدا کا شکر بجا لاتا۔ چنانچہ ابونصر فارابی کی ایک کتاب کے مطالعہ سے جب اس پر علم الٰہی کے حقائق منکشف ہوئے تو اس کے شکرانہ میں فقراء پر بہت سے صدقات کیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ نے اپنے دوست سلطان ابوسعید بن ابی الخیر صوفی کو جو وصیت کی ہے اس سے اس کی مذہبی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "تم کو سب سے پہلے اور سب سے آخر میں خدا کا خیال کرنا چاہیئے اور اپنی آنکھوں میں اس کے دیدار کا سرمہ لگانا چاہیئے۔ اس کے سامنے پاؤں جاکر کھڑا رہنا چاہیئے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سب سے بہتر حرکت نماز، سب سے بہتر سکون روزہ، سب سے مفید نیکی صدقہ، اور سب سے رائیگاں کوشش ریاکاری ہے۔ بحث و مباحثہ میں مشغول رہنے سے نفس کا زنگ دور نہیں ہو سکتا۔ بہترین عمل وہ ہے جو خلوص نیت سے کیا جائے اور بہترین نیت وہ ہے جو علم سے پیدا ہو۔ لذتوں کا استعمال صرف اس غرض سے کرنا چاہیئے کہ طبیعت کی اصلاح ہو۔ آدمی کا وجود قائم رہے یا نوع کو بقا حاصل ہو۔ اس کے ساتھ قواعد شرعیہ کی پابندی میں خلل نہ آنے دینا چاہیئے اور جسمانی عبادات کا ہمیشہ پابند رہنا چاہیئے"

لیکن اسی کے ساتھ شیخ میں چند مذہبی اور اخلاقی کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں۔ اس کا خود بیان ہے کہ جب وہ راتوں کو مطالعہ میں مصروف ہوتا تھا اور اس حالت میں اس پر نیند یا ضعف کا غلبہ ہوتا تھا تو تقویت کے لیے ایک پیالہ شراب یا بروایت شہرزوری نبیذ پی لیتا تھا۔ رات کو درس سے فراغت کے بعد مختلف قسم کے گویئے حاضر ہوتے تھے اور شراب کا دور چلتا تھا جس میں استاد کے ساتھ شاگرد بھی شریک ہوتے تھے اور تذکرہ نویسوں نے تو ان واقعات کو بغیر مدح وقدح کے نقل کر دیا ہے، لیکن شہرزوری نے جو حکمائے اشراقیین اور حکمائے متقدمین کی اخلاقی روش کا دلدادہ ہے اس پر اخلاقی حیثیت سے تنقید کی ہے اور لکھا ہے اور حکمائے قدیم مثلاً ارسطو اور افلاطون وغیرہ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور شیخ پہلا شخص ہے جس نے ان کی اخلاقی روش کو بدلا اور شراب خواری اور عیاشی میں مصروف ہوا۔ شیخ نے ابتدا کی اور اس کے بعد کے لوگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ بہرحال ان واقعات کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان کی تاویل کی جا سکتی ہے۔ شیخ نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ لذت پرستی کے لیے شراب کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ صرف تسکین قلب اور دوا کے لیے پینا چاہیئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شراب کا استعمال دوا کرتا تھا۔ تعلقات جنسی کے ساتھ بھی شیخ کا غیر معتدل شغف اگرچہ ایک مسلم واقعہ ہے لیکن اس کے ساتھ کسی تذکرہ نویس نے یہ نہیں لکھا کہ شیخ ناجائز تعلقات رکھتا تھا اور حدود شریعت کے اندر اس قسم کی بے اعتدالی اگرچہ زاہدانہ زندگی کے منافی ہے۔ لیکن مذہب کے مخالف نہیں۔ ممکن ہے اس قسم کی بے اعتدالی حکیمانہ شان کے خلاف ہو۔ لیکن بعض یورپین علماء نے نفسیاتی حیثیت سے ثابت کیا ہے کہ جنسی محبت قوائے عقلیہ میں باہم مناسبت اور علاقہ ہے اور اس حیثیت سے خداداد ذہانت رکھنے والوں کی عقلی اور روحانی زندگی کے بہت سے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ شہرزوری کے نزدیک شیخ پہلا حکیم ہے جس نے دربار شاہی سے تعلق پیدا کیا۔ ورنہ اس سے پہلے جو حکماء تھے وہ سلاطین کی خدمت کو ننگ و عار سمجھتے تھے۔

شیخ نے اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت کے جو واقعات بیان کئے ہیں۔ اس سے اس کے عجب و خود بینی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے کتاب ایساغوجی عبداللہ ناملی سے شروع کی اور جب اس نے جنس کی تعریف کی تو میں نے اس کی ایسی تحقیق کی کہ اس نے کبھی نہیں سنی تھی، اور اس کو مجھ پر سخت تعجب ہوا، اور میرے والد سے کہا کہ اس کو علم کے سوا کسی اور شغلے میں نہ لگانا۔ وہ جو مسئلہ بیان کرتے تھے۔ اس کا تصور میرے ذہن میں اس سے بہتر طریقے پر آتا تھا" شیخ نے اپنی تعلیم کے بارے میں اسی قسم کی اور بہت سی خودپسندانہ باتیں بیان کی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصنیف وتالیف

شیخ نے اٹھارہ سال کی عمر میں تعلیم وتربیت سے فراغت حاصل کی اور اکیس سال کی عمر سے تصنیف وتالیف میں مشغول ہوا اور عمر بھر اس میں مشغول رہا۔ اس کی عمر کا بڑا حصہ سیاسی مشاغل میں گزرا اور سلطنت کے سب سے ذمہ دارانہ عہدۂ وزارت پر وہ مدتوں سرفراز رہا جن درباروں میں وہ وزیر رہا جنگ کے پیش آنے کی وجہ سے اس کو بادشاہوں کے ساتھ متعدد تعب انگیز سفر بھی کرنا پڑے لیکن تصنیف وتالیف کا مشغلہ ہر حالت میں جاری رہا۔ اس نے شفاء کے اور حصے تو لکھ لیے تھے۔ لیکن کتاب النبات اور کتاب الحیوان کا حصہ رہ گیا تھا۔ جب علاء الدولہ نے سابور خواست کا سفر کیا تو شیخ نے اس حصے کو راستے میں لکھا اور اسی راستے میں کتاب النجاۃ بھی تصنیف کی۔ قلعہ فردجان کی قید کے زمانہ میں بھی متعدد کتابیں مثلاً کتاب الہدایہ اور رسالہ حی بن یقظان وغیرہ لکھیں۔

شیخ کی تصنیفی قابلیت کے متعلق ایک نہایت حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اہم سے اہم کتاب کو بغیر مطالعہ اور بغیر کسی کتاب کی مدد کے محض اپنی یادداشت سے لکھتا تھا چنانچہ ایک بار جب وہ ایک سیاسی خطرے کی وجہ سے ابوغالب عطار کے گھر میں روپوش تھا، تو اسی حالت میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے تقریباً ۲۰ جزو شفاء کے محض اپنی یادداشت سے لکھ دیئے۔

بعض تصانیف کی روزانہ مقدار بھی حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ شفاء کے ان اجزاء کو شیخ نے سامنے رکھ کر مسئلہ کو بغور دیکھا اور ان کی شرح لکھنی شروع کی اور روزانہ پچاس ورق لکھے اور اس طرح شفاء کی طبیعات اور الہیات کا حصہ ۲۰ دن میں مکمل کر لیا۔ جرجان میں مختصر الاصغر منطق میں لکھی تھی جس کے بعد میں کتاب النجاۃ کے اول میں شامل کر لیا۔ اس کا ایک نسخہ شیراز میں پہنچا اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس کا مطالعہ کیا تو ان کے دل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں چند مسائل کے متعلق شکوک پیدا ہوئے جن کو انہوں نے ایک جزو میں لکھ لیا۔ ان ہی ایام میں نیشاپور کے قاضی صاحب بھی ست تھے۔ انہوں نے اس جزو کو ایک خط کے ساتھ ابو القاسم کرمانی کے پاس ایک قاصد کی معرفت بھیجا کہ وہ شیخ سے اس کا جواب لکھوا کر بھیج دیں۔ شیخ ابو القاسم شام کو شیخ کے پاس پہنچے اور اس جزو کو مع خط کے اس کے سامنے پیش کر دیا۔ شیخ نے خط پڑھ کر واپس کر دیا اور اس جزو کو سامنے رکھ لیا۔ لوگ باتیں کر رہے تھے اور شیخ اس کا مطالعہ کرتا جاتا تھا۔ ابو القاسم کرمانی کے واپس جانے کے بعد شیخ نے ابو عبید جرجانی سے بیاض طلب کی اور اس کے پانچ اجزاء کر کے جن میں سے ہر جزو دس ورق پر مشتمل تھا۔ نماز عشاء کے بعد ان مسائل کا جواب لکھنا شروع کیا اور آدھی رات تک لکھتا رہا۔ صبح کو جب ابو عبید جرجانی شیخ کے پاس آئے تو وہ مصلی پر تھا اور پانچوں اجزاء اس کے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ شیخ نے یہ اجزاء ان کے ذریعہ سے ابو القاسم کرمانی کے پاس بھجوائے اور کہا کہ میں نے اس لیے جواب لکھنے میں عجلت کی تاکہ قاصد رکا نہ رہے۔ ابو القاسم کرمانی نے یہ اجزاء دیکھے تو ان کو سخت تعجب ہوا اور انہوں نے لوگوں کو یہ واقعہ بتایا اور اس کی عام شہرت ہو گئی۔

اس واقعہ سے زود نویسی کے ساتھ شیخ کی غیر معمولی محنت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ کی تصنیفات کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض اگلوں کی صدا ئے بازگشت نہ تھیں۔ بلکہ ان میں اس نے بہت سی جدید معلومات کا اضافہ کیا تھا جو قدماء کے وہم و خیال میں بھی نہیں آئے تھے۔ مجسطی میں علم ہیئت کے بہت سے ایسے مسائل لکھے جو اگلوں کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ موسیقی میں ایسے مسائل اختراع کیے جن سے قدماء بالکل بے خبر تھے۔ بہت سے جدید آلات رصد ایجاد کیے۔ متعدد کتابیں دوسروں کی فرمائش سے لکھیں اور ان کے ذریعہ سے ان کا حق صحبت اور حق نعمت ادا کیا۔ غالباً شیخ کی پہلی کتاب مجموع ہے جو اس نے اکیس سال کی عمر میں اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہمسایہ ابوالحسن عروضی کی فرمائش سے لکھی تھی اور اس کو اسی کے نام پر معنون کیا تھا۔ یہ کتاب ریاضی کے سوا فلسفہ کی تمام شاخوں کی جامع تھی۔ شیخ کے ہمسایوں میں ایک اور عالم ابوبکر البرقی خوارزمی تھے۔ جو فقہ، تفسیر اور تصوف کے ساتھ فلسفہ کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے شیخ سے ارسطو کی کتابوں کی شرح کرنے کی درخواست کی اور شیخ نے ان کی فرمائش سے کتاب حاصل ومحصول تقریباً ۲۰ جلدوں میں لکھی۔ فن اخلاق میں بھی ان کے لیے کتاب البر و الاثم لکھی۔ مگر یہ دونوں کتابیں ان ہی کے پاس رہ گئیں اور دوسرے لوگ ان سے واقف نہ ہو سکے اور ان کی نقل نہ ہو سکی۔ جرجان کے ایک شخص ابو محمد شیرازی نے جو فن حکمت سے دلچسپی رکھتے تھے، شیخ کے لیے اپنے پڑوس میں ایک مکان خرید دیا۔ شیخ نے اس میں قیام کر کے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا اور بہت سی کتابیں مثلاً قانون کا ابتدائی حصہ اور مختصر مجسطی اور بہت سے رسالے لکھے۔ اپنے محسن ابو محمد شیرازی کے لیے خاص طور پر دو کتابیں کتاب المبدء والمعاد اور کتاب الارصاد الکلیہ لکھیں۔ شیخ کے تعلقات بہت سے امراء وسلاطین سے رہتے تھے ان میں سے بعض کے نام پر بھی کتابیں لکھیں۔

افسوس ہے کہ شیخ کی بعض اہم کتابیں غیر مرتب رہ گئیں۔ چنانچہ فن لغت میں ایک بے نظیر کتاب لسان العرب کے نام سے لکھی تھی، لیکن ابھی اس کا مسودہ صاف نہیں کیا تھا کہ شیخ کا انتقال ہو گیا اور مسودہ غیر مرتب رہ گیا۔ شیخ کو علاج معالجہ کے سلسلے میں بہت سے تجربے حاصل ہوئے تھے جن کو وہ قانون میں شامل کرنا چاہتا تھا اس کے چند اجزاء لکھ بھی لیے تھے لیکن قانون کے مکمل ہونے سے پہلے وہ ضائع ہو گئے۔ ایک اور کتاب الانصاف لکھی تھی لیکن جب سلطان مسعود غزنوی کی فوج نے اصفہان میں شیخ کے مال واسباب کو لوٹا تو اس میں یہ کتاب بھی ضائع ہو گئی اور بعد کو اس کا کوئی نشان نہیں ملا، لیکن شیخ کی اکثر کتابیں اس وقت تک محفوظ ہیں اور بعض کے ترجمے لاطینی اور فرنچ زبانوں میں ہو چکے ہیں اور وہ یورپ میں بار بار چھپ چکی ہیں۔ شیخ کی تصنیفات کی جو فہرست اس کے شاگرد ابوعبید جرجانی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان سے مرتب ہوئی ہے۔ اس میں حسب ذیل کتابوں کے نام ہیں :۔

(۱) کتاب المجموع ایک جلد

(۲) کتاب الحاصل والحصول ۲۰ جلد

(۳) کتاب البر والاثم ۲ جلد

(۴) کتاب الشفاء ۱۸ جلد

(۵) کتاب القانون ۱۴ جلد — اس کا کچھ حصّہ جرجان میں اور کچھ حصّہ رے میں لکھا اور ہمدان میں اس کو مکمل کیا۔

(۶) کتاب الارصاد الکلیہ ایک جلد — اس میں ارسطو کی تمام کتابوں کی شرح کی ہے اور اہل مشرق اور اہل مغرب میں محاکمہ کیا ہے۔

(۷) کتاب الانصاف ۲۰ جلد

(۸) کتاب النجاۃ ۳ جلد — اس کو بحالت قید قلعہ فرزجان میں اپنے بھائی علی کے لیے لکھا۔

(۹) کتاب الہدایہ ایک جلد

(۱۰) کتاب الاشارات والتنبیہات — فن حکمت میں یہ شیخ کی آخری اور بہترین تصنیف ہے۔

(۱۱) کتاب المختصر الاوسط ایک جلد

(۱۲) کتاب العلائی ایک جلد — اس کا اصلی نام دانش نامۂ علائی ہے جس کو شیخ نے علاء الدولہ کے لیے لکھا۔

(۱۳) کتاب القولنج ایک جلد — اس کو قلعہ فرزجان میں بحالت قید لکھا۔

(۱۴) کتاب لسان العرب ۱۰ جلد — اس کے بعض اجزاء علامہ ابن ابی اصیبعہ کے ہاتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئے اور اس نے اس کی تعریف کی ہے۔

(١٥) کتاب الادویۃ القلبیہ ایک جلد
اس کو ہمدان میں لکھ کر شریف سعید ابی الحسین علی بن الحسین الحسینی کے پاس بھیجا۔

(١٦) کتاب الموجز الکبیر ایک جلد
منطق میں ہے لیکن موجز صغیر نجات کی منطق کا نام ہے۔

(١٧) نقض الحکمۃ المشرقیہ ایک جلد

(١٨) کتاب بیان عکوس ذوات الجہۃ ایک جلد

(١٩) کتاب المعاد ایک جلد
اس کو رے میں سلطان مجد الدولہ کے لیے لکھا۔

(٢٠) کتاب المبدء والمعاد ایک جلد

(٢١) کتاب المباحثات ایک جلد
اپنے شاگرد بہمن یار کے سوال کے جواب میں لکھا۔

(٢٢) کتاب علی القانون

ان کے علاوہ بہت سے رسالے ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(١) رسالۃ القضاء والقدر
وہ رہائی حاصل کر کے جب اصفہان کی طرف بھاگا ہے تو اصفہان کے راستے میں اس کو لکھا ہے۔

(٢) مقالۃ فی الآلۃ الرصدیہ
اصفہان میں جب وہ رصد کی خدمت پر مامور تھا اس رسالے کو لکھا۔

(٣) مقالۃ فی غرض قاطیغوریاس

(٤) المنطق بالشعر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ القصائد فی العظمۃ والحکمۃ

(۶) رسالۃ فی مخارج الحروف — اس کو اصفہان میں جبائی کے لیے لکھا

(۷) مقالۃ فی تعقب المواضع الجدلیہ

(۸) مختصر اوقلیدس

(۹) مختصر بالعجمۃ

(۱۰) کتاب الحدود

(۱۱) مقالۃ فی الاجرام السماویہ

(۱۲) مقالۃ فی الاشارۃ الی علم المنطق

(۱۳) مقالۃ فی اقسام الحکمۃ والعلوم

(۱۴) مقالۃ فی النہایۃ واللانہایۃ

(۱۵) عہد عاہد اللہ بہ لنفسہ

(۱۶) رسالہ حی بن یقظان

(۱۷) رسالہ فی ان ابعاد الجسم غیر ذاتیۃ لہ

(۱۸) الکلام فی الہندبہ

(۱۹) رسالہ اخوانیہ وسلطانیہ

(۲۰) رسالہ فی مسائل جرت بینہ وبین بعض الفضلاء

(۲۱) کتاب الحواشی

یہ شیخ کی تصنیفات کی مکمل فہرست نہیں ہے۔ بلکہ صرف وہ کتابیں ہیں جن کو اس نے جرجان اور ارضِ جبل میں یا ان مقامات کے قیام سے پہلے لکھا تھا، مگر جرجان چھوڑنے کے بعد جب رے میں سیدہ اور اس کے بیٹے مجد الدولہ کے دربار سے تعلق پیدا کیا تو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت بھی متعدد کتابیں لکھیں جن کا ذکر اور تذکرہ نویسوں نے تو نہیں کیا ہے اور صرف ابوعبید جرجانی کی فہرست پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن ابن ابی اصیبعہ نے اس کی اور تصنیفات کے نام بھی گنائے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب اللواحق — بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شفاء کی شرح ہے۔

(۲) مقالۃ فی النبض — فارسی زبان میں ہے۔

(۳) رسالۃ الطیر — رمز میں لکھا ہے۔

(۴) الخطب التوحید فی الالہیات

(۵) مقالۃ فی تحصیل السعادۃ

(۶) رسالۃ فی السکنجبین

(۷) کتاب تعالیق — یہ چند نوٹ ہیں جن کو شیخ کے شاگرد ابومنصور بن زیلا نے شیخ سے سن کر لکھے۔

(۸) مقالۃ فی خواص خط الاستوار

(۹) عشر مسائل — اس میں دس مسئلوں کا جواب ابوریحان بیرونی کے لیے لکھا ہے۔

(۱۰) جواب ست عشرۃ مسئلۃ — اس میں بھی سولہ مسئلوں کا جواب ابوریحان بیرونی کے لیے لکھا ہے

(۱۱) مقالۃ فی ہیئۃ الارض من السماء وکونہا فی الوسط

(۱۲) کتاب الحکمۃ المشرقیہ — اس کا مکمل نسخہ کہیں نہیں ملتا۔

(۱۳) المدخل الی صناعۃ الموسیقی

(۱۴) کتاب التدارک لانواع الخطاط التدبیر — اس کو ابوالحسن احمد بن محمد سہلی کے لیے لکھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(١٥) مقالۃ فی کیفیۃ الرصد ومطابقتہ
مع العلم الطبعی

(١٦) مقالۃ فی الاخلاق

(١٧) رسالۃ الی الشیخ ابی الحسن سہل بن محمد
الشہلی فی الکیمیاء

(١٨) الرسالۃ الاضحویہ فی المعاد
اس کو امیر ابی بکر محمد بن بعید کے لیے لکھا

(١٩) معتصم الشعراء فی العروض
اس کو اپنے خاص شہر میں سترہ برس کی عمر میں لکھا۔

(٢٠) الحکمۃ العرشیہ
یہ الٰہیات میں ایک بلند پایہ بحث پر ہے۔

(٢١) مقالۃ فی ان علم زید غیر علم عمرو

(٢٢) کتاب تدبیر الجند والممالیک والعساکر وارزاقہم وخراج الممالک
سیاست پر ہے۔

(٢٣) خطب وتحمیدات واسجاع جواب

(٢٤) مقالۃ الارثماطیقی

(٢٥) رسائل فی الفارسیۃ والعربیہ و
مخاطبات ومکاتبات وہزلیات

(٢٦) تعالیق مسائل حنین فی الطب

(٢٧) قوانین ومعالجات طبیہ

(٢٨) مسائل عدۃ طبیہ

(٢٩) عشرون مسئلۃ
بعض معاصرین نے شیخ سے ٢٠ مسئلے پوچھے ہیں اور شیخ نے ان کا جواب دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(٣٠) جواب مسائل کثیرة

(٣١) رسالة الی علماء بغداد — یہ علمائے بغداد کے نام اس غرض سے لکھا ہے کہ شیخ اور ہمدان کے ایک مدعی حکمت کے درمیان محاکمہ کریں۔

(٣٢) رسالة الی صدیق — اسی غرض سے اس کو ایک دوست کے نام لکھا ہے۔

(٣٣) مقالة فی النفس

(٣٤) مقالة فی ابطال احکام النجوم

(٣٥) کتاب الملح فی النحو

(٣٦) فصول الہیئة فی اثبات الاول

(٣٧) فصول فی النفس وطبیعیات،،

(٣٨) رسالة الی ابی سعید بن ابی الخیر الصوفی فی الزہد

(٣٩) مقالة فی انہ لایجوز ان یکون شی واحد جوہراً وعرضاً

(٤٠) تعلیقات — ابوالفرج طبیب ہمدانی نے شیخ کی مجلس میں جو فوائد حاصل کیے ہیں اور شیخ نے اس کا جو جواب دیا ہے۔

(٤١) مختصر فی ان الزاویة التی من المحیط والمماس لاکمیة لہا

(٤٢) اجوبة سوالات — ابوالحسن عامری نے ۱۴ سوالات کیے ہیں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ نے ان کے جوابات لکھے ہیں۔

(۴۳) کتاب قیام الارض فی الوسط

(۴۴) کتاب مفاتیح الخزائن فی المنطق

(۴۵) کلام فی الجواہر والعرض

(۴۶) مقالۃ فی الرد علی مقالۃ الشیخ ابی الفرج بن الطیب

(۴۸) رسالۃ فی العشق — اس کو ابو عبداللہ فقیہ کے لیے لکھا ہے۔

(۴۹) رسالۃ فی القوی الانسانیۃ وادراکاتہا

(۵۰) قول فی تبیین الحزن واسبابہ

(۵۱) مقالۃ الی ابی عبداللہ الحسین بن سہل بن محمد السہلی

شاعری

شیخ نے بچپن ہی میں علم وادب کی تعلیم حاصل کی تھی اور بعد کو ایک ادیب کے بعض طنز آمیز فقروں سے متاثر ہو کر جس کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، اس نے بڑی محنت و جانفشانی سے لغت کی کتابوں کا مطالعہ کر کے عربی نظم و نثر غیر معمولی قدرت حاصل کر لی اور نثر میں تین رسالے اس دور کے تین مشہور انشا پردازوں کے طرز پر لکھے اور تین قصیدے بھی نظم کیے جو الفاظ غریبہ یعنی نامانوس اور مغلق الفاظ پر مشتمل تھے۔ ان کے علاوہ عربی میں ان کے اور بھی قصائد ہیں جن میں صاحب طبقات الاطبار نے بعض قصائد کا ذکر کیا ہے اور بعض پورے نقل کئے ہیں۔ ایک قصیدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فن منطق میں رئیس ابوالحسن سہل بن محمد السہلی کے لیے لکھا تھا۔ دس قصائد اور زہد وغیرہ کے متعلق چند اشعار ہیں جن میں اس نے اپنے ذاتی حالات بیان کئے ہیں۔ شیخ کی طرف ایک اور تاریخی قصیدہ منسوب ہے جس میں اس نے ان واقعات کے متعلق پیشین گوئی کی ہے جو برج جدی میں مشتری اور زحل کے قران کے وقت پیش آئیں گے۔ اس میں اور واقعات کے ساتھ تاتاریوں کے قتل وغارت گری کے متعلق جو پیشین گوئی کی گئی ہے وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ البتہ صاحب طبقات الاطبار کو اس میں شک ہے کہ یہ قصیدہ شیخ ہی کا ہے یا کسی اور کا۔ ایک قصیدہ نفس کے متعلق ہے۔ ایک قصیدہ زہد، حکمت اور پیری پر لکھا ہے۔

قصائد کے علاوہ بہت سے متفرق اشعار ہیں جن میں مختلف خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ قصائد بالکل عربی انداز پر لکھے ہیں۔ یعنی معشوق کے کھنڈر، صحرا کی تند ہواؤں اور برق و سحاب وغیرہ سے تشبیب کی ابتداء کی ہے اور شاعرانہ استعارات وتشبیہات سے جابجا اپنے کلام کو زینت دی ہے۔ نفس کے متعلق جو قصیدہ لکھا ہے اس کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

ایک بلند مقام سے تمہارے پاس ایک معزز و محفوظ کبوتر اترا،
وہ اگرچہ برقع پوش تھا، لیکن ہر عارف کی آنکھ سے پوشیدہ نہ تھا،
وہ ان کھنڈروں میں بولنے لگا جو چوگائی ہوا کے بار بار چلنے سے مٹ گئے ہیں،
وہ ایک بلند چوٹی پر نغمہ سنجی کرنے لگا اور علم ہر لیست چیز کو بلند کر دیتا ہے۔

زمانۂ پیری کے متعلق جو قصیدہ لکھا ہے اس کے بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے:۔

تیرے رخساروں پر بڑھاپے کی صبح کی پو پھٹی اور اس کی رات گذر گئی۔ پھر آخر عشق کب تک؟

تمہارا شباب ایک سرکش شیطان تھا، اس لیے تمہارے بڑھاپے نے اس کو شہاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا تیر مارا،

متفرق اشعار میں سے بعض کے ترجمے یہ ہیں :۔

اس نے پیالے میں خالص شراب ڈھالی تو اس نے چراغ کی روشنی کو ماند کر دیا،

اس نے سمجھا کہ پیالے میں آگ ہے، اس لیے پانی ملا کہ اس کو بجھا دیا،

اے دوست اٹھ اور مجھ کو لبریز شراب کا ایک پیالہ ملا،

ایسی شراب کہ عیسائی اس کو سجدہ کریں اور یہودی اس کی محبت میں سرشار ہوں،

اس فریفتگی اور شیفتگی کی حالت میں اگر وہ ان سے کسی دن کہے کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟

شراب، پیالہ اور ملونی باپ، بیٹے اور روح کی طرح مل کر ایک ہو گئے ہیں،

ہم نے پرانے راگ کے ساتھ پرانی شراب پی جو ہر قدیم سے قدیم تھی،

اگر وہ ایک خاص جز میں نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ علت اولی (خدا) ہے جس کی کوئی علت نہیں،

ان نادر تشبیہات سے اس کی شاعرانہ نازک خیالیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے، عربی کے ساتھ شیخ نے فارسی میں بھی بہت سی رباعیاں لکھی ہیں مثلاً

دل گرچہ بایں بادیہ بسیار شتافت
یک موے ندانست ولے موی شگافت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندر دل من ہزار خورشید بتافت
و آخر بکمال ذرۂ راہ نیافت

تا بادۂ عشق در قدح ریختہ اند
و اندر پئے عشق عاشق انگیختہ اند
با جان و روان ابو علی مہر علی
چون شیر و شکر بہم آمیختہ اند

اس رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا رجحان شیعیت کی طرف تھا۔

با این دو سہ نادان کہ چنان میدانند
از جہل کہ دانائے جہان ایشانند
خر باش کہ این جماعت از فرط خری
ہر کو نہ خراست کافرش میدانند

کفر چو منی گزاف و آسان نبود
محکم تر از ایمان من ایمان نبود
در دہر چو من یکے و آنہم کافر
پس در ہمہ دہر یک مسلمان نبود

ان دونوں رباعیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے زمانے میں کچھ لوگ شیخ کو کافر سمجھتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

از قعرِ گل سیاہ تا اوجِ زحل
کردم ہمہ مشکلاتِ عالم راحل
بیروں جستم ز قید ہر مکر و حیل
ہر بند کشودہ شد مگر بندِ اجل

اے کاش بدانمے کہ من کیستمے
سرگشتہ بعالم ز پئے چیستمے
اگر مقبلم آسودہ و خوش زیستمی
ورنہ بہ ہزار دیدہ بگریستمی

شعر گوئی کے ساتھ شیخ نے بعض شعرائے عرب کے کلام کی شرح بھی لکھی ہے چنانچہ دولت شاہ نے ابن رومی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ شیخ کو اس کے ساتھ بڑی عقیدت تھی، اور اس نے اس کے بعض مشکل اشعار کی شرح بھی لکھی تھی [۱]

شیخ کے تلامذہ

تذکرہ نویسوں نے ضمنی طور پر جابجا شیخ کے متعدد تلامذہ کا نام لیا ہے۔ چنانچہ چہار مقالہ میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے،

خواجہ ابو علی وزیر بود ہر روز پیش از صبحدم برخاستے و از کتاب شفا دو کاغذات تصنیف کردے، چوں صبح صادق بدمیدے شاگردان را بار دادے چوں کیا رئیس بہمنیار و ابو منصور بن زیلہ و عبد الواحد رجانی و سلیمان و

---

[۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۲۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشتق یُست

اور ہم ان کے حالات اس موقع پر لکھتے ہیں۔

بہمن یار بن مرزبان

اس کی کنیت ابوالحسن ہے، اور چہار مقالہ[1] میں اس کا نام کیا رئیس بہمن یار لکھا ہے وہ مجوسی تھا اور عربی زبان کا ماہر نہ تھا اور آذربائیجان کا رہنے والا تھا۔ وہ شیخ کا نہایت مشہور شاگرد ہے اور شیخ کی مباحثات اسی کے سوالات کا جواب ہے، کیونکہ وہ مشکل مسائل سے بحث کیا کرتا تھا۔ اس نے شیخ کی وفات کے ۳۰ سال بعد ۴۵۸ھ میں وفات پائی، وہ متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور کتاب تحصیل ہے جس کے تین چار نسخے یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور دو رسالے جن میں ایک کا موضوع علم مابعدالطبیعہ ہے اور ایک رسالہ مراتب موجودات میں ہے جو ۱۸۵۱ء میں لیپزگ میں چھپ گئے ہیں، شہرزوری نے اس کے بہت سے حکیمانہ اقوال نقل کیے ہیں[2]

ابومنصور الحسین بن طاہر ابن زیلہ اصفہانی

یہ سلسلۂ نسب شہرزوری نے لکھا ہے لیکن اس نے خود اپنے رسالہ کافی میں جو فن موسیقی میں ہے، اپنا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے "ابومنصور حسین بن محمد ابن عمر بن زیلہ اصفہانی" بہرحال وہ شیخ کے خواص تلامذہ میں تھا اور مجوسی مذہب رکھتا تھا، لیکن یہ کوئی محققانہ بات نہیں ہے۔ اس نے شیخ کی وفات کے بائیس سال بعد ۴۴۰ھ میں وفات پائی، ریاضیات اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے طبیعیات شفاء کا خلاصہ کیا تھا اور شیخ کے رسالہ حی بن یقظان کی شرح لکھی، اس کی دو[3] کتابیں برٹش میوزیم لندن میں موجود

[1] چہار مقالہ صفحہ ۸۲ [2] شہرزوری صفحہ ۳۲ و حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۵۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، ایک اسی حی بن یقظان کی شرح اور دوسرا رسالہ کافی[1]

ابو عبید عبدالواحد جوزجانی

بعض نسخوں میں "جوزجانی" کے بجائے "جرجانی" لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ وہ صرف شیخ کا شاگرد ہی نہ تھا بلکہ ہمنشین اور مرید بھی تھا۔ ۴۰۳ھ میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی اخیر عمر یعنی ۲۵ سال تک خدمت میں رہا۔ شہرزوری نے لکھا ہے کہ شفاء کی تدوین میں اس نے شیخ کی مدد کی تھی۔ کچھ شفاء ہی کی تخصیص نہیں، شیخ کی اکثر تصنیفات اس کی تحریص و ترغیب کا نتیجہ ہیں۔ شیخ کو سلطنت کے کاروبار سے تصنیف و تالیف کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اس لیے اس نے اپنی اکثر تصنیفات صبح و شام کے اوقات یا قید خانے یا سفر میں لکھیں اور اپنی کتاب کے کسی نسخہ کو محفوظ نہیں رکھا بلکہ جس شخص کے ایماء سے کتاب لکھی اسی کو کتاب کا اصل نسخہ دے دیا اس لیے شیخ کی وفات کے بعد ابو عبید جوزجانی نے بڑا کام یہ کیا کہ شیخ کی کتابوں کو متفرق مقامات سے تلاش کر کے مرتب و مدون کیا اگر اس نے یہ کام نہ کیا ہوتا تو شیخ کی اکثر کتابیں ضائع ہو جاتیں۔ ابو عبید جوزجانی کی ان علمی کوششوں کی ایک عمدہ یادگار دانش نامہ علائی ہے۔ شیخ نے یہ کتاب منطق، حکمت الٰہی، طبیعی، ریاضی، ہیئت، موسیقی اور ارثماطیقی میں علاءالدولہ ابو جعفر کاکویہ کے نام پر فارسی زبان میں لکھی تھی، لیکن شیخ کی وفات کے بعد منطق، الٰہی اور طبیعی کے سوا اس کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہا۔ ابو عبید جوزجانی نے جیسا کہ اس کتاب کے دیباچہ، ریاضیات میں خود تصریح کی ہے، اس کی ارثماطیقی کا ترجمہ اور خلاصہ کتاب الشفاء سے کیا اور ریاضی، ہیئت اور موسیقی کا ترجمہ شیخ کے دوسرے عربی رسالوں سے فارسی زبان میں کر کے

---

[1] شہرزوری صفحہ ۳۲ و حواشی چہار مقالہ صفحہ ۲۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب کو مکمل و مرتب کیا، اور اب اس مکمل کتاب کے متعدد نسخے موجود ہیں جس میں دو نسخے برٹش میوزیم میں ہیں، ابوعبید جوزجانی نے شیخ کے حالات میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جو برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اس رسالے کے دو حصے ہیں، ایک حصہ میں شیخ نے خود اپنے حالات بیان کئے ہیں۔ اور ابوعبید جوزجانی نے بعینہ ان کی روایت کر دی ہے۔ دوسرے حصے میں اس نے خود وہ حالات بیان کیے ہیں جو جرجان میں شیخ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد شیخ کے آخر عمر تک اس نے خود مشاہدہ کیے ہیں، اس رسالہ کو علامہ ابن ابی اصیبعہ نے پورا اور قفطی نے اختصار کے ساتھ شیخ کے تذکرہ میں نقل کر دیا ہے۔

کتاب الشفاء کا دیباچہ بھی جوزجانی ہی کا لکھا ہوا ہے۔ ابوعبید جوزجانی نے شفاء اور قانون کے مشکل مقامات کی شرح کی ہے، اور رسالہ حی بن یقظان کی شرح بھی لکھی ہے، اور فارسی زبان میں کتاب الحیوان تصنیف کی ہے [1]

ابوعبداللہ المعصومی

اس کا نام احمد یا محمد بن احمد ہے، وہ شیخ کے برگزیدہ تلامذہ میں تھا، شیخ خود کہتا تھا کہ افلاطون کے تلامذہ میں جو درجہ ارسطو کو حاصل ہے وہی درجہ میرے تلامذہ میں ابوعبداللہ معصومی کو حاصل ہے، شیخ نے عشق پر اپنا رسالہ اسی کے نام پر لکھا ہے۔ شیخ نے ابوریحان کے ان جوابات پر عامیانہ الفاظ میں اعتراضات کیے تو شیخ نے اس سے مناظرہ کرنا پسند نہیں کیا، لیکن ابوعبداللہ معصومی نے ان اعتراضات کا جواب دیا اور لکھا کہ "ابوریحان! اگر تم ایک حکیم کے تخاطب میں ان الفاظ کے علاوہ الفاظ استعمال کرتے تو وہ عقل اور علم کی شان کے زیادہ مطابق ہوتے"

---

[1] شہرزوری ص ۴۸ و حواشی چہار مقالہ ص ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معصومی نے مفارقات، عقول اور افلاک کی تعداد اور ترتیب مبدعات میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا ایک نسخہ نیشاپور کے کتب خانہ نظامیہ میں موجود تھا لیکن اس کو جمال الملک ابن نظام الملک نے لے لیا اور پھر وہ بالکل مفقود ہو گیا۔ یہ کتاب تمام حکماء کو نہایت محبوب تھی۔ سلطان محمود نے جن حکماء کو قتل کیا تھا ان میں ایک ابو عبداللہ معصومی بھی تھا۔[۱]

ایلاقی

سید ابو عبداللہ محمد بن یوسف اشرف الدین ایلاقی شیخ کے مشہور شاگرد اور علم طب اور علوم حکمیہ کے بڑے ماہر تھے۔ شیخ کی کتاب قانون کا اختصار کیا اور بہت سی کتابیں لکھیں وہ باخرز میں رہتے تھے۔ پھر شیخ ابن علاء الدین ابن قماح کے دربار سے تعلق پیدا ہو گیا تھا اور کورخوان کے معرکے میں قتل ہوئے۔[۲]

ابن ابی صادق

ابو القاسم عبدالرحمن بن علی بن احمد بن ابی صادق جو بقراط ثانی کے لقب سے مشہور تھا نیشاپور کا رہنے والا تھا۔ شہرزوری نے لکھا ہے کہ "یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ابو علی ابن سینا سے ملاقات کی اور اس سے فائدہ اٹھایا" علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ "مجھ سے بعض اطباء نے بیان کیا کہ ابن ابی صادق نے شیخ الرئیس ابن سینا سے ملاقات کی۔ اس سے پڑھا اور اس کے شاگردوں میں داخل تھا۔ میں اس کو بعید نہیں سمجھتا اور یہ میرے نزدیک صحت سے قریب تر ہے کیونکہ ابن ابی صادق نے شیخ کا زمانہ پایا تھا۔ بلاد عجم میں رہتا تھا اور شیخ کی شہرت اور وسعت علم کا غلغلہ بلند تھا اور اس کے بکثرت شاگرد تھے اور وہ سن اور درجہ میں ابن ابی صادق سے بڑا تھا۔"

---

[۱] شہرزوری ص ۳۹-۴۰ [۲] طبقات الاطباء جلد ۲ ص ۲۰ و شہرزوری ص ۵۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالقاسم اخیر عمر میں نیشاپور کے ایک گاؤں کی سیرگاہ میں منتقل ہو گیا تھا اور وہاں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ایک بار اس کے سامنے سینیوں میں بہت سے میوے رکھے گئے تھے۔ اسی دوران میں ایک آدمی اس کے پاس آیا۔ اس سے اس نے کہا میرے نزدیک ان سینیوں اور میووں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میوے میرے لیے مضر ہیں، اس لیے میں صرف ان کی خوشبو پر قناعت کرتا ہوں اور ان کو کھاتا نہیں۔ ان سے بعض اوقات اتنا سخت نقصان پہنچ جاتا ہے جس کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا۔ ابوالقاسم نہایت آرام کی زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک بار عمید خراسان محمد بن منصور کو تولنج کا درد ہوا۔ تمام اطباء علاج سے عاجز آ گئے تو اس نے ابن ابی صادق کو بلایا۔ گرمی کا زمانہ تھا اور اس گاؤں اور نیشاپور میں ۱۲ میل کا فاصلہ تھا۔ گرمی، تیز رفتاری، سواری کی سرکشی اور پیاس سے ابن ابی صادق کو بڑی تکلیف ہوئی اس نے ان تلامذہ سے جو اس کے ساتھ تھے کہا کہ "عمید خراسان نے تو نجات پائی لیکن میں ہلاک ہو گیا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عمید خراسان کو تو اس کے علاج سے شفا ہو گئی لیکن وہ بیمار ہوا اور اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

ایک بار بادشاہ نے اس کو اپنی ملازمت کے لیے طلب کیا تو اس نے جواب میں کہلا دیا کہ فارغ آدمی بادشاہ کی خدمت کے لیے موزوں نہیں ہوتے اور جس شخص کو خدمت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس کی خدمت سے نفع نہیں حاصل ہوتا۔

ایک مرتبہ شاہ ابراہیم والی غزنہ نے اس کے پاس بہت سا مال اور سواریاں بھیج کر طلب کیا تو اس نے کہلایا کہ بادشاہ مجھ کو میرے علم کی وجہ سے طلب کرتا ہے اور مجھ پر مال اس لیے صرف کرتا ہے کہ میں اپنا علم اس پر صرف کر دوں۔ یہ ایک قسم کی بیع و شراء ہے اور علم کی خرید و فروخت نہیں کی جاتی اور مجھ کو غیر ضروری مال کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے میں بادشاہ کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں اور احسان کی غلامی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن ابی صادق کو علوم طبیہ میں بڑی مہارت حاصل تھی اور اس نے اس فن میں متعدد کتابیں لکھی ہیں، بالخصوص اس نے جالینوس کی کتابوں کی نہایت عمدہ شرحیں لکھی ہیں۔[1]

شیخ کا فلسفہ

شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے فلسفہ نے بے انتہا مقبولیت حاصل کی، چنانچہ موفق الدین عبداللطیف بغدادی اپنے استاد ابوالقاسم شارعی کے متعلق لکھتے ہیں کہ "وہ قدماء اور ابونصر فارابی کی کتابوں کے بڑے ماہر تھے، لیکن مجھے ان میں کسی پہ اعتقاد نہ تھا، کیونکہ میرا خیال تھا کہ حکمت کا کل سرمایہ ابن سینا نے جمع کر لیا ہے۔ اور ان کو اپنی کتابوں میں بھر دیا ہے، جب ہم آپس میں بحث کرتے تھے تو میں جدل کی قوت اور زبان آوری سے ان پہ غالب آتا تھا اور وہ دلیل کی قوت سے مجھ پہ غالب آتے تھے، لیکن اپنے عقیدہ سے کسی طرح نہیں ہٹتا تھا وہ یکے بعد دیگرے میرے پاس ابونصر، اسکندر اور ثامسطیوس کی کتابیں لاتے تھے اور مجھ کو مانوس کرتے تھے یہاں تک کہ میں تذبذب میں پڑ گیا"۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے فلسفہ نے اس قدر مقبولیت حاصل کر لی تھی کہ ابونصر، اسکندر اور ثامسطیوس کی کتابیں بھی اس کے معتقدین کو اس کے فلسفہ سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں، تاہم اس مقبولیت کے ساتھ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو شیخ کے بجائے ابونصر فارابی اور قدماء کے فلسفہ سے دلچسپی رکھتے تھے، اور شیخ کے ساتھ لوگوں کی عقیدت کو کم کرتے تھے، چنانچہ موفق الدین عبداللطیف بغدادی نے جب قدماء کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو ان کے ساتھ ان کی دلچسپی بڑھ گئی اور شیخ کی کتابوں کے ساتھ ان کی دلچسپی کم ہو گئی بلکہ وہ شیخ پر بہت زیادہ نکتہ چینی کرنے لگے۔[3]

---

[1] شہرزوری ص ۳۴۴ - ۵۰۷ ، ۳۴۴ وطبقات الاطباء جلد ۲ صفحہ ۳۲ [2] طبقات الاطباء جلد ۲ ص ۲۰۶ [3] ایضاً ص ۲۰۲ و ۲۰۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موفق الدین عبداللطیف بغدادی کے زمانے میں کچھ لوگ شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کے بھی بہت زیادہ معتقد تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ قدماء اور متاخرین دونوں سے گوئے سبقت لے گئے ہیں[1]

امام رازی کے زمانے میں ایک اور حکیم اسمٰعیل ہروی تھے جو ابونصر فارابی کی کتابوں کا درس دیتے تھے اور شیخ کی کتابوں کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے[2]

لیکن شیخ کے فلسفہ کی یہ تھوڑی بہت مخالفت صرف چھٹی صدی ہجری تک قائم رہی اس کے بعد شیخ کا فلسفہ تمام اسلامی دنیا میں پھیل گیا۔ امام رازی نے بے شبہ اس فلسفے پر بڑے زور شور سے اعتراضات کیے، لیکن محقق طوسی نے اسی زور شور سے اس کی حمایت کی، اور غالباً اسی رد و قدح نے اس فلسفہ کو اور بھی بہت زیادہ دلچسپ بنا دیا، اور یہ دلچسپی آج تک قائم ہے۔

شیخ کو فلسفہ، طب اور دوسرے علوم کی تدوین و ترتیب میں جو شہرت اور اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس نے بہت سے ایجادات و اختراعات کیے ہیں بلکہ وہ صرف ارسطو کا مقلد اور ناقل ہے۔ البتہ اس نے منطق میں چند نئی چیزیں ایجاد کی ہیں جو بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں مثلاً شیخ سے پہلے قیاس اقترانی صرف حملیات تک محدود تھا، لیکن شیخ نے شرطیات کو بھی اس میں شامل کر لیا۔

وجود نفس کے اثبات میں شیخ سے پہلے حکماء نے جو دلائل قائم کیے تھے، وہ صرف منطقی تھے۔ شیخ نے تجربیات سے اس کو ثابت کیا اور یورپ کے مشہور فلسفی ڈیکارٹ نے بھی بعینہ اسی دلیل کو لے لیا۔

---

[1] طبقات الاطباء جلد ۲ ص ۲۰۳

[2] شہرزوری ص ۱۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح طب اور ریاضی میں بھی اس کے چند ہی اختراعات و ایجادات ہیں۔ بہرحال شیخ کے فلسفے کو ایجادات واختراعات کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس کو جو کچھ اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے فلسفہ و منطق کی تمام شاخوں کو باقاعدہ نظم و مرتب کر دیا۔ اور مبتدی، منتہی اور متوسط ہر طبقہ کے لیے کتابیں لکھ دیں۔ اسی لیے اس کی کتابیں نصاب تعلیم کا بہترین جزو ہو گئیں اور درس و تدریس کی وجہ سے اس کے فلسفہ کی عام اشاعت ہو گئی اور صرف مشرق ہی نہیں بلکہ مغرب میں بھی اس کی کتابوں کو حسن قبول حاصل ہوا۔ چنانچہ طب میں شیخ کا قانون مدتوں یورپ کے بڑے بڑے طبی مدرسوں میں زیر درس رہا، اور پندرہویں صدی میں سولہ بار اور سولہویں صدی میں ۲۰ بار وہ لیٹن زبان میں چھپا انیسویں صدی کے وسط تک یہ کتاب "مونپلیہ" کے مدرسہ میں داخل نصاب رہی اور یورپ کے متعدد اطباء اس کی تعلیم و تعلم میں مشغول رہے۔ انگلستان کے حالات میں قانون کے ایک حصے کا ترجمہ ڈاکٹر لیپرس نے جرمن زبان میں کیا۔ سورٹن نے شفاء کا ترجمہ بھی جرمن زبان میں کیا اور اس کو مع شرح کے شائع کیا۔ رگلیوم اور فرنی نے شفاء کی کتاب النفس کا ترجمہ لاطینی میں کیا اور وجود نفس کے اثبات میں ڈیکارٹ نے اسی ترجمہ سے فائدہ اٹھایا اسی طرح شیخ کی اور کتابوں کا ترجمہ بھی یورپ کی زبانوں میں ہوا۔[1]

شیخ نے جیسا کہ اوپر گذرا، اگرچہ منطق، طب اور ریاضی میں زیادہ ایجادات واختراعات نہیں کیں، لیکن شیخ کا فلسفۂ الٰہی بعینہٖ وہی نہیں ہے، جو ارسطو کا تھا، عربی زبان میں ارسطو کا جو فلسفہ منتقل ہو کر آیا وہ اسکندرانیوں کی شرحوں سے ملا ہوا تھا، اس لیے مسلمان ارسطو کے اسکندرانی شارحوں کے اقوال کو بعینہٖ ارسطو کے اقوال سمجھے، اس طرح یہود و نصاریٰ کے ذریعہ سے مسلمانوں تک جو فلسفہ پہنچا وہ خالص ارسطو کا فلسفہ نہ تھا بلکہ اس میں ان کی

---

[1] مقدمہ دانش نامۂ علائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ اس لیے فلسفہ میں الٰہیات کا جو حصہ ہے وہ یا تو اسکندرانیوں کے عقائد کا مجموعہ ہے، یا متکلمین یہود و نصاریٰ کے مسائل ہیں۔ اس کے بعد اسماعیلیوں نے ایک مستقل مذہبی فلسفہ ایجاد کیا اور شیخ کے باپ اور بھائی دونوں نے اسماعیلی مذہب اختیار کر لیا تھا اور نفس و عقل کے مسئلہ پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ شیخ نے اگرچہ بذاتِ خود اسماعیلی مذہب قبول نہیں کیا، تاہم یہ کہنا مشکل ہے اس نے اسمٰعیلی فلسفہ کے اثر کو بھی قبول نہیں کیا۔ ان کے علاوہ شیخ سے پہلے متکلمین اسلام یا متکلمین معتزلہ کا ایک گروہ موجود تھا جو فلسفہ کی تمام شاخوں سے واقف تھا اور اس میں ایجادات و اختراعات کرتا تھا، اور دوسروں کے اقوال کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتا تھا اور فلسفہ کو مذہبی رنگ میں پیش کرتا تھا۔

فلسفہ میں شیخ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فلسفہ اور اسلامی عقائد میں تطبیق دیتا ہے۔ چنانچہ دی بوئر تاریخ فلسفہ اسلام میں لکھتے ہیں۔

"وہ اور ہر اعتبار سے ابن سینا انتہائی کوشش کرتا ہے کہ اپنے خیالات کو عامۂ مسلمین کے عقائد سے مطابق کرے۔"[1]

محمد لطفی تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں لکھتے ہیں:

"باوجودیکہ شیخ نے اصول اسلام کی تعظیم کی وجہ سے بہت کچھ رد و رعایت کی تاہم اس نے مجموعی طور پر ارسطو کے فلسفے میں جو دینِ حنیف کے ساتھ مطابقت نہیں رکھ سکتا بہت زیادہ تغیر نہیں پیدا کیا۔"[2]

محمد لطفی کی یہ رائے ریاضی، منطق اور طبیعیات کے متعلق ممکن ہے صحیح ہو، لیکن الٰہیات کے متعلق شیخ کے فلسفہ نے ارسطو کے فلسفہ الٰہی کا بالکل ڈھانچہ بدل دیا اور الٰہیات میں

---

[1] تاریخ فلسفہ اسلام مصنفہ ڈی، ج، دی بوئر ص ۹

[2] ایضاً ص ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدمار متکلین کے ایسے اقوال شامل کر دیے جن سے ارسطو یا حکمائے یونان بالکل ناواقف تھے، مثلاً فلسفۂ الٰہی کا ایک مسئلہ یہ ہے "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" یعنی ایک چیز سے صرف ایک ہی چیز پیدا ہو سکتی ہے، لیکن یہ مسئلہ صرف شیخ کی ایجاد ہے، چنانچہ ابن رشد تہافت الفلاسفہ میں لکھتے ہیں:

> دیکھو حکمار کی نسبت یہ کس قدر غلط خیال ہے کہ تم اس قول کو قدماء کی کتابوں میں دیکھو، ابن سینار وغیرہ کی کتابوں میں نہ دیکھو، جنہوں نے علم الٰہی میں قوم (یعنی یونانیوں) کے مذہب کو بالکل بدل دیا[1]

مسئلہ اثباتِ فاعل کے متعلق لکھتے ہیں:

> اگرچہ ابونصر اور ابن سیناء کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں کہ ہر فعل کے لیے ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے، یہی مسلک اختیار کیا ہے لیکن یہ قدمار کا مسلک نہیں بلکہ ان دونوں نے اس میں ہمارے ہم مذہب متکلین کی تقلید کی ہے[2]

عقول عشرہ کے علت و معلول ہونے کی جو ترتیب فلسفۂ الٰہی میں مذکور ہے، وہ بالکل شیخ کی ایجاد ہے، چنانچہ ابن رشد لکھتا ہے۔

> ابن سیناء نے جو یہ بیان کیا ہے کہ یہ مبادی باہم ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں اس سے قوم (یعنی حکماء) بالکل ناواقف ہے[3]

غرض متعدد مسائل کے متعلق ابن رشد نے تصریح کی ہے کہ وہ شیخ کی ایجاد ہیں، ایک مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

---

[1] تہافتہ الفلاسفہ ص ۴۹

[2] ایضاً ص ۱۷ [3] ایضاً ص ۴۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سخت تعجب ہے کہ ابو نصر اور ابن سینا سے یہ بات کیونکر پوشیدہ رہی، کیونکہ سب سے پہلے ان ہی دونوں نے یہ بات کہی اور لوگوں نے ان دونوں کی تقلید کی اور اس قول کو فلاسفہ کی طرف منسوب کر دیا[1]

پھر لکھتے ہیں۔

یہ تمام اقوال ابن سینا کے ہیں اور جس نے اس کی جیسی بات کہی تو وہ اقوال غیر صحیح ہیں اور فلسفیوں کے اصول کے مطابق نہیں ہیں[2]

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

یہ بات کہ ہر جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے تو اجرام سماویہ میں یہ فلاسفہ کا مذہب نہیں۔ یہ بات صرف ابن سینا نے کہی ہے[3]

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

یہ طریقہ ابن سینا نے متکلمین سے لیا ہے کیونکہ متکلمین کے نزدیک ہر موجود یا تو ممکن ہے یا واجب اور انہوں نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ ممکن کے لیے ایک فاعل ضروری ہے اور چونکہ تمام عالم ممکن ہے اس لیے اس کے لیے ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے جو واجب الوجود ہو۔ اشعریہ سے پہلے معتزلہ کا یہی اعتقاد تھا۔ یہ ایک عمدہ قول ہے اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ البتہ یہ قاعدہ کہ تمام عالم ممکن ہے مشہور نہیں ہے اس لیے ابن سینا نے اس قضیہ کو عام کرنا چاہا[4]

---

[1] تہافتہ الفلاسفہ ص ۵

[2] ایضاً ۲۶ [3] ایضاً ص ۲۷

[4] ایضاً ص ۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک جگہ لکھتے ہیں :

توحید کے متعلق یہ خاص ابن سینا کا مسلک ہے اور وہ قدما فلاسفہ میں سے کسی کا مسلک نہیں [۱]

ایک جگہ لکھتے ہیں :

لیکن یہ ان اقوال تو قدما کی کتابوں میں ہیں جنہوں نے ان چیزوں کے متعلق لکھا ہے بالخصوص حکیم اول کی کتابوں میں وہ اقوال نہیں جن کو ابن سینا وغیرہ نے جو اسلام کی طرف منسوب لکھا ہے [۱]

ایک جگہ لکھتے ہیں :

یہ قدما کا طریقہ نہیں اور سب سے پہلے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس طریقہ کو ابن سینا نے اختیار کیا اور کہا کہ یہ طریقہ قدما کے طریقہ سے بہتر ہے [۲]

الہیات کے خالص مذہبی مسائل سرے سے یونانیوں کے الہیات میں موجود ہی نہ تھے، صرف شیخ نے الہیات میں ان کو شامل کیا، مثلاً حشر اجساد کے انکار کے متعلق فلاسفہ قدیم کا کوئی قول مذکور نہیں [۳] اسی طرح قدما فلاسفہ نے معجزات پر کوئی بحث نہیں کی، چنانچہ ابن رشد لکھتے ہیں :

ان کے مبادی امور الہیہ ہیں جو عقل انسانی سے بالاتر ہیں، اس لیے باوجود ان کے اسباب کے نہ معلوم ہونے کے ان کا اعتراف کرنا چاہیئے، اس لیے قدما میں کسی نے معجزات پر کلام نہیں کیا [۴]

---

[۱] تہافتہ الفلاسفہ ص ۱۰۲ ایضاً ص ۱۰۳

[۲] ایضاً ص ۱۳۳

[۳] ایضاً ص ۱۲۴ و ۱۲۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری جگہ لکھتے ہیں :

معجزات کے متعلق قدماء فلاسفہ کا کوئی قول مذکور نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک وہ ان چیزوں میں داخل ہیں جن کی جستجو غیر ضروری ہے اور ان کو مسئلہ نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ وہ شرعی مبادی میں داخل ہیں اور ان کی جستجو کرنے والا اور ان میں شک کرنے والا ان کے نزدیک مستحق تعزیر ہے [۱]

ابن رشد کی ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ فن الہٰی میں شیخ نے اس قدر اضافے، تغیرات اور ایجادات و اختراعات کی ہیں کہ ان کی شکل ہی بدل گئی ہے۔ یہ اسے اس لیے کرنا پڑا کہ یونانیوں کی الہٰیات بالکل ناقص تھی۔ اس لیے جب تک متکلمین اسلام کی رائیں اس میں شامل نہ کی جاتیں یہ فن بالکل ناکمل رہتا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے رد منطق میں جابجا اس کی تصریح کی ہے مثلاً ایک موقع پر لکھتے ہیں :

الہٰیات میں ارسطو اور اس کے اصحاب کا کلام بہت کم ہے اور باوجود کم ہونے کے اس کا زیادہ تر حصہ غلط ہے، لیکن ابن سینا نے اس کو لیا اور اس کے ساتھ متکلمین کے بہت سے اصول ملا دیے اور بعض باتیں شرعی الفاظ میں کہیں، کیونکہ وہ اور اس کا خاندان ملاحدہ باطنیہ میں شامل تھا [۲]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ الہٰیات میں ارسطو کے مباحث کے ساتھ جو بہت کم اور اکثر غلط تھے، متکلمین کے اصول اور باطنیوں کا مذہبی فلسفہ بھی شامل ہے اور یہ اضافہ صرف شیخ نے کیا ہے۔

دوسرے موقع پر لکھتے ہیں :

---

[۱] تہافتہ الفلاسفہ ص ۱۲۱

[۲] رد منطق تعلمی نسخہ ص ۳۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبعیات میں حکماء کی بحثوں کا غالب حصہ عمدہ ہے، لیکن وہ علم الٰہی میں سخت جاہل ہیں اور اس علم کا تھوڑا بہت حصہ جو ان کے یہاں ہے وہ بالکل غلط ہے ابن سینا نے جب مسلمانوں کے مذہب کی کچھ چیزیں لیں اور ملاحدہ اور ان لوگوں سے جو ملاحدہ سے بہتر تھے یعنی معتزلہ اور رافضہ سے کچھ باتیں سیکھیں اور اپنی عقل سے اس پر جو کچھ ان سے لیا اور جو کچھ اپنے سلف سے حاصل کیا ان سب کو جمع کرنا چاہا۔ اس لیے اس نے فلسفہ میں ایسی بحثیں کیں، جس میں اس کے سلف کے خیالات بھی شامل تھے، مثلاً نبوات، اسرار آیات اور مناجات کے متعلق اس کی بحثیں اسی قسم کی ہیں، بلکہ طبعیات اور منطقیات کے متعلق اس کی بعض بحثیں اور واجب الوجود کے متعلق اس کا کلام بھی اسی قسم کا ہے اور نہ ارسطو اور اتباع ارسطو کے یہاں واجب الوجود اور اس کے احکام کا ذکر نہیں ہے[1]

اس کے ساتھ شیخ نے حکمائے قدیم سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا۔ چنانچہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق میں لکھتے ہیں۔

اور ابن سینا اور اس کے پیروؤں نے قدماء کے اقوال کے ایک حصہ سے اختلاف کیا[2]

اس اضافہ اور اس اختلاف سے شیخ کا مقصد حکمت اور شریعت میں تطبیق دینا تھا ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

اس سے فلاسفہ کے ایک گروہ جیسے ابن سینا وغیرہ نے جو اپنے

---

[1] رد منطق تیمی ص ۱۳۶ و ۱۳۷

[2] ایضاً ص ۱۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلف کے قول اور پیغمبروں کے اقوال میں تطبیق دینا چاہتے تھے اختلاف کیا ہے[1]

غرض الٰہیات میں شیخ کے بہت سے مباحث اور نبوت، معاد اور شرائع وغیرہ کے متعلق اس کی جو بحثیں ہیں۔ وہ مسلمانوں سے ماخوذ ہیں، اور ان کو اس نے اسماعیلیوں سے لیا ہے[2] اور بہر حال اسماعیلی بھی ارسطو وغیرہ سے زیادہ خدا سے واقف تھے[3] لیکن اسی کے ساتھ شیخ نے شریعت کے متعلق اسماعیلیوں کا پورا فلسفہ نہیں لیا، بلکہ شریعت کے ظاہری احکام کی وہ جو تاویلیں کرتے تھے، ان کو بالکل چھوڑ دیا اور صرف شریعت کے نظری حصے کے متعلق ان کے مباحث اخذ کیے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> جب ان باطنیوں میں فلاسفہ مثلاً ابن سینا وغیرہ شامل ہوئے تو ان کو معلوم ہوا کہ یہ باطنی پیغمبروں کے متعلق جن تاویلوں کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں بہت سی بداہۃً باطل ہیں۔ اس لیے انہوں نے ان ملاحدہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک متوسط مسلک اختیار کیا اور ظاہری شریعت کو قائم رکھا اور ان مسائل کی تاویل نہیں کی[4]

شیخ نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ علمی اصول پر تصوف کو مرتب کیا اور اس کے متعلق جو باتیں مستبعد معلوم ہوئیں ان کو عقلی دلائل سے ثابت کیا۔ چنانچہ اشارات میں پہلے کلیات تصوف پر پھر عرفاء کے درجات پر، پھر ان کے حالات پر مفصل بحث کی اور اس بحث کے متعلق امام رازی لکھتے ہیں۔

> یہ باب اس کتاب کے تمام ابواب میں بزرگ ترین باب ہے کیونکہ اس نے

---

[1] رد منطق قلمی ص ۱۳۳ [3] ایضاً ص ۱۳۵

[2] ایضاً ص ۱۳۲

[4] الرد علی المنطقیین ص ۲۵۴ و ۲۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علوم صوفیہ کی ترتیب ایسے طریقے پر کی ہے کہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کسی نے اس طریقہ پر کی۔[1]

شیخ نے ایک خاص رسالہ "فعل وانفعال" میں معجزات، کرامات اور وحی والہام وغیرہ پر بحث کی ہے اور تاثیر نفسانی کو ان کا سبب قرار دیا ہے۔ اگرچہ ابن تیمیہ کے نزدیک شیخ کی یہ رائے مقبول نہیں ہے۔ تاہم شیخ سے جہاں تک ہو سکا ہے اس نے مذہب کے نظری حصے کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔

---

[1] شرح اشارات ص ۱۰۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوریحان بیرونی

قدیم تذکروں اور تاریخوں میں بیرونی کے حالات معجم الادبا رجلد ششم، اخبار الحکما ر شہرزوری، طبقات الاطبا رابن ابی اصیبعہ، تتمۂ صوان الحکمۃ اور عنقر الدول میں مذکور ہیں[1] لیکن یہ حالات اس قدر غیر مرتب، مجمل اور مبہم ہیں کہ ان سے بیرونی کی زندگی کا کوئی پہلو روشن طور پر نظر نہیں آتا۔ البتہ پروفیسر سخاؤ نے آثار الباقیہ کے مقدمہ میں اس کے حالات کے تمام ماخذوں کے ذریعہ سے اس کے جو حالات لکھے ہیں۔ ان سے ان کی زندگی کا اجمالی خاکہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ان حالات کا خلاصہ مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے حواشی چہار مقالہ میں درج کیا ہے جس کو ہم سب سے پہلے درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"ابوریحان بیرونی کے حالات جو اب تک لکھے گئے ہیں۔ ان میں بہترین حالات وہ ہیں جن کو مستشرق ایڈورڈ سخاؤ نے آثار الباقیہ کے مقدمے میں لکھا ہے۔ اس نے ان تمام مآخذ و مصادر کا جن سے ابوریحان کی معمولی حالت بھی معلوم ہوتی ہے، مطالعہ کیا ہے۔ چونکہ مشرق میں ایران کے سب سے بڑے فلسفی اور ریاضی دان کے حالات صحیح طور پر معلوم نہیں ہیں اس لیے پروفیسر سخاؤ کی تحریر کا خلاصہ اس موقع پر درج کرنا مناسب معلوم

---

[1] اردو میں مولوی عنایت اللہ صاحب بی اے علیگ نے بیرونی کے حالات میں ایک رسالہ لکھا ہے اور مسٹر عبداللہ خان نے اپنی کتاب مشاہیر عالم حصہ اول میں چند صفحے بیرونی کے حالات لکھے ہیں ان سب کے بعد مسٹر سید حسن برنی نے ایک مستقل و مفصل رسالہ بیرونی کے حالات میں لکھا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔

وہ ذی الحجہ ۳۶۲ھ کو خوارزم میں پیدا ہوا اور ۲ رجب ۴۴۰ھ کو غزنہ میں ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بیرونی بیرون خوارزم کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ وہ حوالی شہر خوارزم یا صوبہ خوارزم کا رہنے والا تھا۔ بہرحال خود شہر خوارزم کا باشندہ نہ تھا۔ اس لیے اس کو بیرونی کہا گیا۔ سمعانی کتاب الانساب میں جو ابوریحان بیرونی کی وفات کے تقریباً ایک سو سال بعد لکھی گئی۔ کہتا ہے کہ "بیرونی کی یہ نسبت بیرون خوارزم کی طرف ہے۔ کیونکہ جو لوگ خود خوارزم کے باشندے نہیں ہوتے بلکہ اس شہر کے باہر کے باشندے ہوتے ہیں ان کو بیرونی کہا جاتا ہے اور خوارزمیوں کی زبان میں ان لوگوں کو انبرک کہتے ہیں۔ ابوریحان منجم بیرونی اسی نسبت سے مشہور ہے۔"

بظاہر ابوریحان نے اپنی عمر کے ابتدائی حصے کو خوارزم میں مامونیوں کے ظل عاطفت میں جو خوارزم شاہیہ کے نام سے مشہور ہیں بسر کیا۔ مامونیوں کا خاندان ابتدا میں شاہان سامانیہ کا باجگذار تھا۔ پھر سامانیوں کی سلطنت کے خاتمہ اور غزنویوں کے استقلال حکومت کے مابین یعنی ۳۸۲ھ سے ۳۹۰ھ کے درمیانی زمانے میں یہ خاندان مستقلاً فرمانروا ہو گیا۔ لیکن اس استقلال کے چند ہی سال بعد ۴۰۷ھ میں سلطان محمود غزنوی نے خوارزم کو فتح کر کے اپنی وسیع سلطنت میں شامل کر لیا۔

ابوریحان نے چند سال جرجان میں شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے دربار میں بھی جس نے دو مختلف زمانوں یعنی ۳۶۶ھ تا ۳۷۱ھ اور ۳۸۸ھ تا ۴۰۳ھ میں جرجان اور مضافات جرجان میں حکومت کی بسر کیے اور حدود ۳۹۰ھ میں اس کے نام پر کتاب آثار باقیہ تصنیف کی پھر ۴۰۰ھ سے ۴۰۷ھ تک کے درمیانی زمانے میں ابوریحان دوبارہ اپنے اصلی وطن خوارزم میں واپس آیا اور ابوالعباس مامون بن مامون خوارزم شاہ کے دربار میں رہا اور خوارزمیوں کی شورش، خوارزم شاہ کا قتل اور خوارزم شاہ کے خون کے انتقام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بہلنے سے سلطان محمود کی لشکرکشی اور فتح خوارزم کے تمام واقعات ابوریحان نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور ان تمام واقعات میں خود موجود رہا ہے۔ ابوریحان کی کتابوں کی فہرست میں ایک کتاب کا نام "تاریخ خوارزم" ہے اور ابوریحان نے اس کتاب میں حسب عادت اپنے وطن کے تمام اخبار، آثار اور قصص وحکایات بالخصوص اپنے زمانے کے تمام تاریخی واقعات جن کے اکثر حصے کو اس نے بچشم خود دیکھا تھا درج کیے ہیں یہ کتاب بظاہر ناپید ہے لیکن اس کی چند فصلوں کو ابوالفضل بیہقی نے تاریخ مسعودی کے آخر میں شامل کر لیا ہے۔

بہرحال سلطان محمود جب خوارزم سے غزنہ کو واپس ہوا تو بہار ۴۰۸ھ میں ابوریحان اور ابوریحان کے ساتھ دربار خوارزم شاہی کے تمام فضلاء کو اپنے ساتھ غزنہ لے گیا۔ غزنہ میں قیام کرنے کے بعد ابوریحان نے کئی بار اپنے وطن خوارزم کا سفر کیا اور محمود غزنوی نے ہندوستان پر جو حملے کیے ان میں اکثر محمود کے ساتھ رہا اور ہندوستان کے علماء وحکماء سے میل جول پیدا کر کے زبان سنسکرت سیکھی اور تاریخ، ہیئت، ریاضی، جغرافیہ اور علوم الطبیعہ میں ان کے میل جول سے اپنی معلومات کو وسیع کیا۔ ان ہی سفروں میں ابوریحان نے اپنی مشہور کتاب الہند کا مواد، ہندوؤں کے علوم، مذہب اور اخلاق وعادات کے متعلق جمع کیا۔ یہ کتاب ۱۸۸۷ء میں زیر اہتمام پروفیسر سخاؤ حکومت ہندوستان کے صرفہ سے لندن میں چھپ گئی ہے۔

ابوریحان کی کتابیں دو زبان یعنی عربی اور فارسی میں ہیں لیکن اس کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت زبان اور کسی قدر عبرانی اور سریانی زبان سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ البتہ یونانی زبان سے بالکل واقف نہ تھا اور اس نے بطلیموس اور جالینوس وغیرہ سے جو کچھ اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ وہ ان یونانی ترجموں سے ماخوذ ہے جو عربی یا سریانی زبان میں کیے گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوریحان نے اپنی معلومات ان عمدہ کتابوں کے علاوہ جواب ناپید ہیں۔ زیادہ تر تو زمانی زبانی باتوں سے حاصل کی ہیں۔ اور ہمیشہ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور دوسری قوموں کے علماء و حکماء سے میل جول پیدا کرکے کوشش بلیغ کے ساتھ ان سے معلومات حاصل کرتا رہا ہے۔ بالخصوص ایران کے زردشتیوں اور اہل خوارزم، اہل صغد اور اہل سمرقند کی تاریخ اور تقویم کے متعلق اس نے جو نادر معلومات کی ہیں۔ ان کا زیادہ تر حصہ زبانی روایتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ کتابوں سے منقول نہیں ہے۔ اور اگر ابوریحان قدماء کے آثار کے قائم رکھنے کا اس قدر حریص نہ ہوتا تو ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔

ابوریحان کے زمانے میں اس کے ہم وطن زیادہ تر (اہورامزدا) کی پرستش کرتے تھے اور اکثر شہروں اور قصبوں میں آتش کدے قائم تھے۔ اور زردشتی مذہب کے علماء کا اثر کلیۃً زائل نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوریحان کو اپنی معلومات بالخصوص زردشتیوں کے اخبار و آثار و تقالید و تعلیم کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کے عمدہ ذرائع میسر ہوئے۔

ابوریحان کی تصنیفات کے سرسری مطالعہ سے بھی اس کے عقیدہ اور مشرب کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ ابوریحان صرف حقیقت پرست تھا، اور کسی چیز کو دنیا میں اس پر ترجیح نہیں دیتا تھا اور اس نے حقیقت کو کسی دوسری غرض سے نہیں چھپایا، اور توہمات و خرافات کے ابطال میں مطلق دریغ نہیں کیا۔ وہ مسلمان تھا اور شیعیت کی طرف مائل تھا، لیکن متعصب، متشدد اور خشک مسلمان نہ تھا۔ اہل عرب سے جنہوں نے ساسانیوں کے مجد و شرف کا خاتمہ کیا، نفرت رکھتا تھا۔ اور ایرانی قوم کے ساتھ جو چیزیں تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا بے اختیارانہ شیدائی تھا۔ اس زمانے میں اسلام اس قدر طاقت ور نہیں ہوا تھا کہ کوئی شخص علانیہ کسی مذہب کی برائی یا بھلائی نہ بیان کرسکے۔ دقیقی جو سامانی خاندان کا شاعر تھا، اور ابوریحان کے زمانے سے بہت زیادہ پہلے نہ تھا۔ کمال آزادی کے ساتھ اس قسم کے شعر کہتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دقیقی چار خصلت برگزیدہ است
بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ
مئی گلرنگ وکیش زردہشتی

لیکن اس کے چند دنوں بعد یعنی سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں اس قسم کے اشعار بے شبہ شاعر کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتے تھے[۱]

پروفیسر سخاؤ نے بیرونی کے جو حالات لکھے ہیں، اگرچہ وہ بہت زیادہ مفصل و مرتب ہیں اور ہمارے موجودہ تذکروں میں اگرچہ یہ ترتیب نہیں پائی جاتی۔ تاہم ان میں اور بہت سی باتیں بھی مذکور ہیں۔ جن کو پروفیسر سخاؤ نے چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے ہم اس موقع پر ان کو بھی درج کرتے ہیں تاکہ بیرونی کی زندگی کا کوئی حصہ چھوٹنے نہ پائے۔

وطن

بیرونی کے وطن میں اختلاف ہے۔ طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ بیرون سندھ کا ایک شہر ہے، اور بیرونی اسی شہر کی طرف منسوب ہے[۲]

اخبار الحکماء شہرزوری میں یہی لکھا ہے اور اس پر اس قدر اضافہ کیا ہے کہ بیرون جو اس کا جنم بھوم اور وطن ہے ایک عمدہ شہر ہے اور اس میں عجائب وغرائب پائے جاتے ہیں اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ موتی سیپ ہی میں رہتا ہے لیکن درحقیقت یہ بالکل غلط ہے اور غلطی کا سبب یہ ہے کہ سندھ میں نیرون ایک شہر ہے اور ابن حوقل جغرافی

---

[۱] حواشی چہار مقالہ از صفحہ ۱۹۳ تا صفحہ ۱۹۷

[۲] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کتاب المسالک کے ایک قدیم نسخے میں سندھ کا ایک نقشہ موجود ہے جس میں نیرون کا بیرون پڑھا اور ابوریحان کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ بیرونی کی سنسکرت دانی اور کتاب الہند بھی اس غلطی کا سبب ہو سکتی ہے، کیونکہ ہندوستان کی ایک قدیم زبان اور ہندی، مذہب ہندی تمدن اور ہندی علوم سے اس قدر دلچسپی صرف اسی شخص کو ہو سکتی ہے۔ جو خود ہندوستانی ہو۔ اس بناء پر بعض لوگوں نے بیرونی کو بھی غلطی سے ہندی سمجھ لیا۔ بہرحال نہ بیرون سندھ کا کوئی شہر ہے۔ نہ بیرونی وہاں پیدا ہوا۔ اس کا اصل مولد خوارزم کا کوئی گاؤں ہے۔ اس کے متعلق کتاب الانساب سمعانی کا حوالہ خود پروفیسر سخاؤ نے دیا ہے اور یاقوت کی معجم الادباء سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے بیرونی کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔

> محمد بن احمد ابوالریحان البیرونی الخوارزمی اور اس نسبت کے معنی باہر والے کے ہیں کیونکہ فارسی میں بیرون کے معنی باہر کے ہیں۔ میں نے بعض فضلاء سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ اس نے (بیرونی) خوارزم میں بہت کم قیام کیا اور اہل خوارزم اجنبی کو بیرونی کہتے ہیں، گویا جب وہ ان سے بہت دنوں تک الگ رہا تو وہ اجنبی ہو گیا۔ لیکن میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیہات کا باشندہ تھا یعنی وہ شہر کے باہر کا رہنے والا تھا[1]

ولادت اور وفات

ہمارے تذکرہ نویسوں نے بیرونی کا سالِ ولادت نہیں لکھا۔ البتہ یاقوت نے

---

[1] معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے سال وفات کے متعلق لکھا ہے کہ میرے خیال میں اس نے غزنہ میں ۴۳۰ھ کے حدود میں بڑی عمر میں وفات پائی [1] لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اور یہ غلطی خود یاقوت کی معجم الادباء ہی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ "سلطان محمود نے ۴۲۲ھ میں انتقال کیا اور ابوریحان غزنہ میں زندہ تھا" [2] اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ابوریحان نے ۴۲۲ھ تک وفات نہیں پائی تھی۔ غالباً یہ کاتب کی غلطی ہے جس نے ۴۴۰ھ کے بجائے ۴۳۰ھ لکھ دیا ہے۔

بیرونی کے سال ولادت کے متعلق تو ہمارے تذکرہ نویسوں نے غلط یا صحیح طور پر کچھ نہیں لکھا البتہ خود بیرونی نے اپنے ایک دوست کے جواب میں جس نے اس کی تصنیفات کی فہرست طلب کی تھی، لکھا ہے کہ

> تم مجھ سے ان کتابوں کے نام دریافت کرتے ہو جو ۴۲۷ھ تک لکھی جا چکی ہیں اس وقت میری عمر قمری مہینے سے ۶۵ سال اور شمسی مہینے سے ۶۳ سال کی ہے۔

اس سے ایک طرف تو یاقوت کے لکھے ہوئے سنہ وفات کی غلطی ثابت ہوتی ہے دوسری طرف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ۳۶۲ھ میں پیدا ہوا۔ البتہ اس سے اس کی ولادت کے مہینے اور دن کی تعیین نہیں ہوتی۔ لیکن ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الغضنفر التبریزی نے بیرونی کے اس خط کی تشریح میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کی نقل یورپ میں موجود ہے اور اس میں انہوں نے بہ تصریح لکھا ہے کہ وہ ۳ ذوالحجہ پنجشنبہ کے دن بوقت صبح خوارزم میں پیدا ہوا اور ابوریحان کے ایک شاگرد امام فاضل سرخسی کے خط میں ابوریحان کی کتابوں میں سے کسی کتاب کے حاشیے پر یہ تحریر تھا کہ ابوریحان نے ۲ رجب ۴۴۰ھ کو جمعہ کے دن عشاء کے بعد انتقال

---

[1] معجم الادباء ص ۳۱۲ [2] ایضاً ص ۳۰۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ اور دوسرے موقع پر کسی دوسرے کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ ابوریحان کی عمر اس وقت ،، سال ، ماہ کی تھی[1]

خاندان اور تعلیم و تربیت

ہمارے تذکروں سے ابوریحان کے خاندان ،طفولیت اور تعلیم و تربیت کا حال بالکل معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ خود ابوریحان نے آثار الباقیہ میں اپنے دو استادوں کا نام لیا ہے۔ ایک ابونصر منصور بن علی بن عراق مولی امیرالمومنین[2] اور ان کی نسبت تصریح کے ساتھ "استاذی" کا لفظ لکھا ہے۔ دوسرا نام نبداد سرخسی کا ہے، جس کو سید حسن صاحب برنی نے اس کے اساتذہ میں شمار کیا ہے، لیکن ابوریحان نے آثار الباقیہ میں ان کا نام اس طرح لیا ہے، محمد بن اسحاق بن استاذ بنداد سرخسی[3] جس سے بوضاحت یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بنداد سرخسی خود اس کے استاد تھے، ممکن ہے کہ استاد ان کا لقب ہو۔ یاقوت کے معجم الادبار سے ابوریحان کے ایک اور استاد کے نام کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "محمود نے جب خوارزم پر قبضہ کیا تو ابوریحان اور اس کے استاد عبدالصمد اوّل بن عبدالصمد کو گرفتار کیا اور اس پر باطنیت اور کفر کا الزام لگا کر قتل کر دیا[4]"

بہر حال موجودہ تذکروں سے اس سے زیادہ اس کی تعلیم و تربیت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

درباری تعلقات

ابوریحان نے طویل عمر پائی اور اس وسیع مدت میں اس کے تعلقات مختلف شاہی

---

[1] یہ وفیسر سخاد نے آثار الباقیہ کے مقدمہ میں ان کے اصلی الفاظ نقل کیے ہیں۔ [2] آثار الباقیہ ص ۱۸۴

[3] الآثار الباقیہ ص ۲۵ [4] معجم الادبار جلد ۶ ص ۳۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درباروں سے قائم ہوئے۔ معجم الادبار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوریحان کو سب سے پہلے شمس المعالی قابوس بن وشمگیر نے اپنے دربار میں طلب کیا، لیکن ابوریحان نے جانے سے انکار کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ " قابوس نے اس کو اس شرط کے ساتھ اپنے لیے مخصوص کرنا اور اپنے یہاں رکھنا چاہا کہ اس کی سلطنت کے تمام مقبوضات و مملوکات پر بیرونی کا حکم نافذ ہوگا لیکن ابوریحان نے انکار کیا۔[۱]

قابوس بن وشمگیر ۳۶۶ھ میں تخت نشین ہوا اور ۳۷۱ھ میں دیلمیوں نے اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابوریحان ۳۶۲ھ میں پیدا ہوا ہے، اس لیے ۳۷۱ھ میں اس کی عمر صرف ۹ سال کی تھی اور اس عمر میں وہ اس کے دربار میں طلب کئے جانے کے قابل نہ تھا۔ البتہ قابوس نے ۳۸۸ھ میں دوبارہ حکومت حاصل کی اور ۴۰۳ھ کے بلوے میں قتل ہوا۔ اس زمانہ میں اس کا تعلق قابوس کے دربار سے ہوا ہوگا، اور اسی زمانے میں اس نے قابوس کے نام پر آثار الباقیہ لکھی، معجم الادبار کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی نے اس کے یہاں جانے سے انکار کیا اور بیرونی کے سوانح زندگی میں اس قسم کے استغناء کی بعض مثالیں بھی موجود ہیں، لیکن غالباً فکر معاش نے اس کو اس تعلق پر مجبور کیا ہوگا، کیونکہ وہ خود آثار الباقیہ میں لکھتا ہے کہ " یہ فصل مجھ کو ایک ایسی حالت یاد دلاتی ہے جس پر احمد بن فارس کا یہ قول صادق آتا ہے۔

تذ قال فیما مضی حکیم ... ما المرء الا باصغریه

گذشتہ زمانے کے ایک حکیم کا قول ہے کہ آدمی اپنے دو چھوٹے عضو یعنی دل اور زبان سے آدمی ہوتا ہے۔

فقلت قول امرئ لبیب ... ما المرء الا بدرهمیه

---

[۱] معجم الادبار ص ۳۰۵ و تتمہ زوری ص ۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن میں نے ایک عقل مند آدمی کا یہ قول بیان کیا کہ آدمی اپنے دو درہموں سے آدمی ہوتا ہے۔

من لم یکن معہ درھماہ لم تلتفت عرسہ الیہ

جس کے پاس اس کے دو درہم نہ ہوں، اس کی بی بی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

وہ یہ کہ جس زمانے میں میں بندگان عالی کے دربار سے الگ تھا، میں نے رسے ہیں نجوم کے ایک عالم کو دیکھا کہ اس نے نجوم کے احکام کے استخراج کا ایک طریقہ استعمال کیا لیکن میں نے اس کو بتایا کہ صحیح طریقہ اس کے خلاف ہے لیکن اس نے مغرورانہ طور پر مجھ کو حقیر سمجھا، حالانکہ علمی حیثیت سے اس کا درجہ مجھ سے بہت کم تھا۔ اس نے میرے قول کو جھٹلایا اور مجھ پر زبان درازی کی کیونکہ مجھ میں اور اس میں دولت اور افلاس کا فرق تھا اور افلاس ایک ایسی چیز ہے جس سے مناقب ومفاخر، معائب ومثالب بن جاتے ہیں اور میں اس وقت ہر حیثیت سے مبتلائے مصیبت اور پریشان حال تھا۔ پھر جب مصیبتیں کس قدر کم ہوئیں تو اس نے مجھ سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیئے[1]

اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قابوس کے دربار کے تعلق سے پہلے نہایت تنگدست اور شکستہ حال تھا اور اسی تنگدستی اور شکستہ حالی نے اس کو قابوس کے دربار کے تعلق پر مجبور کیا ہوگا، اس کے بعد اس کا تعلق خوارزم شاہی دربار سے ہوا۔ خوارزم شاہیوں کا خاندان جیسا کہ اوپر گذرا ۳۸۴ھ سے ۳۹۰ھ کے درمیانی زمانے میں مستقلاً فرمانروا ہوا، اور ۴۰۷ھ میں سلطان محمود غزنوی نے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس لیے اس دربار سے ابوریحان کا تعلق ۳۹۰ھ کے بعد ہوا ہوگا۔ بہرحال ابوریحان نے اس دربار میں بھی نہایت

---

[1] آثار الباقیہ ص ۳۲۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزت واحترام حاصل کیا۔ چنانچہ ایک دن خوارزم شاہ سواری پر ابوریحان کے مکان کے پاس سے گذرا تو اس کو باہر بلانے کا حکم دیا، ابوریحان کو باہر نکلنے میں دیر ہوئی تو خوارزم شاہ نے سواری کی باگ موڑی اور خود اترنا چاہا مگر اس درمیان میں ابوریحان باہر نکل آیا اور قسم دلا کر کہا کہ آپ سواری سے نہ اتریں، اس پر خوارزم شاہ نے یہ شعر پڑھا،

العلم من اشرف الولایات
یاتیہ کل الوری ولا یاتی

علم سب سے زیادہ معزز ملک ہے کہ تمام لوگ اس کے پاس آتے ہیں
اور وہ خود نہیں آتا۔

پھر کہا کہ "اگر دنیا کا دستور نہ ہوتا تو میں آپ کو نہ بلواتا کیونکہ علم بلند ہوتا ہے اور اس کے اوپر بلندی حاصل نہیں کی جاتی"۔ غالباً اس نے معتضد کے حال میں اس فقرے کو سنا ہوگا، کیونکہ معتضد ایک دن ثابت بن قرہ الحرانی کا ہاتھ پکڑے ہوئے باغ میں گھوم رہا تھا کہ دفعتہً اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا، اس پر ثابت نے کہا کہ "امیر المومنین کیا واقعہ پیش آیا؟" اس نے کہا کہ "میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے اوپر تھا، حالانکہ علم بلند ہوتا ہے اور اس کے اوپر بلندی نہیں حاصل کی جاتی"۔[1]

خوارزم شاہیوں کی تباہی کے بعد ابوریحان کا تعلق سلطان محمود غزنوی کے دربار سے ہوا لیکن یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس دربار سے اس کا تعلق کیونکر پیدا ہوا؟ اس کے متعلق نظامی عروضی سمرقندی نے چہار مقالہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ابوالعباس مامون خوارزم شاہ کو ایک خط لکھا کہ تمہارے دربار میں چند بے نظیر فضلاء کا مجمع ہے ان کو ہمارے دربار میں بھیج دو تاکہ ہم ان کے علم وفضل سے بہرہ اندوز ہو کر تمہارے ممنون احسان ہوں۔ خوارزم شاہ نے اپنے دربار کے حکماء کو جمع کر کے یہ خط سنایا تو شیخ ابوعلی سینا اور

---

[1] معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۰۹ و ۳۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوسہل مسیحی نے تو جانے سے انکار کر دیا، لیکن ابونصر، ابوالخیر اور ابوریحان مالی ترغیبات کی بنا پر راضی ہو گئے [1] اس کے بعد شیخ بوعلی سینا اور ابوسہل مسیحی کے فرار و گرفتاری کا طویل قصہ مذکور ہے، لیکن یہ قصہ اور یہ روایت بالکل غلط اور مشتبہ ہے۔ اس روایت کی غلطی اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ یاقوت نے معجم الادباء میں ابوریحان کا مفصل تذکرہ کیا ہے، لیکن کہیں بھی اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ غزنہ میں ابوریحان کے جانے کا سبب یہ ہوا کہ سلطان محمود نے جب خوارزم کو فتح کیا تو ابوریحان اور اس کے استاد عبدالصمد اول بن عبدالصمد حکیم کو گرفتار کیا اور اس پر باطنیت اور کفر کا الزام لگا کر عبدالصمد کو تو قتل کر دیا، اور ابوریحان کو بھی قتل کرنا چاہا لیکن وہ اس وجہ سے بچ گیا کہ محمود سے کہا گیا کہ وہ علم نجوم میں اپنے وقت کا امام ہے، اور سلاطین اس کے جیسے شخص سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، چنانچہ سلطان محمود اس کے قتل سے باز رہا اور اس کو اپنے ساتھ بلاد ہند میں لے آیا، اور ابوریحان نے اہل ہند میں رہ کر ان کی زبان سیکھی اور ان کے علوم اخذ کیے، اس کے بعد غزنہ میں قیام کیا اور وہیں وفات پائی [2]

بہرحال ابوریحان کو سلطان محمود نے اپنی صحبت کے لیے مخصوص کر لیا اور نجوم اور افلاک کے متعلق اس کے ذہن میں جو باتیں آتی تھیں، ان پر ابوریحان سے گفتگو کیا کرتا تھا، چنانچہ ایک بار اس کے پاس اقصائے بلاد ترک سے ایک قاصد آیا اور اپنا مشاہدہ بیان کیا، کہ قطب جنوبی میں سمندر کے پار آفتاب کی ایک ایسی گردش ہوتی ہے کہ رات بالکل نہیں ہوتی چونکہ سلطان محمود مذہب میں متشدد تھا، اس لیے آں پر اس نے الحاد و باطنیت کا الزام لگایا لیکن ابونصر ابن مشکان نے کہا کہ وہ یہ اپنی رائے سے نہیں بیان کرتا، بلکہ اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے، اس پر اس نے یہ آیت پڑھی۔

---

[1] چہار مقالہ ص ۷۷ [2] معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۱۱، ۳۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن دُونِهَا سِتْرًا۔ — اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا کہ ہم نے اس کے سامنے اس کے لئے پردہ نہیں بنایا۔

اب سلطان نے اس کے متعلق ابوریحان سے دریافت کیا تو اس نے اختصار کے ساتھ اس کو ثابت کیا۔ سلطان محمود بعض اوقات بات کو اچھی طرح سنتا تھا اور انصاف کرتا تھا، اس لیے اس نے ابوریحان کے بیان کو تسلیم کر لیا اور دونوں کے درمیان گفتگو کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

مسٹر سید حسن برنی لکھتے ہیں کہ :

خوارزم کی فتح کے بعد جب محمود اپنے دارالسلطنت کی طرف لوٹا تو تمام مشاہیر ملک اور ارکین حکومت کو مقید کر لیا۔ ان پولٹیکل قیدیوں میں ہمارا غمزدہ بیرونی بھی تھا۔ غزنی آکر اس کا کیا حشر ہوا؟ تمام موجودہ تاریخیں اس کا جواب دینے سے عاجز ہیں اور تاوقتیکہ مستند تاریخی شہادتیں دستیاب نہ ہو جائیں کوئی قول فیصل صادر نہیں ہو سکتا۔ موجودہ روایات کی کمزوری اور صحیح واقعات کی گم گشتگی کی وجہ سے ہم مجبور ہیں کہ بیرونی کی تصنیف اور واقعات پر غور کرتے ہوئے کوئی قیاسی نتیجہ اخذ کریں۔ ظہیرالدین البیہقی اور شمس الدین شہرزوری نے البیرونی کے تذکرے میں کہیں یہ اشارہ نہیں کیا کہ بیرونی کا محمود کے دربار سے کوئی تعلق تھا۔

لیکن خود شہرزوری نے معجم الادباء کی اس روایت کو لیا ہے اور اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس سے بڑھ کر سلطان محمود کے تعلق اور ملازمت کی اور کیا شہادت ہو سکتی ہے؟ البتہ

---

[1] معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیرونی نے خود سلطان محمود کے نام پر کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن محمود کے بعد جب بیرونی کا تعلق اس کے بیٹے سلطان محمود کے دربار سے ہوا تو اس نے بیرونی کی قدردانی سلطان محمود سے بھی زیادہ کی اور بیرونی نے اس کے نام پر متعدد کتابیں لکھیں، اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان مسعود خود نہایت علم پرور تھا اور علم نجوم کی جانب خاص طور پر مائل تھا، چنانچہ ایک دن اس نے بیرونی سے اس مسئلہ پر اور رات اور دن کی مقدار کے اختلاف پر گفتگو کی، اور ایک ایسی دلیل معلوم کرنا چاہی جس کی صحت مشاہدے سے اب تک ثابت نہیں ہوئی ہے اس پر ابوریحان نے کہا کہ "اس وقت آپ مشرق و مغرب کے مالک اور زمین کے بادشاہ کے لقب کے حقیقی مستحق ہیں، اس لیے اس مسئلہ سے واقف ہونے کا سب سے زیادہ حق آپ کو حاصل ہے اور اس کے لیے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جو منجمین کے موضوع اور اصطلاح سے الگ تھی، اور جو شخص ان سے واقف نہ ہو وہ بھی اس کو سمجھ سکتا تھا، سلطان مسعود چونکہ عربیت کا ماہر تھا، اس لیے اس نے آسانی کے ساتھ اس کو سمجھ لیا، اور بیرونی کو صلہ و عطیہ دیا، اسی طرح اس کے حکم سے ایک کتاب لوازم الحرکتین تصنیف کی جو قرآن مجید کی آیتوں کے اقتباسات سے لبریز تھی، سلطان مسعود کے نام پر اس نے سب سے بڑی کتاب جو لکھی وہ قانون مسعودی تھی[۲] سلطان مسعود نے اس کی یہ قدردانی کی کہ اس کے صلہ میں ایک بانیل چاندی انعام میں دی لیکن بیرونی نے اس کو بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا[۳]

سلطان مسعود کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدولہ ابوالفتح مودود فرمانروا ہوا تو بیرونی کا تعلق اس کے دربار سے بھی قائم ہوا، اور اس کے نام پر کتاب الدستور لکھی[۴]

---

[۱] معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۱۰، ۳۱۱

[۲] شہرزوری قلمی ص ۹۳ [۳] ایضاً ص ۹۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاق وعادات

بیرونی کے اخلاق وعادات کے متعلق ہمارے تذکرہ نویسوں نے کچھ نہیں لکھا صرف یاقوت نے معجم الادبار میں اس قدر لکھا ہے کہ وہ پاکیزہ معاشرت رکھتا تھا۔ اس کے الفاظ اگرچہ بیباکانہ ہوتے تھے لیکن اس کے افعال پاکبازانہ تھے[1] شہرزوری نے اس کے بعض اخلاقی مقولے بھی نقل کیے ہیں، اور اس کا حلیہ یہ لکھا ہے کہ وہ گندم گون اور پست قامت تھا، اس کی داڑھی بڑی اور سفید تھی اور اس کا پیٹ بڑا تھا۔

بیرونی کی تصنیفات اور اس کا علمی پایہ

بیرونی کی عام شہرت علم ہیئت اور علم نجوم وغیرہ کی وجہ سے ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس نے زیادہ تر کتابیں ان ہی علوم کے متعلق لکھی ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اور علوم سے ناآشنا نہ تھا۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ وہ فن طب پر عمدہ نظر رکھتا تھا۔ ریاضی ونجوم کے علاوہ دوسرے علوم حکمیہ سے بھی واقف تھا۔ ان علوم کے متعلق اس میں اور شیخ ابوعلی سینا میں مباحثات ومراسلات بھی ہو چکے ہیں، لیکن وہ ریاضی اور نجوم کے علاوہ دوسرے علوم حکمیہ میں شیخ کا ہم پلہ نہ تھا۔ شہرزوری نے اس کے حالات میں لکھا ہے کہ شیخ بوعلی سینا کے ساتھ اس کے مناظرات ہیں لیکن معقولات کے سمندر میں گھسنا اس کا کام نہ تھا، اور ہر شخص وہی کام کر سکتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

ان علوم کے ساتھ وہ ادبی علوم کا ذوق بھی رکھتا تھا، چنانچہ یاقوت نے معجم الادبار

---

[1] معجم الادبار جلد ۶ ص ۳۱۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اسی حیثیت سے اس کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ ایک بڑا ادیب اور لغوی تھا۔ اور ان علوم میں اس کی متعدد تصنیفات ہیں جن کو میں نے دیکھا ہے، ان میں ایک تو ابو تمام کے اشعار کی شرح ہے جس کا نسخہ میں نے خود اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے لیکن اس کو اس نے مکمل نہیں کیا۔ دوسری کتاب کا نام "التعلل با جالۃ الوہم فی معانی نظم اولی الفضل" ہے۔ ایک کتاب میں اس نے سلطان محمود کے زمانے کی تاریخ اور اس کے باپ کے حالات لکھے ہیں، خوارزم کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب المسامرہ ہے۔ ایک کتاب کا نام مختار الاشعار والآثار ہے۔

ان تاریخی اور ادبی کتابوں کے علاوہ اس نے جو کتابیں نجوم، ہیئت، منطق اور حکمت میں لکھی ہیں ان کا شمار نہیں ہو سکتا، یاقوت نے لکھا ہے کہ میں نے وقف جامع مرو میں اس کی کتابوں کی فہرست گنجان خط میں ساٹھ ورق میں دیکھی ہے[۱] اور تمام تذکرے بھی اس کی کثرتِ تصنیف، علمی انہماک اور علمی ذوق کے مداح ہیں، شہرزوری نے لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتا تھا، اور اس کا ہاتھ قلم کو اور اس کی آنکھ مطالعہ کو اور اس کا دل غور و فکر کو صرف کھانے کے اوقات میں چھوڑتا تھا، اس کی تصنیفات ایک بار شتر سے زیادہ ہیں[۲] یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ ان مشاغل کو صرف نوروز اور مہرگان کے دن چھوڑتا تھا تاکہ معاش کا سامان کر لے، اور بقیہ دنوں میں صرف علمی اشغال میں مشغول رہتا تھا، فقیہ ابوالحسن علی بن عیسی الولوالجی کا بیان ہے کہ میں ابوریحان کے پاس ایسی حالت میں گیا جب وہ دم توڑ رہا تھا، لیکن اس حالت میں بھی اس نے کہا کہ تم نے جداتِ فاسدہ کے متعلق مجھ سے ایک دن کیا کہا تھا؟ مجھ کو اس پر رحم آیا اور میں

---

[۱] معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۱۱

[۲] شہرزوری قلمی ص ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کہا کہ اس حالت میں ابوریحان نے کہا کہ کیا اس مسئلہ کا علم اس سے بہتر نہیں ہے کہ میں دنیا کو اس حالت میں چھوڑدوں؟ کہ اس سے جاہل رہوں۔ چنانچہ میں نے اس مسئلہ کو دوبارہ بیان کیا اور اس نے اس کو یاد کر لیا۔ اس کے بعد میں اس کے پاس سے نکلا تو راستے ہی میں تھا کہ رونے پیٹنے کی آواز سنی[۱]

ان تصریحات سے اس کے علمی ذوق، علمی انہماک اور کثرت تصنیفات کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ بیرونی نے خود اپنی ان تصنیفات کی ایک فہرست جو ۴۲۷ھ تک یعنی اس کی وفات سے ۱۳ سال پیشتر تک لکھی جاچکی تھیں، اپنے ایک دوست کو بھیجی تھی، جو آثار الباقیہ کے مقدمے میں شامل ہے۔ ان کتابوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے لیکن یہ فہرست بالکل نامکمل ہے۔ اولاً تو وہ اس کے بعد تیرہ سال تک زندہ رہا اور اس مدت میں بھی اس نے کچھ کتابیں لکھی ہوں گی، اس کے علاوہ اس وقت اور کتابیں بھی زیر تصنیف تھیں اور ان سب کے سوا اس کی بہت سی تصنیفات کے نام اس کی دوسری کتابوں میں ملتے ہیں اور بہت سی تصنیفات کے نام حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھے ہیں، اس کی کتابوں کے اور بھی بہت سے نسخے یورپ اور دنیا کے دوسرے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ اور ان سب کی فہرست مسٹر سید حسین برنی نے اپنے رسالے میں دے دی ہے، لیکن بیرونی کی ان تصنیفات کا دفتر بے پایاں اب بالکل ناپید ہے۔ البتہ اس کی چند کتابیں ایک تو کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم جو ایران سے اور اس کے چار رسالے دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد سے اور آثار الباقیہ اور کتاب الہند شائع ہوچکی ہیں اور ہم ان ہی دونوں آخر الذکر کتابوں کے چند اقتباسات اس موقع پر درج کرتے ہیں۔

بیرونی نے اگرچہ آثار الباقیہ ریاضی کے ایک خاص موضوع پر لکھی ہے، تاہم اس نے

---

[۱] معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۰۸ و ۳۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں اور بہت سی دلچسپ علمی، تاریخی، مذہبی اور فلسفیانہ باتیں لکھی ہیں اور ان پر آزادانہ تنقید کی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ

> بعض موقعوں پر اگرچہ ہم دوسرے فنون پہ بحث کرنے لگتے ہیں اور ایسی چیزوں میں گھس پڑتے ہیں جن کا تعلق عبارت سے بہت دور کا ہوتا ہے لیکن اس کا مقصد طوالت پسندی نہیں ہوتا، بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ ناظرین کا ذہن کند نہ ہونے پائے کیونکہ ایک ہی فن پہ ہمیشہ نظر رکھنے سے ذہن کند ہو جاتا ہے، اور آدمی اس کو برداشت نہیں کر سکتا، لیکن جب ایک فن کو چھوڑ کر وہ دوسرا فن اختیار کرتا ہے تو گویا وہ چند باغوں کی سیر کرتا ہے کہ ایک باغ کے بعد دوسرا باغ آتا ہے تو وہ نہایت رغبت کے ساتھ اس کو دیکھنے لگتا ہے، چنانچہ یہ مشہور مقولہ ہے کہ ہر نئی چیز میں لذت ہوتی ہے[1]

اس حیثیت سے اس کی یہ کتاب دورِ گذشتہ کے اہم تاریخی، مذہبی اور علمی مسائل کی ایک تنقیدی تاریخ ہے اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر ہمارے فلاسفہ تاریخی کتابیں لکھتے یہ فن موجودہ دور کی تنقیدی موشگافیوں سے بے نیاز ہو جاتا، لیکن ہمارے فلاسفہ میں صرف ابن مسکویہ نے مستقلاً اور بیرونی نے ضمناً اس قسم کے مسائل پر تنقید کی ہے ہم ان میں سے چند مسائل کو بیان کرتے ہیں۔

بیرونی نے ایران کے قدیم بادشاہوں کے نام، القاب اور حالات نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، تاہم یہ تصریح کر دی ہے کہ ان میں بہت سی باتیں ناممکن، دور از کار اور ناقابلِ قبول ہیں، چنانچہ لکھا ہے۔

---

[1] آثار الباقیہ ص ۴،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایرانیوں کے پہلے حصّے کی تاریخ، بادشاہوں کی عمروں، اور ان کے مشہور کارناموں کے متعلق ان کے یہاں ایسی روایتیں موجود ہیں جن کے سننے سے دل بیزاری ظاہر کرتے ہیں، کان ان کو تھوک دیتے ہیں اور عقلیں ان کو قبول نہیں کرتیں لیکن ہم نے جو روش اختیار کی ہے اس کا مقصد صرف تاریخی واقعات کا بیان کرنا ہے۔ روایات کی تنقید کرنا نہیں ہے[1]

اس ضمن میں اس نے تاریخی حیثیت سے بعض ادبی نکتے بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً شعرائے ایران جو ہزار سالہ زندگی کی دعائیں دیتے ہیں۔ ہم اس کو مبالغہ سمجھتے تھے، لیکن بیرونی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا ایک تاریخی روایت پر مبنی ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ

تمام ایرانیوں کا اتفاق ہے کہ بیوراسف (ضحاک) نے ہزار سال کی عمر پائی، کہا جاتا ہے کہ ایرانی ایک دوسرے کو جو ہزار سال تک زندہ رہنے کی دعا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہزار سال بزی" اس کی ابتدا اسی زمانے سے ہوئی، کیونکہ انہوں نے اس کو دیکھا تھا۔ اس لیے یہ ان کے نزدیک ممکن تھا۔ واللہ اعلم[2]

مار ضحاک کی نسبت لکھتا ہے۔

بیوراسف (ضحاک) کے دونوں سانپوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے تھے۔ انسانوں کا دماغ کھاتے تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ دو غدود تھے جن میں درد پیدا ہوتا تھا اور ان پر انسانی دماغ کی مالش کی جاتی تھی جس سے ان کو سکون ہوتا تھا۔ لیکن دو سانپوں

---

[1] آثار الباقیہ ص ۱۰۰

[2] ایضاً ص ۲۲۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا پیدا ہونا ایک عجیب چیز اور بہت مستبعد ہے۔ کیونکہ گوشت سے صرف کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔[1]

اس طرح وہ جابجا اور بھی بہت سی قدیم تاریخی روایتوں پر تنقید کرتا ہے مثلاً یوم عاشورہ کے متعلق لکھتا ہے:

کہا جاتا ہے کہ اسی دن خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی پہ ٹھہری۔ اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نجات ملی، اور ان پر آگ سرد ہوئی۔ اسی دن حضرت یعقوب ؑ کی بینائی واپس آئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے نکالے گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت ملی اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب اٹھا لیا گیا اور حضرت ایوب علیہ السلام کے دکھ کا خاتمہ ہوا۔ اور حضرت ذکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور ان کو حضرت یحییٰ علیہ السلام دیئے گئے اور اسی دن فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ ہوا۔

ان تمام واقعات کو لکھ کر وہ لکھتا ہے:

اس دن ان تمام اتفاقات کا جمع ہو جانا اگرچہ ممکن ہے لیکن وہ عام محدثین اور اہل کتاب کی طرف منسوب ہے جنہوں نے علم کو اچھی طرح نہیں حاصل کیا ہے۔[2]

غرض وہ قدیم تاریخی واقعات پر عقلی حیثیت سے نظر ڈالتا ہے۔ اور اس حیثیت سے ان پر تنقید کرتا ہے۔ تاہم وہ بالکل عقل پرست بھی نہیں ہے، بلکہ تاریخی واقعات پر اور حیثیتوں سے

---

[1] آثار الباقیہ ص ۲۲۷

[2] ایضاً ص ۲۲۹ و ۲۳۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی نظر ڈالتا ہے۔ مثلاً سلاطین فارس کی طویل العمری کے متعلق ایرانی تاریخوں میں جو دور از کار باتیں مذکور ہیں۔ ان کو اگرچہ وہ تسلیم نہیں کرتا تاہم انسانی زندگی کا اس نے کوئی خاص محدود معیار بھی قائم نہیں کیا ہے بلکہ عقل پرستوں نے جو محدود معیار قائم کیا تھا، اس کی تردید کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ

بعض مبتذل روایت پرستوں اور احمق دہریوں نے گذشتہ قوموں کی طویل العمری بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کی عمروں کا انکار کیا ہے اور ان کے اجسام کی جو بڑائی بیان کی گئی ہے اس کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اور اپنے زمانے میں جو اجسام دیکھتے ہیں ان ہی پر ان کو بھی قیاس کرتے ہیں۔
احکام نجوم کے رُو سے ان کے نزدیک انسان کی انتہائی عمر دو سو پندرہ برس ہو سکتی ہے اور اس کی طبعی عمر صرف ایک سو بیس برس ہے، لیکن اگر حق ان کی خواہشوں کا پابند ہو جائے تو آسمان و زمین تباہ ہو جائیں۔ صرف مشاہدہ اور اس پر قیاس کرنے سے طول عمر اور اشخاص کے جسم کی ضخامت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ چیزیں زمانوں میں مختلف طور پر پیدا ہوتی ہیں، اس لیے جب کوئی مشاہدہ کرنے والا ان کی پیدائش کے اوقات کا مشاہدہ نہیں کرتا تو ان کو مستبعد سمجھتا ہے، تمام کائنات یعنی جانور، درخت، تخم اور پھل سب کے سب اس میں داخل ہیں، اگر کسی انسان کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو پھر اس کو ایک خزاں رسیدہ درخت کی طرف لایا جائے اور اس سے یہ بیان کیا جائے کہ وہ سرسبز ہو جائے گا اور اس میں پھول پھل آئیں گے تو اس کو مستبعد سمجھے گا یہاں تک کہ ان چیزوں کو دیکھ لے۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی ملکوں کے لوگ جاڑے کے زمانے میں کھجور اور زیتون کے درختوں کے سرسبز رہنے پر تعجب کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے ملکوں میں ایسے درخت نہیں دیکھے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض چیزیں غیر منتظم دوروں میں صرف اتفاق سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لیے جب اس اتفاق کا دور گذر جاتا ہے تو صرف اس کی روایتیں باقی رہ جاتی ہیں، اس لیے اگر روایت میں صحت کے شرائط موجود ہیں اور اس سے پہلے وہ چیزیں ممکن تھیں تو اس کے قبول کرنے سے چارہ نہیں، گویا اس کی کیفیت اور علت معلوم نہ ہو۔

اسی طرح بعض چیزیں فطرت کی غلطی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کی نوع کا جو نظم ہے اس سے نکل جاتی ہیں جیسا کہ بہت سے حیوانات میں زائد اعضاء پائے جاتے ہیں، اس کے بعد اس قسم کی بہت سی مثالیں دے کر لکھتا ہے۔

اس قسم کی تمام چیزوں کے متعلق میں نے مخصوص کتابیں لکھی ہیں جو ان لوگوں کے نزدیک مقبول نہیں ہیں جنہوں نے ان کو نہیں دیکھا ہے، کیونکہ ان میں روایت کی صحت کے شرائط نہیں پائے جاتے۔

فرغانہ اور ریاسہ میں اس قدر طویل عمریں ہوتی ہیں جو اور شہروں میں نہیں ہوتیں اسی طرح عرب اور ہند کی عمریں بھی ان سے زیادہ ہوتی ہیں۔

نباتات میں بھی یہ چیز نمایاں طور پر نظر آتی ہے، کہ بعض نباتات کی نوعیں دیر تک قائم رہتی ہیں اور بعض جلد فنا ہو جاتی ہیں، اس لیے ان لوگوں نے اقوالِ نجوم سے جو استدلال کیا ہے۔ وہ باطل ہے۔

ابو عبداللہ الحسین بن ابراہیم الطبری الناتلی کا ایک رسالہ میں نے عمر طبعی کی مقدار پر دیکھا جس میں اس نے بیان کیا ہے کہ اس کی انتہا ایک سو چالیس سال شمسی ہے اس پر زیادتی ناممکن ہے لیکن کلیتہً ناممکن کہہ دینے کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہے جس سے دل کو اطمینان ہو۔ رہی اجسام کی ضخامت تو گو وہ ضروری نہیں کیونکہ اس وقت اس کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا اور جس زمانے کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے وہ بہت دور نکل چکا ہے تاہم وہ محال نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر انسانوں کے کسی گروہ کے اجسام بڑے نہ ہوتے تو ان کا ذکر بہ تواتر کیوں کیا جاتا ؟[1]

بیرونی کو قدیم قوموں کے حالات اور عقائد و اعمال کے معلوم کرنے کا خاص طور پر شوق ہے ۔ بالخصوص ایرانیوں کے مذہبی پیشواؤں کے حالات معلوم کرنے کا وہ خاص طور پر شائق ہے اگرچہ اس سلسلے میں اس نے بہت سی سنی سنائی باتیں لکھ دی ہیں تاہم اس نے ان کو اصل کتابوں کا پتہ لگا کر ان سے عقائد و اعمال معلوم کیئے ہیں وہ اگرچہ خود ان کا ہم خیال نہیں ہے ، اور محض علمی شوق سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ، چنانچہ اس کے ایک دوست نے اس سے محمد بن ذکریا رازی کی کتابوں کی فہرست طلب کی اور اس نے فہرست بھیج دی لیکن ان کے خیالات سے اپنی مبرأت ظاہر کی ہے اور لکھا ہے :

اگر میں تمہاری عزت نہ کرتا ہوتا تو ایسا نہ کرتا ، کیونکہ اس کے مخالفین سے عداوت مول لینی پڑتی اور وہ یہ گمان کرتے کہ میں بھی اسی جماعت میں داخل ہوں ۔

لیکن بایں ہمہ بیرونی نے الٰہیات میں اس کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کے خیالات مانی کی کتابوں بالخصوص سفر الاسرار سے ماخوذ ہیں ، اس لیے اس نے اپنے دوستوں سے اس کتاب کا پتہ چلانا چاہا اور تقریباً چالیس سال تک اس جستجو و تلاش میں سرگرداں رہا ، بالآخر ایک شخص نے اس کو مانی کی بہت سی کتابیں دیں جن میں سفر الاسرار بھی تھی ، اس پر بیرونی اس قدر خوش ہوا کہ گویا ایک پیاسے کو آب زلال مل گیا ہے ،

قدیم قوموں کے تاریخی حالات اگرچہ اور بہت سی قدیم تاریخوں میں مذکور رہیں ، لیکن ان کے مذہبی خیالات اور مذہبی عقائد و رسوم جس قدر بیرونی کی تصنیفات سے معلوم ہو سکتے ہیں اور کسی کتاب سے نہیں معلوم ہو سکتے ۔ اس نے آثار الباقیہ میں قدیم قوموں کے تہواروں وغیرہ

---

[1] آثار الباقیہ تلخیص از صفحہ ۸ تا ص ۸۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور ان کے مذہبی پیشواؤں کا حال لکھا ہے۔ ایک خاص فصل میں متنبئین یعنی جعلی پیغمبروں کا حال لکھا ہے اور اسی سلسلے میں مقنع کی نسبت لکھا ہے۔

ماوراء النہر میں اس کے پیرو ہیں جو مخفی طور پر اس کے دین پر ہیں لیکن اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، اس کے حالات کا میں نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور میری کتاب اخبار المبیضہ و القرامطہ میں یہ حالات تفصیل سے مذکور ہیں [1]

اصل یہ ہے کہ قدیم قوموں اور مختلف فرقوں کے مذہبی خیالات اور عقائد و رسوم اس زمانے کے علوم کلام کا ضروری جزو تھے اور ان سے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ ایک قوم یا ایک فرقہ دوسری قوم یا فرقہ سے کس قدر متاثر ہوا ہے، اور ان خیالات اور عقائد و رسوم میں بعد کے زمانے میں کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے ہیں۔ ملل و نحل کی کتابوں میں مختلف قوموں اور مختلف فرقوں کے جو خیالات اور عقائد و رسوم بیان کیے گئے ہیں، ان کا یہی مقصد ہے۔ بیرونی کے دور سے پہلے اگرچہ عیسائیوں، یہودیوں اور پارسیوں کے عقائد و رسوم پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا اور خود بیرونی نے آثار الباقیہ اور اپنی دوسری کتابوں میں ان پر بہت کچھ لکھا ہے، لیکن ہندوستان کے باشندوں پر کسی نے اس حیثیت سے نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ عباسی دور میں اگرچہ بہت سی سنسکرت کتابوں کے ترجمے ہو چکے تھے اور بہت سے ہندو پنڈت، ہندو وید، اور ہندو فلاسفر دربار خلافت میں پہنچ چکے تھے، لیکن جن کتابوں کے ترجمے ہوئے تھے وہ زیادہ تر طب، ریاضی نجوم اور فلسفہ سے تعلق رکھتی ہیں، جن سے ہندوؤں کے مذہبی خیالات، عقائد، رسوم اور طرز معاشرت کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ چند مسلمان بھی اگرچہ شوق علم میں ہندوستان آ چکے تھے لیکن انہوں نے بھی اس حیثیت سے ہندوستان کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ بیرونی پہلا شخص ہے جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس غرض سے ہندوستان کا سفر کیا، اور ہمارے تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس نے چالیس سال تک ہندوستان کی سیاحت کی۔ یہ مدت اگرچہ غیر تحقیقی اور مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ وہ ۴۰۸ھ میں محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا اور غزنہ ہی میں ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔ اس لیے اس نے اپنی عمر کا کافی حصہ ہندوستان میں بسر کیا، اور پنجاب اور سندھ کی سیاحت کر کے ہندوستان کا بچشم خود مشاہدہ کیا، سنسکرت زبان سیکھی اور ہندوؤں کے علوم و فنون، عقائد و رسوم اور معاشرت و اخلاق پر کتاب الہند کے نام سے ایک ایسی کتاب لکھی جس کی نظیر اب تک موجود نہ تھی۔

اس کو اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کو سب سے پہلے اس نے لکھا ہے۔

(۱) ایک تو زبان سنسکرت کی مشکلات تھیں جنہوں نے اس کو فارسی اور عربی سے بیگانہ کر دیا تھا اور اس کا سیکھنا دوسروں کے لیے سخت مشکل تھا۔

(۲) دوسرے ان کی علمی کتابیں زیادہ تر منظوم تھیں اور نظم کے تکلفات سے ان کے معانی و مطالب کا معلوم کرنا آسان کام نہ تھا۔

(۳) تیسرے ایسی مذہبی اور قومی بیگانگی کہ اپنے سوا دوسری قوموں کو ملیچھ یعنی نجس سمجھتے تھے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا بالکل ناممکن تھا۔

(۴) چوتھے یہ کہ وہ رسوم و عادات میں مسلمانوں سے بالکل مختلف تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کی وضع و قطع سے اپنے بچوں کو ڈراتے تھے اور ان کو شیطان سمجھتے تھے۔

(۵) پانچویں محمد بن قاسم کے زمانے سے محمود غزنوی کے زمانے تک کی اسلامی فتوحات نے جن کی وجہ سے ان کا تمام علمی اور قومی شیرازہ پراگندہ ہو گیا تھا، ان کو مسلمانوں کا اور بھی زیادہ دشمن بنا دیا تھا۔

بیگانگی کے ان اسباب کے علاوہ ہندوؤں کا خیال تھا کہ دنیا میں ہندوستان کے سوا نہ کوئی اور ملک ہے نہ ہندوؤں کے سوا اور کوئی قوم ہے، نہ ان کے سوا اور کوئی بادشاہ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نہ کسی اور قوم کے پاس علم ہے، حتیٰ کہ جب خراسان اور فارس کے علم یا کسی عالم کا ذکر ان سے کیا جاتا تھا تو وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کو جھٹلاتے تھے۔

بیرونی اگرچہ ان کے پنڈتوں کی خدمت میں ایک شاگرد کی حیثیت رکھتا تھا، تاہم اس نے جب ان کے علوم میں تھوڑی بہت مہارت پیدا کرلی اور ان کے سامنے دلائل بیان کرنے شروع کیے تو وہ اس سے تعجب کے ساتھ استفادہ کرنے لگے اور پوچھنے لگے کہ ہندوستان کے کس عالم سے تم نے یہ باتیں سیکھی ہیں۔ بیرونی جب ان کو حقارت سے دیکھتا تھا تو وہ اس کو جادوگر سمجھتے تھے اور اپنے اکابر کے پاس اس کو اپنی زبان میں بحر زخار کہتے تھے۔

ہندوؤں میں دو طبقے تھے۔ خاص و عام اور دونوں کے عقائد و خیالات اور اعمال مختلف تھے جیسا کہ عیسائیت کے ظہور سے پہلے یونانیوں کا بھی یہی حال تھا، لیکن بعد کو جو یونانی حکماء پیدا ہوئے انہوں نے یونانی عقائد، یونانی رسوم اور یونانی علوم کو عوام کے خیالات سے پاک کر دیا لیکن ہندوؤں میں اس قسم کے حکماء نہیں پیدا ہوئے اس لیے ہندوؤں کے عقائد و خیالات میں اوہام و خرافات کی بہت زیادہ آمیزش ہوگئی اور بیرونی نے ایمانداری کے ساتھ ان کو بغیر تنقید کے نقل کر دیا۔ مگر اس نے جو کچھ لکھا ہے اس سے خواص کا نقطۂ نظر بھی معلوم ہو جاتا ہے مثلاً خداوند تعالیٰ کی ذات کے متعلق پہلے تو اس نے عوام کے عقائد لکھتے ہیں، اس کے بعد لکھتا ہے:

> اگر ہم ہندوؤں کے خواص کے طبقہ کو چھوڑ کر ان کے عوام پر نظر ڈالیں تو ان کے اقوال مختلف اور بدنما ہو جائیں گے، جیسا کہ تمام مذاہب بلکہ خود اسلام میں بھی تشبیہ وغیرہ پائی جاتی ہیں، ہندوؤں کے بعض خواص خدا کو نقطہ کہتے ہیں، تاکہ اجسام کے اوصاف سے اس کو بری کریں۔ اس کے بعد عوام کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ چھوٹا ہونا خدا کی عظمت پر دلالت کرتا ہے، اس لیے انہوں نے یہ عقیدہ قائم کر دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ بارہ انگل لمبا اور دس انگل چوڑا ہے۔

یا یہ کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ خدا ہر چیز پر محیط ہے، اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، اس سے عوام نے یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ احاطہ دیکھنے سے ہوتا ہے اور دیکھنا آنکھ سے، اور دونوں آنکھیں اندھے پن سے افضل ہیں۔ اس لیے انہوں نے خدا کے لیے ایک ہزار آنکھیں تسلیم کریں، جس سے کمال علم مراد ہے اس قسم کے خرافات ان کے یہاں موجود ہیں، بالخصوص ان طبقات میں جو علم نہ حاصل کر سکے۔[1]

بیرونی صرف ہندوؤں کے عقائد و خیالات کے نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دوسرے مذاہب کے عقائد و خیالات بھی نقل کرتا ہے جس سے نہایت مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً ایک موقع پر یہ لکھتا ہے:

> ابوۃ اور بنوۃ کے لفظ کی اسلام اجازت نہیں دیتا، کیونکہ ولد اور ابن عربی زبان میں ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں اور والد اور ولادت کا لفظ ربوبیت کے معنی سے منفی ہے، لیکن عربی زبان کے علاوہ اور زبانوں میں اس کی گنجائش ہے یہاں تک کہ ان میں باپ کے ساتھ خطاب کرنا آقا کے ساتھ خطاب کرنے کے معنی میں آتا ہے، اسی لیے عیسائیوں میں جو شخص اب اور ابن نہیں بولتا وہ ان کی ملت سے نکل جاتا ہے، ابن کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خصوصیت کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور وہ صرف ان ہی تک محدود نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور لوگوں پر بھی شامل ہے، وہ خود اپنے تلامذہ کو دعاؤں میں یہ سکھاتے ہیں کہ کہو "اے میرے باپ جو آسمان میں ہے"۔[2]

---

[1] کتاب الہند صفحہ ۱۵ [2] ایضاً ص ۱۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیرونی نے اگرچہ کتاب الہند میں صرف ہندوؤں کے عقائد و خیالات لکھے ہیں مگر جا بجا ضمناً ایسی باتیں بھی لکھ جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کا دُنیا کے اور مذاہب پر کیا اثر پڑا ہے، چنانچہ تناسخ کے متعلق لکھتا ہے کہ

مانی ایران شہر سے جلا وطن کیا گیا تو ہندوستان آیا اور ہندوؤں سے تناسخ کے مسئلہ کو اپنے مذہب میں منتقل کر لیا[1]

اسی بحث میں دوسرے موقع پر لکھتا ہے:

برقلس کہتا ہے کہ یاد کرنا اور بھُولنا نفس ناطقہ کا خاصہ ہے، اور یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ وہ ہمیشہ موجود رہی ہے، اس لیے وہ ہمیشہ جاننے والی اور بھولنے والی بھی ہوگی، جب وہ بدن سے الگ ہوگی تو جاننے والی ہوگی اور جب وہ بدن سے ملے گی تو وہ بھولنے والی ہوگی، کیونکہ بدن سے جُدا ہونے کی حالت میں وہ چیز عقل میں ہوگی اس لیے جاننے والی ہوگی اور بدن سے ملنے میں وہ اس سے آئے گی اس لیے اس کو نسیان عارض ہو جائے گا اور اس سے یہی مراد ہے۔ صوفیہ چند مقامات مثلاً آسمان، عرش اور کرسی میں خدا کے حلول کو جائز سمجھتے ہیں اور بعض صوفیہ تمام عالم حیوان، درخت اور جماد میں حلول کو جائز خیال کرتے ہیں اور اس کی تعبیر ظہور کلی سے کرتے ہیں اور جب وہ اس کو جائز سمجھتے ہیں تو تناسخ کے ذریعہ سے حلول ارواح میں ان کے نزدیک کوئی ممانعت نہیں[2]

ہندوؤں کے اصلی عقائد و خیالات میں جیسا کہ اوپر گذرا بہت سے اوہام و خرافات مل گئے ہیں، لیکن بیرونی نے ہندوؤں کی اصل کتابوں کو پیش نظر رکھ کر ان اوہام و خرافات کا پردہ

---

[1] کتاب الہند ص ۲۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاک کر دیا ہے، چنانچہ دنیا سے نجات حاصل کرنے کے طریقہ پہ ہندوؤں کے اصلی عقائد و خیالات پر اس نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے:

نظر و تحصیل کے بعد یہ باتیں ان کے کلام سے ظاہر ہوتی ہیں لیکن خبر و روایت کے طریقہ کے موافق جس میں کثرت سے خرافات شامل ہو جاتے ہیں، ان کا ذکر درمیان کلام میں آجائے گا[1]

آج ہندوؤں کی جو عام مذہبی حالت ہے اس کو دیکھ کر ہر شخص یہ فیصلہ کرے گا کہ ہندوؤں کا اصلی مذہب بت پرستی ہے لیکن بیرونی نے جہاں ہندوؤں کے بتوں پر بحث کی ہے وہاں صاف تصریح کر دی ہے کہ یہ ہندوؤں کے عوام کا مذہب ہے، خاص اور محققین صرف توحید کے قائل ہیں، چنانچہ لکھتا ہے:

"چونکہ ہم صرف وہ باتیں بیان کرتے ہیں جن کے ہندو معتقد ہیں، اس لیے اس معاملے میں ان کے خرافات بیان کرتے ہیں، لیکن ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ یہ ہندوؤں کے عوام کا اعتقاد ہے لیکن جو شخص نجات کے طریقے ڈھونڈھتا ہے، یا بحث و کلام کے طریقوں کا مطالعہ کرتا ہے، اور اس تحقیق کا طالب ہے جس کا نام ان لوگوں نے سار رکھا ہے، وہ خدا کے سوا اور کسی چیز کی پرستش سے بری ہے چہ جائیکہ اس کی مصنوعی صورت کی پرستش[2]

بیرونی نے ہندوستان کی سیاحت کے زمانے میں اسلامی علوم و فنون کی جو اشاعت کی اس کا پتہ کتاب الہند سے جا بجا چلتا ہے، اس نے اس سلسلے میں سب سے بڑی کوشش تو یہ کی کہ ہندو مسلمانوں کے علوم و فنون سے واقف ہوں اور اس راہ میں اس

---

[1] کتاب الہند ص ۶۹

[2] ایضاً ص ۵۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بڑی مشکلات پیش آئیں، چنانچہ لکھتا ہے:

زیادہ تر ہندوستان کے لوگ نظم پر فریفتہ ہیں اور نثر کی طرف گو اس کا جاننا آسان ہے، راغب نہیں ہے، ان کی زیادہ تر کتابیں اشلوک میں ہیں، چونکہ میں اشاعت علم کا حریص ہوں اور چاہتا ہوں کہ جو علوم ان کے یہاں نہیں ہیں وہ ان میں رائج ہوں اس لیے میں نے اقلیدس کی کتاب اور مجسطی کا ترجمہ اور صنعت اصطرلاب کا املا، کرانا چاہا تو اس کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا[1]

بہرحال باوجود ان دشواریوں کے اس نے ہندوؤں میں مسلمانوں کے علوم و فنون کی اشاعت کی، اسی طرح اس نے مسلمانوں کو بھی ہندوؤں کے علوم و فنون سے بیگانہ نہیں رکھا بلکہ ہندوؤں کی کتابوں کے بھی عربی میں ترجمے کئے، چنانچہ لکھتا ہے:

اس فن میں براہمر کی دو چھوٹی بڑی کتابیں ہیں جن کی تفسیر بلبھدر نے کی ہے اور ان میں چھوٹی کتاب کا ترجمہ میں نے عربی میں کیا[2]

افسوس ہے کہ بیرونی کو تمام علوم و فنون میں ہندوؤں کی کتابیں نہ مل سکیں، ورنہ اگر اس کو ان کتابوں کے پڑھنے اور ترجمہ کرنے کا موقع ملتا تو اس کے دور سے پہلے ہندوؤں کی جن کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں ان کی بہت سی غلطیاں ظاہر ہو جاتیں، چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے:

ہندوؤں کے اور بھی بہت سے علم ہیں اور بے شمار کتابیں ہیں، لیکن میں ان سے واقف نہ ہو سکا، اور میری خواہش یہ ہے کہ میں کتاب پنچ تنتر کا جو ہمارے یہاں کلیلہ و دمنہ کے نام سے مشہور ہے، ترجمہ کر سکتا، اس کا سبب

---

[1] کتاب الہند ص ۱۲

[2] ایضاً ص ۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے ہندی سے فارسی میں، پھر فارسی سے عربی میں ترجمہ ہوا، اور ایسے لوگوں نے ترجمہ کیا جن کی تغییر و تحریف کا خوف ہے، مثلاً عبداللہ بن مقفع نے اس میں برزویہ کے باب کا اضافہ کر دیا تاکہ دینی عقیدہ میں شک پیدا کر دے اور مذہب مانیہ کی دعوت دے، کیونکہ اس نے جو اضافہ کیا اس میں وہ متہم تھا۔[1]

بیرونی جس زمانے میں ہندوستان میں آیا ہے وہ تمدنی اور معاشرتی حیثیت سے ہندوؤں کا دورِ جہالت سمجھا جاتا ہے، اور اس نے اس دور کی جو تمدنی و معاشرتی حالت لکھی ہے۔ اس سے اس کا مقصد ہندوؤں کی تنقیص اور مسلمانوں کا تفوق ظاہر کرنا نہ تھا، بلکہ ہندوستان کی تمدنی و معاشرتی زندگی کا صحیح نقشہ دکھانا مقصود تھا، چنانچہ ہندوؤں کی تمدنی و معاشرتی زندگی کا حال لکھ کر اخیر میں لکھتا ہے:

میں صرف ہندوؤں ہی کے دورِ جاہلیت پر سرزنش نہیں کرتا، عرب میں بھی اس قسم کی برائیاں موجود تھیں، اسلام نے ان کو مٹا دیا، جیسا کہ ہندوستان کی اکثر باتوں کو ان لوگوں نے مٹایا جنہوں نے یہاں اسلام قبول کیا۔[2]

بہرحال اگرچہ اس کتاب میں اس نے زیادہ تر ریاضی اور ہیئت کے مسائل پر بحث کی ہے تاہم بہت سی فصلوں میں ہندوؤں کے مذہبی عقائد و اعمال بھی نہایت تفصیل سے لکھے ہیں اور اس سے ہندو مذہب کی تاریخ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

---

[1] کتاب الہند ص ۷۶

[2] ایضاً ص ۹۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو سلیمان محمد بن طاہر بن بہرام سجستانی منطقی

ابو سلیمان کے نام کا ایک جزو منطقی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن منطق میں کمال رکھتے تھے۔ بہرحال وہ بغداد میں آئے اور یحییٰ بن عدی اور متی ابن یونس سے تعلیم حاصل کر کے علوم حکمیہ میں کمال پیدا کیا اور ہمیشہ ان ہی علوم کی تعلیم دیتے رہے۔ بڑے بڑے اکابر و روساء ان کے یہاں آتے تھے اور ان کا گھر اہل علوم قدیمہ کا ایک اکاڈمی بن گیا تھا۔ اور شہنشاہ عضد الدولہ فنا خسرو ان کا بڑا اعزاز کرتا تھا اور اس نے مختلف علوم حکمیہ میں ان کے نام چند خطوط یا رسالے لکھے ہیں۔ ایک جسمانی عیب نے ان کی افادی اور تعلیمی شان کو اور بھی زیادہ نمایاں کر دیا تھا۔ وہ کانے تھے اور ان کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے اس لیے وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر صرف اپنے مکان میں رہتے تھے۔ اور ان کے پاس بجز طلبہ و مستفیدین کے کوئی دوسرا نہیں آتا تھا۔

وہ علوم حکمیہ کے ساتھ سلطنت کے سیاسی حالات و واقعات کا بھی ذوق رکھتے تھے اور جو اکابر و اعیان ان کے پاس آتے تھے وہ سلطنت کے حالات ان سے بیان کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے ان میں یہ ذوق پیدا ہوا تھا۔ ان کے دوستوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک ابوحیان توحیدی تھا جو رؤساء کی مجلس میں آتا جاتا رہتا تھا اور سیاسی حالات و واقعات سے واقفیت پیدا کر کے ابوسلیمان کو ان کی اطلاع دیتا تھا۔ ابوحیان توحیدی نے ابوسلیمان ہی کے لیے کتاب الامتاع والموانسۃ تصنیف کی تھی اور اس میں ان کے لیے وہ تمام واقعات نقل کر دیے تھے جو ابوالفضل عبداللہ بن العارض الشیرازی کی مجلس میں جب کہ وہ صمصام الدولہ بن عضد الدولہ کا وزیر مقرر ہوا تھا، بیان کیے جاتے تھے۔ علوم حکمیہ اور فن تاریخ کے علاوہ وہ شعر و ادب کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ اور طبقات الاطباء میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ بڑھاپے کے زمانے میں انہوں نے علم فقہ اور علم تصوف یا علم اخلاق کو بھی حاصل کیا تھا اور حنفی المذہب تھے۔ امراء و سلاطین میں انہوں نے ابوجعفر بن بابویہ کی صحبت اختیار کی تھی اور جب ابن عمید بغداد میں آیا تو ان کے پاس بعض اشخاص کو روانہ کیا کہ وہ آ کر اپنی ضرورتوں کو پیش کریں، لیکن ابوسلیمان نے استغناء سے کام لیا اور اس کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے اور اس کے متعلق ایک یونانی فلسفی کا واقعہ بیان کر دیا۔

ابوسلیمان کی ولادت اور وفات کا سنہ ہمارے تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھا لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ ۳۷۱ھ میں بغداد میں موجود تھے جس میں انہوں نے خود اپنا ایک خواب بیان کیا ہے اس لیے وہ چوتھی صدی کے فلسفی ہیں۔

ابوسلیمان کی تصنیفات میں ایک کتاب صوان الحکمۃ ہے۔ جو حکماء کے حالات میں ہے اور ظہیر الدین بیہقی نے اسی طرز پر تتمہ صوان الحکمۃ لکھی ہے۔ ایک رسالہ اخلاق میں اور ایک رسالہ متحرک الاول السرمدی میں ہے لیکن ان کی کتابیں زیادہ تر معقولات میں ہیں اور ان کے نام یہ ہیں۔

مقالۃ فی مراتب قوی الانسان وکیفیۃ الانذارات التی تنذر بہا النفس فیما یحدث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

في عالم الكون، كلام[۳۰] في المنطق مسائل عدة سئل عنها وجواباته لها، تعاليق[۳۱] حكمية، ملح ونوادر[۳۲]، مقالة[۳۳] في ان الاجرام العلوية طبيعتها مستة وانها ذوات انفس وان النفس التي لها هي النفس الناطقة۔[۱]

---

[۱] ابوسلیمان کے یہ حالات طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۲۱ — ۳۲۲ اخبار الحکما رقفطی صفحہ ۱۸۵۔ ۱۸۶ اور تتمہ صوان الحکمۃ بیہقی صفحہ ۱۰۰ سے ماخوذ ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہرکیا ابوالحسن کوشیار بن لبان بن باشہری جیلی

مرزا محمد عبدالوہاب قزوینی نے حواشی چہار مقالہ میں کنیت سے پہلے "ہرکیا" کا لفظ بھی لکھا ہے اور کشف الظنون میں ان کا نام کوشیار بن کنان الحنبلی[۱] لکھا ہے جو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے وہ اپنے زمانے کے ایک مشہور ریاضی دان تھے۔ چنانچہ بیہقی تتمہ صوان الحکمۃ میں لکھتے ہیں۔

کان مہندسا کل اهابه داخلا	وہ سر سے پاؤں تک ریاضی دان تھے اور
بیوت هذا الفن من	اس فن کے کمروں میں اس کے تمام دروازوں
ابوابه۔	سے داخل ہوئے تھے۔

لیکن افسوس ہے کہ باوجود اس شہرت اور کمال کے ہمارے تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات بالکل نہیں لکھے۔ مرزا محمد عبدالوہاب قزوینی حواشی چہار مقالہ میں لکھتے ہیں۔

ازمشاہیر منجمین وکبار فلکیئن عصر خود محسوب میشود ترجمۂ حالش در کتابے بنظر رسـ...

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ ان کی تصنیفات کی بعض عبارتوں سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ چوتھی صدی کے اخیر کے آدمی ہیں اور ۳۴۲ھ سے لے کر ۳۸۳ھ تک زندہ تھے۔ لیکن حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں زیج کوشیار کے ذکر میں اس کی تاریخ رصد ۳۵۹ھ لکھی ہے[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۵۹ھ تک زندہ تھے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے[2] بعض یورپین مصنفین کے نزدیک وہ ۳۶۰ھ سے لے کر ۴۲۰ھ تک زندہ تھے۔ بہرحال وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے ریاضی دان تھے، اور ان کی تمام تصنیفات اسی فن میں ہیں۔ چنانچہ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) زیج بالغ، زیج بالع	کشف الظنون میں ان دونوں زیجوں کا نام زیج الجامع والسامع لکھا ہے[1]
(۲) زیج جامع	بروکلمن نے لکھا ہے کہ عمر بن ابی طالب المنجم التبریزی نے ۴۸۳ھ میں فارسی میں اس کا ترجمہ کیا اور اس کا ایک نسخہ لیڈن میں محفوظ ہے لیکن حاجی خلیفہ نے زیج جامع کے علاوہ اس کی ایک اور زیج کا نام زیج کوشیار لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ فارسی زبان میں محمد بن عمر بن ابی طالب تبریزی نے کیا۔ غالباً اس زیج سے بھی زیج جامع مراد ہے۔
(۳) مجمل الاصول	علم نحو میں ہے اور اس کا ایک عمدہ نسخہ برٹش میوزیم

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجود ہے۔ کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۸۶
میں اس کا نام مذکور ہے۔ پھر جلد ۲ ص ۱۱ ۴ میں
اس کی ایک اور تصنیف کا نام مدخل فی علم النجوم
بتایا ہے لیکن مرزا محمد عبدالوہاب قزوینی نے حواشی
چہار مقالہ میں لکھا ہے کہ یہ حاجی خلیفہ کی غلطی
ہے، یہ دونوں دو مستقل کتابیں نہیں ہیں بلکہ
ایک ہی ہیں[1]

(۴) معرفۃ الاصطرلاب

ان کے علاوہ فن ریاضی میں ان کی اور بھی کتابیں ہیں۔

---

[1] حواشی چہار مقالہ ص ۲۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام غزالیؒ[1]

ابو حامد کنیت، محمد نام، حجۃ الاسلام اور زین الدین لقب اور غزالی عرف ہے، سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن محمد بن محمد بن احمد، اضلاع خراسان میں طوس ایک مشہور ضلع ہے جس میں طابران اور نوقان دو مشہور شہر ہیں امام صاحب ۴۵۰ھ میں طابران میں پیدا ہوئے، امام صاحب کا خاندان کوئی ذی وجاہت خاندان نہ تھا، ان کے والد ایک نادار صوفی منش آدمی تھے اور صرف اپنے ہاتھ کی کمائی پر گذر اوقات کرتے تھے، اس غرض سے رشتہ بافی اور رشتہ فروشی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا اور اپنے ہاتھ سے سوت کاتتے تھے اور اس کو فروخت کر کے وجہ معاش پیدا کرتے تھے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ان کا آبائی پیشہ تھا یا بطور خود انہوں نے اختیار کر لیا تھا، لیکن بہر حال یہ ان کا پیشہ تھا چونکہ عربی زبان میں غزل کے معنی کاتنے کے ہیں اس لیے امام صاحب اپنے باپ کے پیشے کی بناء پر غزالی کے عرف سے مشہور ہو گئے، اگرچہ عربی زبان میں نسبت کا جو قاعدہ ہے اس کی رو سے صرف غزالی کہنا

---

[1] علامہ شبلی مرحوم نے "الغزالی" کے نام سے امام غزالیؒ پر ایک کتاب لکھی ہے اور دور جدید میں محمد لطفی جمعہ نے تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں اور ڈاکٹر زکی مبارک نے "الاخلاق عند الغزالی" میں ان کے حالات لکھے ہیں، امام صاحب کے حالات میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان ہی کی تلخیص ہے لیکن اسی کے ساتھ ہم نے بذات خود بھی تمام ماخذوں کا مطالعہ کر لیا ہے اور چند مزید باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیئے تھا، لیکن خوارزم اور جرجان میں نسبت کا یہی قاعدہ ہے، چنانچہ عطار کو عطاری اور قصار کو قصاری کہتے ہیں، لیکن علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ غزالہ طوس کے ایک گانوں کا نام ہے اور امام صاحب اسی کی طرف منسوب ہیں اس لیے غزالی تبشدید زا نہیں، بلکہ بہ تخفیف زا ہے، ابن خلکان نے امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کے حال میں علامہ سمعانی کے اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ مشہور روایت کے خلاف ہے" لیکن دور جدید میں جن لوگوں نے امام صاحب کے حالات لکھے ہیں، وہ علامہ سمعانی کے قول کی طرف مائل ہیں[1]

بعض اور مورخین نے بھی علامہ سمعانی کی تائید کی ہے، چنانچہ فیومی نے مصباح میں شیخ محی الدین سے جو کہ ساتویں پشت میں امام غزالی کے نواسے تھے یہ روایت کی ہے کہ "ہمارے نانا کا نام تبشدید زا نہیں بلکہ بہ تخفیف زا ہے، لیکن علامہ شبلی مرحوم نے الغزالی میں لکھا ہے کہ پہلی ہی روایت معتبر ہے اور اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ طوس کے ضلع میں غزالہ کوئی گاؤں نہیں ہے لیکن دور جدید کے تذکرہ نویسوں نے اس استبعاد کو رفع کر دیا ہے کہ یاقوت کے بیان کے مطابق طوس میں ہزاروں گانوں آباد تھے، اس لیے ممکن ہے کہ کسی گانوں کا نام غزالہ ہو، سبکی نے طبقات الشافعیہ میں ایک اور بزرگ کا نام ابوحامد غزالی کبیر لکھا ہے، جن سے ابوعلی فارمذی نے جو طوس کے ایک گانوں فارمد کے رہنے والے تھے، تعلیم حاصل کی تھی[2] لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ان کے باپ یا خاندان کا پیشہ بھی رشتہ بانی یا رشتہ فروشی تھا، بلکہ ممکن ہے کہ امام صاحب کی طرح وہ بھی اسی گانوں غزالہ کے رہنے والے ہوں[3]

بہرحال امام صاحب کے باپ رشتہ بافی اور رشتہ فروشی کا پیشہ کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں وہ کوئی ذی وجاہت شخص نہ تھے، بلکہ فقیرانہ اور صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، فقہا کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے تھے، اور وعظ و پند کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، اور ان صحبتوں کا یہ اثر تھا کہ جب فقہا کی باتیں سنتے تھے تو نہایت گریہ و زاری کے ساتھ دعا کرتے تھے کہ خدا ان کو ایک ایسا بیٹا دے جو

---

[1] تاریخ فلاسفۃ الاسلام ص ۳۰، [2] طبقات الشافعیہ جلد ۴ ص ۹۱، [3] الاخلاق عند الغزالی ص ۲۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفقیہ ہو اور جب وعظ و پند کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے تو اسی طرح یہ دعا کرتے تھے کہ خدا ان کو ایک ایسا بیٹا دے جو واعظ ہو، خداوند تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں دعائیں قبول کیں چنانچہ ان کے دونوں لڑکوں میں امام غزالی بہت بڑے فقیہ اور ان کے چھوٹے بھائی احمد بہت بڑے واعظ ہوئے[1] لیکن یہ دعا ان کی وفات کے بعد قبول ہوئی اور وہ خود اپنی زندگی میں اپنے دونوں بچوں کو تعلیم نہ دلا سکے، اس لیے جب مرنے لگے تو امام صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کو یہ کہہ کر اپنے ایک صوفی دوست کے سپرد کیا کہ "مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ میں لکھنے پڑھنے سے محروم رہ گیا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم ان دونوں لڑکوں کو تعلیم دو تاکہ میری جہالت کا کفارہ ہو جائے چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو اس صوفی دوست نے ان دونوں کو تعلیم دینی شروع کی، لیکن چند روز کے بعد تعلیم کا کوئی سامان نہ رہا، امام صاحب کے والد جو رقم مصارف تعلیم کے لیے چھوڑ گئے تھے وہ ختم ہو چکی، اس لیے صوفی بزرگ نے کہا کہ "تمہارے والد نے جو سرمایہ چھوڑا تھا وہ ختم ہو چکا اور میں ایک فقیر آدمی ہوں، میرے پاس کچھ مال و متاع نہیں کہ تمہاری مدد کر سکوں اس لیے تم دونوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ کسی مدرسہ میں داخل ہو جاؤ اور چونکہ تم دونوں طالب العلم ہو اس لیے یہ تمہارے گذر اوقات کا ذریعہ بھی ہو جائے گا، امام صاحب کا خود بیان ہے کہ ہم دونوں مدرسہ میں اس لیے داخل ہوئے کہ وجہ معاش کا سامان ہو جائے[2] اسی خیال کو وہ صوفیانہ لہجے میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ "ہم نے علم کو خدا کے لیے تو حاصل نہیں کیا، لیکن وہ خدا ہی کا ہو کر رہا"[3]

امام صاحب نے طوس کے اس مدرسہ میں داخل ہو کر فقہ کی ابتدائی کتابیں احمد بن محمد الراذکانی سے پڑھیں، اس کے بعد جرجان کا قصد کیا اور امام ابونصر اسماعیل سے تحصیل شروع کی، اس زمانے میں درس کا یہ قاعدہ تھا کہ استاد مطالب علمیہ پر جو تقریر کرتا تھا، شاگرد اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے اور ان یادداشتوں کو تعلیقات کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا چند روز کے بعد وطن واپس آنے لگے تو

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۴ ص ۱۰۲ [2] شذرات الذہب جلد ۴ ص ۱۱ [3] طبقات الشافعیہ جلد ۴ ص ۱۰۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوء اتفاق سے راہ میں ڈاکہ پڑا اور امام صاحب کے پاس جو کچھ سامان تھا سب لٹ گیا اسی میں وہ تعلیقات بھی تھیں جو امام ابونصر اسماعیل نے لکھوائی تھیں امام صاحب کو اس کے لٹنے کا نہایت صدمہ ہوا، چنانچہ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے اسباب اور سامان میں سے صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں کیونکہ میں نے ان ہی کے سننے اور لکھنے کے لیے وطن چھوڑا تھا اور وہ تمہارے لیے بالکل بیکار ہے"۔ وہ ہنس پڑا اور کہا کہ "تم نے خاک سیکھا جبکہ تمہاری یہ حالت ہے کہ جب ہم نے تم سے اس کو چھین لیا تو تم بالکل کورے رہ گئے"۔ یہ کہہ کر اس نے وہ کاغذات واپس دلوا دیئے امام صاحب پر اس طنز آمیز فقرے نے ہاتف غیبی کی آواز کا اثر کیا، چنانچہ وطن پہنچ کر وہ یادداشتیں زبانی یاد کرنی شروع کیں، یہاں تک کہ پورے تین برس میں ان کو ازبر یاد کر لیا۔

اس کے بعد تکمیل علوم کے لیے وطن سے نکلنا چاہا، اس زمانے میں اگرچہ تمام ممالک اسلامیہ میں علوم و فنون کے دریا بہہ رہے تھے لیکن ان سب میں دو شہر علم و فن کے خاص مرکز تھے، نیشاپور اور بغداد کیونکہ خراسان، فارس اور عراق کے تمام ممالک میں دو بزرگ استاذ الکل تسلیم کئے جاتے تھے ایک امام الحرمین اور دوسرے علامہ ابواسحاق شیرازی، ان میں سے امام الحرمین نیشاپور میں درس دیتے تھے اور مدرسہ نظامیہ نیشاپور کے مدرس اعظم تھے جس کو نظام الملک نے خاص ان کے لیے تعمیر کیا تھا امام صاحب نے طوس کے چند نوجوانوں کے ساتھ نیشاپور کا سفر کیا اور امام الحرمین کے حلقہ درس میں شریک ہو کر نہایت جدوجہد سے علم کی تحصیل شروع کی اور علم خلاف، علم جدل، اصول فقہ، علم کلام منطق اور فلسفہ و حکمت کی کتابیں پڑھیں یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں اقران و اماثل سے ممتاز ہو گئے خود امام الحرمین کہا کرتے تھے کہ "میرے شاگردوں میں غزالی دریائے ذخار ہے اور کیا شیر درندہ اور خوانی آتش سوزان" بلکہ تذکرہ نویسوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ امام الحرمین بظاہر تو امام غزالی پر فخر و ناز کرتے تھے لیکن ان کی ذہانت و طباعی پر ان کو بھی رشک تھا[۱]

---

[۱] طبقات الشافعیہ جلد ۴ ص ۱۰۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس زمانے کے نامور علما کے ہاں معمول تھا کہ جب وہ درس دے چکتے تو شاگردوں میں جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ باقی طالبعلموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتلائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کرتا تھا یہ منصب جس کو حاصل ہوتا تھا اس کو معید کہتے تھے امام غزالی کو بھی یہ منصب حاصل ہوا اور وہ معید کہلائے۔

غرض امام صاحب طالب العلمی ہی کے زمانے میں درس دینے بلکہ تصنیف و تالیف بھی کرنے لگے تھے، شذرات الذہب میں ہے۔

وجلس للاقراء فی حیاۃ امامہ وصنف [1]	وہ اپنے امام یعنی امام الحرمین کی زندگی ہی میں مسند درس پر بیٹھ گئے اور تصنیف و تالیف کرنے لگے۔

تبئین کذب المفتری میں ہے۔

وکان الطلبۃ یستفیدون منہ ویدرسہم ویرشدہم ویجتہد فی نفسہ وبلغ الامر بہ الی ان اخذ فی التصنیف [2]	طلبہ ان سے فائدہ اٹھاتے تھے وہ ان کو درس دیتے تھے، ان کی رہنمائی کرتے تھے اور خود بھی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ تصنیف و تالیف کرنا شروع کر دیا۔

لیکن باایں ہمہ فضل و کمال جب تک امام الحرمین زندہ رہے امام صاحب ان کی صحبت سے الگ نہیں ہوئے، مگر جب ۴۷۸ھ میں امام الحرمین کا انتقال ہو گیا تو امام صاحب نے نظام الملک کے دربار کا رخ کیا جو امام صاحب کا ہم وطن اور ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا اور خود بھی صاحب علم و فضل اور اہل کمال کا بڑا قدردان تھا اس نے اپنے دور حکومت میں تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کو اس قدر ترقی دی تھی کہ کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں اس کا تعمیر کردہ مدرسہ موجود نہ ہو، ان مدارس کا سالانہ خرچ

---

[1] شذرات الذہب جلد ۴ ص ۱۱ [2] تبئین کذب المفتری ص ۲۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶ لاکھ اشرفیاں تھیں چونکہ سلطنت سلجوقیہ کی اشرفیاں کم سے کم پچیس روپیہ کے برابر ہوتی تھیں اس لیے ایک کروڑ پچاس لاکھ سالانہ کی رقم شاہی خزانے سے تعلیمات کے لیے مقرر تھی، اس کے علاوہ اس نے اپنی کل جاگیرات کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقف کر دیا تھا، اس بنا پر اس کا دربار علماء وفضلاء کا ملجا وماویٰ بن گیا تھا اور امام صاحب کو اس کے دربار سے کہیں زیادہ اور قدردانی کی توقع نہ تھی، خوش قسمتی سے امام صاحب کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی اس لیے نظام الملک نے نہایت تعظیم وتکریم سے ان کا استقبال کیا اس وقت فضل وکمال کے اظہار کا بڑا طریقہ علمی مناظرات تھے رؤسا وامرا کے دربار میں علماء وفضلا کا مجمع ہوتا تھا اور مسائل علمی پر مناظرانہ گفتگوئیں ہوتی تھیں جو شخص زور تقریر سے حریفوں کو بند کر دیتا تھا وہی سب سے ممتاز سمجھا جاتا تھا امام صاحب نے ان سب سے متعدد مناظرات کیے اور ہر معرکے میں غالب رہے، اب امام صاحب کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگ گئے اور تمام ملک میں ان کا غلغلہ بلند ہو گیا [1]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظام الملک نے ان کو نظامیہ بغداد کے مسند درس کے لیے انتخاب کیا اور امام صاحب جمادی الاولیٰ ۴۸۴ھ میں بڑی عظمت وشان اور جاہ وحشم کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے اور نظامیہ کے مسند درس کی زینت دی، اس وقت ان کی عمر صرف ۳۴ سال کی تھی اور اس عمر میں نظامیہ کی افسری حاصل کرنا ایک ایسا فخر تھا جو امام صاحب کے سوا کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا اہل بغداد امام صاحب کو نہایت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے حلقہ درس میں تین سو طالب العلم شریک ہوتے تھے [2]، غرض پہلے وہ صرف خراسان کے امام تھے اور اب بغداد میں پہنچ کر اہل عراق کے بھی امام ہو گئے اور وہاں یہ درجہ حاصل کیا کہ ان کے جاہ وحشم نے امرا واکابر کے جاہ وحشم کو بھی دبا لیا [3]

امام صاحب نے ساڑھے چار برس تک نظامیہ بغداد میں درس وتدریس کی خدمت انجام

---

[1] تبئین کذب المفتری ص ۲۹۲ و ابن خلکان تذکرہ امام غزالی [2] منقذ من الضلال ص ۸ [3] اتحاف جلد ۴ ص ۱۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی، لیکن اس کے بعد ان کی حالت میں دفعتہً انقلاب پیدا ہوا اور اس جاہ وحشم کو چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں دس برس تک عزلت نشینی اور مقامات متبرکہ کی زیارت میں معروف رہے یہ حیرت انگیز انقلاب تھا، اس لیے خود امام صاحب سے ایک شخص نے اس کے متعلق استفسار کیا۔ ہے اور امام صاحب نے ایک مستقل رسالے میں جس کا نام منقذ من الضلال ہے اس کا جواب دیا ہے اور اس انقلاب کا سبب بتایا ہے اور اس سفر کے جو حالات و واقعات لکھے ہیں ان کا خلاصہ ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

میں عنفوان شباب ہی سے جب میرا سن ۲۰ سال کا بھی نہ تھا اور آج تک جب میرا سن پچاس سے متجاوز ہوگیا ہے نظرۃً تحقیق حق اور امتیاز حق و باطل کی طرف مائل تھا اس لیے میں ایک ایک باطنی ظاہری، فلسفی، متکلم صوفی، عابد اور زندیق سے ملتا تھا، اور اس کے خیالات دریافت کرتا تھا، حقیقی طلبی کا یہ ذوق کوئی اختیاری چیز نہ تھا، بلکہ ابتدا ہی سے میری فطرت میں داخل تھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ تقلید کے بندھن ٹوٹ گئے اور جو عقائد بچپن سے سنتے سنتے ذہن میں جم گئے تھے، ان کی وقعت جاتی رہی، کیونکہ جب میں نے عیسائیوں کے بچوں کو دیکھا۔ وہ عیسائی، یہودیوں کے یہودی اور مسلمانوں کے مسلمان ہوتے ہیں، اور یہ حدیث سنی کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے باپ اس کو یہودی عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں" تو میرے دل میں اصلی فطرتی اور عارضی عقائد کی حقیقت کی جو باپ ماں اور اساتذہ کی تقلید سے پیدا ہوتے ہیں، جستجو کا شوق پیدا ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ میرا مقصد حقائق کا علم ہے اس لیے پہلے یہ جستجو کرنی چاہیئے کہ خود علم کی حقیقت کیا ہے، اب مجھ کو معلوم ہوا کہ یقینی علم وہ ہے جس کے ذریعہ سے معلوم اس قدر واضح ہوجائے کہ اس میں کسی قسم کے شبہ، وہم اور غلطی کی گنجائش باقی نہ رہے، مثلاً مجھ کو اس کا یقین ہوجائے کہ دس کا عدد تین کے عدد سے زائد ہے تو اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ نہیں بلکہ تین کا عدد اس سے زائد ہے اور اس پر یہ دلیل پیش کرے کہ میں عصا کو سانپ بنا سکتا ہوں اور وہ بنا کر مجھ کو دکھا بھی دے تو اس سے میرے دل میں تعجب تو ضرور پیدا ہوگا لیکن اس یقین میں کوئی فرق نہ آئے گا کہ دس کا عدد تین کے عدد سے زائد ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب میں نے غور کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اس قسم کا یقینی علم مجھ کو صرف محسوسات اور بدیہیات کا حاصل ہے، لیکن جب کد و کاوش زیادہ بڑھی تو محسوسات میں بھی شک ہونے لگا، مثلاً سایہ بظاہر ساکن اور غیر متحرک نظر آتا ہے لیکن تجربہ و مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ وہ ساکن نہیں بلکہ آہستہ آہستہ حرکت کر رہا ہے، محسوسات پر یقین نہ رہا تو بدیہیات پر بھی اعتماد نہ رہا، مثلاً یہ بدیہی ہے کہ دس کا عدد تین کے عدد سے زائد ہے لیکن جب محسوسات کے متعلق عقل نے فیصلہ کر دیا کہ وہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو ممکن ہے کہ عقل کے اوپر بھی ایک ایسا درجہ ہو جو فیصلہ کر دے کہ بدیہیات بھی قابل یقین نہیں، مثلاً خواب میں انسان جن چیزوں کو دیکھتا ہے ان کو یقینی سمجھتا ہے، لیکن جب بیدار ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی اصلیت نہیں تھی بعینہٖ اسی طرح وہ بیداری کی حالت میں جن محسوسات و معقولات کو یقینی سمجھتا ہے ممکن ہے کہ اس کے بعد اس پر ایسی حالت طاری ہو جائے جس سے اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کی بیداری بھی ایک خواب تھی جس میں اس نے جن چیزوں پر یقین کیا تھا وہ قابل اعتماد نہ تھیں، غالباً اسی حالت کا نام موت ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لوگ نیند میں ہیں جب مر جائیں گے تو بیدار ہوں گے"، تقریباً دو مہینے تک یہی حالت رہی پھر خدا کے فضل سے یہ حالت تو جاتی رہی لیکن مختلف مذاہب کے متعلق جو شکوک تھے باقی رہے اس وقت صرف چار فرقے موجود تھے، متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ، صوفیہ اور میں نے ان میں بہ ترتیب ایک ایک فرقے کے عقائد و خیالات کی تحقیق شروع کی، ابتداء علم کلام سے کی اور محققین متکلمین کی کتابوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا، لیکن وہ میری تشفی کے لیے کافی نہیں تھیں، کیونکہ علم کلام میں جن مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے ان کی بنیاد یا تقلید پر ہوتی ہے یا اجماع پر قرآن و حدیث کے نصوص پر اور یہ چیزیں اس شخص کے مقابلے میں بطور حجت نہیں پیش کی جا سکتیں جو بدیہیات کے سوا اور کسی چیز کا قائل نہ ہو، علم کلام کے بعد میں نے فلسفہ کی کتابوں کا تقریباً دو برس تک مطالعہ کیا پھر ایک سال تک اس پر مزید غور و فکر کرتا رہا اور اس غور و فکر سے مجھ کو معلوم ہوا کہ فلسفیانہ علوم میں ریاضی اور منطق کو تو مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور ان کے دلائل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح ہیں۔ طبیعات بھی عام طور پر مذہبی حیثیت سے قابل انکار نہیں، صرف الہیات کو مذہب سے تعلق ہے لیکن یہ علم یقینی نہیں اور فلسفیوں سے اسی علم میں بکثرت غلطیاں کی ہیں، فلسفہ کی تحصیل و تردید کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ بھی میرے مقصد کے لیے کافی نہیں اور صرف عقل سے تمام مشکلات حل نہیں کئے جا سکتے لیکن فرقہ باطنیہ کا دعویٰ تھا کہ حقائق کا علم صرف امام معصوم کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے مجھے اس فرقے کے عقائد و خیالات معلوم کرنے کے لیے ان کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت پیش آئی اتفاق سے اسی حالت میں بارگاہ خلافت سے تاکیدی حکم آیا کہ اس مذہب کی حقیقت پر ایک کتاب تصنیف کروں، اس سے اور مزید تحریک ہوئی اور میں نے ان کتابوں کی جستجو کی، ان میں بعض لوگوں نے اپنے قدماء کے خلاف جو نئی باتیں پیدا کی تھیں ان کو بھی خاص ترتیب کے ساتھ جمع کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس بھی میرے درد کا علاج نہیں، ایک تو وہ اس امام معصوم کی تعیین پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے، لیکن اگر ہم ان کو تسلیم بھی کر لیں کہ تعلیم اور معلم معصوم کی ضرورت ہے اور یہ معلم وہی ہے، جس کو انہوں نے متعین کر لیا ہے، تو سوال یہ ہے کہ انہوں نے اس امام معصوم سے کون سا علم سیکھا؟ اس سلسلہ میں ہم نے ان پر چند اعتراضات کئے، وہ ان کا جواب تو کیا دے سکتے، انہیں سمجھا بھی نہیں اور جب وہ ان کے جواب سے عاجز رہے تو امام غائب کا سہارا لیا کہ اس کے پاس سفر کر کے جانا چاہیئے تعجب ہے کہ انہوں نے معلم کی تلاش میں عمر ضائع کر دی اور اس میں کامیاب بھی ہو گئے، لیکن اس سے کچھ سیکھ نہ سکے، بعض باطنیوں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ فیثاغورث کا رکیک فلسفہ ہے جس کی تردید ارسطو نے کر دی تھی اور رسائل اخوان الصفا میں یہی فلسفہ مذکور ہے غرض ہم نے اس فرقے کے ظاہر و باطن کا تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ عوام اور ضعیف العقل لوگوں کے سامنے ایک معلم کی ضرورت کا اظہار کرتا ہے، اور جب کوئی شخص اس کو مان کر کہتا ہے کہ ہم کو اس کی تعلیم بتاؤ تو کہتا ہے کہ جب تم نے امام کی ضرورت کو تسلیم کر لیا تو خود اس کو تلاش کر لو غرض ہم نے اس فرقہ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان سب سے فارغ ہو کر آخیر میں تصوف کی طرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توجہ کی تو معلوم ہوا کہ تصوف کی تکمیل علم و عمل دونوں سے ہوتی ہے لیکن چونکہ علم عمل سے زیادہ آسان تھا، اس لئے میں نے سب سے ابوطالب مکی کی قوت القلوب اور حارث محاسبی کی کتابیں پڑھیں اور جنید، شبلی اور بایزید بسطامی وغیرہ کے ملفوظات کا مطالعہ کیا مگر مجھے معلوم ہوا کہ یہ دراصل عملی فن ہے، اس لیے صرف علم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا اور عمل کے لیے ضروری تھا کہ جاہ و مال سب چھوڑ کر زہد و ریاضت اختیار کی جائے اور تمام دنیوی تعلقات چھوڑ دیے جائیں، پھر اپنی حالت پر نظر ڈالی تو اپنے آپ کو ہر طرف سے تعلقات میں گھرا ہوا پایا، اپنے اشغال کو جن میں سب سے اہم مشغلہ درس و تدریس کا تھا دیکھا تو نظر آیا کہ یہ علوم آخرت میں بالکل غیر مفید ہیں اور اس میں خلوص کا شائبہ نہیں اور اس کا محرک جاہ طلبی اور شہرت و ناموری کے سوا کچھ نہیں، ان باتوں پر ایک مدت تک غور و فکر کرنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ بغداد سے نکل کھڑا ہوں اور تمام تعلقات کو چھوڑ دوں۔ رجب ۴۸۸ھ میں یہ خیال پیدا ہوا، لیکن چھ مہینے لیت و لعل میں گزر گئے، نفس کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا کہ اتنی بڑی عظمت و جاہ سے دست بردار ہو جائے نوبت یہاں تک پہنچی کہ زبان بند ہو گئی، درس دینا موقوف ہو گیا، رفتہ رفتہ ہضم کی قوت جاتی رہی کھانا پینا چھوٹ گیا اور ضعف بڑھ گیا آخر طبیبوں نے علاج سے ہاتھ اٹھا لیا کہ اس حالت میں علاج کچھ سود مند نہیں ہو سکتا، بالآخر میں نے جاہ و مال، اہل و عیال اور دوست و احباب سب کو چھوڑ کر سفر کا قطعی ارادہ کر لیا، ارادہ تو شام کے سفر کا تھا لیکن میں نے ظاہر کیا کہ میں مکہ کا قصد رکھتا ہوں تاکہ خلیفہ اور تلامذہ کے دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ میں شام میں اقامت اختیار کرنا چاہتا ہوں اور آئمہ عراق یہ اعتراض نہ کریں کہ اس کا کوئی دینی سبب نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک میرا منصب سب سے بڑا دینی منصب تھا، اور لوگوں نے بھی مختلف بدگمانیاں کیں اور عراق سے باہر رہنے والوں نے یہ خیال کیا کہ اس کا سبب حکام کا خوف ہے لیکن جو لوگ حکام سے تعلق رکھتے تھے ان کو نظر آتا تھا کہ وہ کس اصرار کے ساتھ مجھ کو روکتے تھے اور اس کو اسلام کی بدقسمتی سمجھتے تھے۔ بہرحال میں بطائف الحیل بغداد سے نکلا، میرے پاس جو کچھ مال تھا، اس کو خیرات کر دیا صرف وجہ کفاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اہل و عیال کی معاش کے لیے تھوڑا سا رکھ لیا، شام پہنچ کر تقریباً دو سال تک قیام کیا اور اس مدت میں مجاہدہ و ریاضت اور عزلت و خلوت کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، مسجد دمشق کے منارہ پر چڑھ کر اس کا دروازہ بند کر لیتا تھا اور اس میں اعتکاف کیا کرتا تھا اس کے بعد بیت المقدس گیا اور یہاں بھی صخرہ کے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتا، اس کے بعد فریضہ حج ادا کرنے کا شوق پیدا ہوا تاکہ حضرت خلیل اللہ کی زیارت سے فارغ ہو کر مکہ، مدینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی برکتوں سے بہرہ اندوز ہو سکوں اس لیے حجاز کا سفر کیا، اس کے بعد بچوں کی دعاؤں نے وطن کی طرف کھینچا، اگرچہ میں وطن کو واپس آنا نہیں چاہتا تھا تاہم ان دعاؤں کی کشش سے واپس آیا اور وہاں بھی وہی عزلت نشینی اور مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہا لیکن زمانے کی ضرورتیں اور معاش کی تلاش میرے صفائے وقت کو مکدر کرتی رہتی تھیں، اور دلجمعی اور اطمینان کا وقت جستہ جستہ ہاتھ آتا تھا تاہم ان موانع کے باوجود بھی یہ مشغلہ کلیتہً ترک نہیں ہوا اور دس سال تک یہ حالت قائم رہی اور اس حالت میں مجھ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صرف صوفیہ ہی خدا کے راستے پر چلنے والے ہیں، ان کے اخلاق سب سے بہتر ہیں ان ہی کا راستہ صحیح ہے اور ظاہر و باطن میں ان کے تمام حرکات و سکنات چراغ نبوت کا پرتو ہیں جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی روشنی نہیں، اس لیے جو شخص ذوق سے اس کو حاصل نہیں کر سکتا، وہ صرف نبوت کے نام سے واقف اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہے۔

اس حالت میں تقریباً دس برس گزر گئے اور مجھ کو اسباب معلوم ہو گئے جنہوں نے فلاسفہ باطنیہ اور صوفیہ کے عقائد و اعمال کو خراب کر دیا تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ میں نہایت آسانی کے ساتھ ان شبہات کا ازالہ کر سکتا ہوں، اس لیے اس حالت میں عزلت گزینی اور خلوت نشینی سے کوئی فائدہ نہیں، پھر خیال آیا کہ اگر میں اس دور ضلالت میں ان گمراہیوں کو دور کرنے کے لیے گوشۂ خلوت سے نکل کر تمام لوگوں کو دعوت حق دوں تو تمام میرے دشمن ہو جائیں گے اس قسم کی دعوت کی کامیابی کے لیے موافق زمانہ اور ایک متدین با اقتدار بادشاہ کی ضرورت ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ میں دلائل کے ذریعہ سے اظہار حق پر قادر نہ تھا، اس لیے میں نے اسی گوشہ نشینی کی حالت میں رہنا پسند کیا لیکن تقدیر الٰہی نے خود بادشاہ وقت کے دل میں اس کی خواہش پیدا کر دی، اس نے مجھ کو نیشاپور آنے کا حکم دیا تاکہ میں اس دورہ کی تجدید کروں اور یہ حکم اس قدر تاکیدی تھا کہ اگر میں اس کی تعمیل نہ کرتا تو ناراضی کی نوبت پہنچ جاتی اور یہ بھی دل میں خیال آیا کہ کاہلی، آرام طلبی عزت نفس اور مخلوق کی ایذارسانی سے بچنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا مناسب نہیں اور میں نے چند صوفی احباب سے اس معاملے میں مشورہ کیا، ان سب نے گوشۂ خلوت سے نکلنے کا مشورہ دیا اور بہت سے بزرگوں نے خواب میں بھی دیکھا کہ اس صدی کے آغاز میں ایسا کرنا موجب رشد و ہدایت ہوگا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ہر صدی کے آغاز میں دین کے زندہ کرنے کا وعدہ کیا ہے ان اسباب کی بناء پر میں ذیقعد ۴۹۹ھ میں نیشاپور روانہ ہوا تاکہ اس فرض کو انجام دوں میں ذیقعد ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکلا تھا اور اب گوشہ نشینی کی مدت ۱۱ برس تک پہنچ گئی تھی اور اس مدت میں گوشۂ خلوت سے نکلنے کا خیال بھی میرے دل میں نہیں پیدا ہوا تھا، جیسا کہ بغداد سے نکلنے کا خیال میرے دل میں پیدا نہیں ہوا تھا، اگرچہ میں نے دوبارہ اشاعت علم کی طرف توجہ کی تاہم میری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ آدمی کی جو حالت پہلے تھی اسی کی طرف وہ رجوع کرتا ہے، بغداد میں جو زمانہ گذرا تھا اس میں میں اپنے قول و عمل سے علم کی اشاعت حصول جاہ کے لیے کرتا تھا، لیکن اب جس علم کی دعوت دیتا ہوں اس کا مقصد یہ ہے کہ جاہ جلال کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی قدر و منزلت نگاہوں سے گر جائے۔"

یہ خود امام صاحب کا بیان ہے، اور اس سے زیادہ مستند اور مفصل کوئی دوسرا بیان نہیں ہو سکتا لیکن دوسرے تذکرہ نویسوں نے امام صاحب کے سفر کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان سے کچھ مزید باتیں معلوم ہوتی ہیں، اس لیے ہم ان کو کسی قدر تنقید کے ساتھ اس موقع پر درج کرتے ہیں، لیکن ان تفصیلات سے پہلے یہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ امام صاحب جس ماحول میں پیدا ہوئے وہ بالکل صوفیانہ تھا، ان کے باپ خود صوفی تھے اور اپنے انتقال کے وقت اپنے دونوں بیٹوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس دوست کے سپرد کیا تھا وہ بھی صوفی تھا اس لیے تصوف کی طرف امام صاحب کا جو میلان وہ بالکل فطری تھا اور اسی فطری میلان کی بنا پر انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں شیخ ابو علی فارمدی (المتوفی ۴۷۷ھ الفضل بن محمد بن علی) کی صحبت میں تصوف کے ابتدائی مرحلے طے کر لیے تھے امام صاحب کا خود بیان ہے کہ علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کے بعد ان کا دل علوم عربیہ سے پھر گیا اور علم معاملہ کی طرف متوجہ ہوا اور ابو علی فارمدی کی صحبت میں عبادات، نوافل اور ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے لیکن باوجود اس کے اصل مقصد حاصل نہ ہوا، اس کے بعد پھر انہوں نے علوم و فنون کی طرف توجہ کی اور ان علوم کی دقیق کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان علوم کے علما سے مل کر ان میں کمال پیدا کیا۔[1] بغداد میں اس کا زیادہ موقع ملا اور وہاں تمام فرقوں سے مل کر ان کے عقائد و خیالات دریافت کیے۔ تو تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا فلاسفہ، متکلمین اور باطنیہ کے عقائد و خیالات تو ان کی کتابوں سے معلوم ہو گئے لیکن تصوف چونکہ عملی فن تھا، اس لیے محض کتابوں سے کام نہیں چل سکتا تھا، اس بنا پر انہوں نے تمام دنیوی تعلقات کو چھوڑ کر بغداد سے نکلنے کا ارادہ کیا، لیکن ان تعلقات کا چھوڑنا آسان نہ تھا، اس لیے تقریباً ۶ مہینے تک جس کی ابتدا رجب ۴۸۸ھ سے ہوئی یہ کشمکش جاری رہی اور اس ابتدائی مہینے میں معاملہ حد اختیار سے باہر نکل گیا، یہاں تک کہ وہ حج کے بہانے سے شام کے سفر کے لیے روانہ ہو گئے، سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ وہ بغداد سے حج کے لیے ذالحجہ ۴۸۸ھ میں روانہ ہوئے اور تبیین کذب المفتری میں ہے کہ انہوں نے حج کیا پھر شام کو روانہ ہوئے اور ابن خلکان نے بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے حج سے فارغ ہونے کے بعد شام کا رخ کیا لیکن ابن خلکان اور خود امام صاحب کے بیان کے مطابق وہ بغداد سے ذوقعدہ ۴۸۸ھ میں روانہ ہوئے اس لیے سبکی کا یہ بیان صحیح نہیں کہ وہ بغداد سے ذالحجہ ۴۸۸ھ میں نکلے اس پر بھی یہ مشکل باقی رہ جاتی ہے امام صاحب کے بیان کے مطابق وہ ۶ مہینے تک کشمکش میں مبتلا

۱۔ تبیین کذب المفتری ص ۲۹۴، ۲۹۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے، لیکن اگر وہ ذوقعدہ میں بغداد سے نکلے تو یہ مدت پانچ مہینے سے بھی کم رہ جاتی ہے اس لیے سبکی کا بیان زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے تاہم امام صاحب نے جو مدت بیان کی ہے وہ غالباً تخمینی ہے، اس لیے امام صاحب ہی کا بیان صحیح ہے۔

امام صاحب کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حج کا بہانہ تو ضرور کیا تھا لیکن وہ بغداد سے نکل کر براہ راست شام کو گئے اور وہاں ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہے لیکن ابن خلکان کے بیان کے مطابق مجاہدہ وریاضت کے علاوہ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا چنانچہ دمشق کی جامع اموی کے غربی جانب جو زاویہ تھا اس میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے[۱] دمشق سے نکل کر وہ بیت المقدس کو گئے اور وہاں مقام خلیل کی زیارت کے بعد فریضۂ حج کے ادا کرنے کا خیال ہوا اور بیت المقدس سے نکل کر حجاز کا قصد کیا اس لیے تذکرہ نویسوں کا یہ بیان صحیح نہیں کہ امام صاحب نے بغداد سے نکل کر پہلے حج کیا پھر شام گئے، سبکی نے لکھا ہے کہ امام صاحب بیت المقدس سے دوبارہ دمشق میں واپس آکر ریاضت ومجاہدہ مشغول ہوئے لیکن یہاں چند ایسے واقعات پیش آئے جن سے امام صاحب کے دل میں عجب وغرور کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ایک دن وہ جامع اموی کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور مفتیوں کی ایک جماعت صحن میں ٹہل رہی تھی کہ ایک دیہاتی استفتاء لے کر آیا یہ لوگ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے، امام صاحب نے یہ حالت دیکھی تو اس کی ناکامیابی ان کو گوارہ نہ ہوئی اور اس کے فتوے کا جواب دیا، دیہاتی نے ان کی ہنسی اڑائی اور کہنے لگا کہ جب ان مفتیوں نے میرے استفتے کا کوئی جواب نہیں دیا تو یہ فقیر کیا جواب دے سکتا ہے؛ تمام مفتی اس کو دیکھ رہے تھے اس لیے جب وہ امام صاحب کی گفتگو سے فارغ ہوا تو اس کو بلا کر اس سے پوچھا کہ "اس عامی آدمی نے تم سے کیا باتیں کیں"۔ اس نے یہ باتیں بیان کیں تو سب نے امام صاحب کو پہچانا اور یہ درخواست کی کہ وہ ان کے لیے ایک مجلس منعقد کریں، امام صاحب نے دوسرے دن مجلس کے منعقد کرنے کا

---

[۱] ابن خلکان تذکرہ امام غزالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعدہ تو کرلیا لیکن رات ہی کو وہاں سے روانہ ہو گئے۔ یک روایت یہ بھی ہے کہ امام صاحب اتفاق سے ایک دن مدرسہ امینیہ میں تشریف لے گیے مدرس امام صاحب کی کوئی کتاب پڑھا رہا تھا اس لیے اس نے کہا کہ امام غزالی نے یہ کہا ہے، اس فقرہ کو سن کر امام صاحب کے دل میں عجب و غرور کے پیدا ہونے کا خوف پیدا ہوا۔ ور دمشق کو چھوڑ کر مختلف شہروں کی سیاحت اور مقامات متبرکہ کی زیارت میں مصروف ہو گئے اور اسی سلسلے میں پہلے مصر پھر اسکندریہ گئے، اور وہاں ایک مدت تک قیام کیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ امام صاحب اسکندریہ سے بحری راستے سے یوسف بن تاشفین سے ملنے کے لیے مراکش جانا چاہتے ہیں لیکن اسی اثنا میں یوسف کا انتقال ہو گیا، اس لیے مراکش جانے کا خیال ترک کر دیا اور مختلف شہروں کی سیاحت، مشاہد، مساجد اور مزارات کی زیارت اور دشت نوردی اور بیابان گردی میں مصروف ہو گئے۔ قاضی ابوبکر بن عربی کا بیان ہے کہ میں نے ان کو ایک بیابان میں اس حالت میں دیکھا کہ ہاتھ میں ایک عصا ہے بدن پر ایک گدڑی ہے۔ کاندھے پر پانی کی ایک چھاگل ہے اور ان کو بغداد میں اس حالت میں دیکھا تھا کہ ان کے مجلس درس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے چار سو شاگرد حاضر ہوتے تھے، میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ کیا بغداد میں درس دینے سے یہ حالت بہتر ہے؟ امام صاحب نے مجھ کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور یہ اشعار پڑھے،

ترکت ھوی لیلی وسعدی بمعزل   وعدت الی تصحیح اول منزل

میں نے لیلیٰ اور سعدیٰ کا عشق چھوڑ دیا اور پہلی منزل کی طرف رخ کیا

ونادت بی الاشواق مھلاً فھذہ   منازل من تھوی رویدک فانزل

اور شوق نے مجھ کو پکار کر رک جا کیوں کہ جس سے تو عشق رکھتا ہے یہ اس کی منزل ہے یہاں اتر اور قیام کر

غزلت لھم غزلا دقیقا فلم اجد   لغزلی نساجا فکسرت مغزلی

میں نے ان کے لیے ایک باریک دھاگا کاتا لیکن مجھ کو اس دھاگے کا بننے والا نہیں ملا اس لیے میں نے اپنا تکلا توڑ دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن خود امام صاحب نے ان واقعات کو نہیں لکھا ہے بلکہ یوسف بن تاشفین کے ملنے کے لیے بلاد مغرب کے سفر کی روایت بعض بزرگوں کے نزدیک اس لیے مشکوک ہے امام صاحب اس وقت بالکل تارک الدنیا ہوچکے تھے کسی امیر و بادشاہ سے ملنے کے لیے کیوں جاتے لیکن سبکی نے لکھا ہے کہ یوسف بن تاشفین کے عدل و انصاف کی خبر سن کر امام صاحب کے دل میں اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا تھا، بہرحال خود امام صاحب کے بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شام میں دو سال تک قیام کیا اور ایک مدت تک مسجد دمشق کے منارہ میں دروازہ بند کر کے مراقبہ کرتے رہے دمشق سے نکل کر بیت المقدس گئے اور وہاں بھی یہی شغل رہا، پھر مقام خلیل کی زیارت کر کے فریضہ حج ادا کرنے کے لیے حجاز گئے، پھر حجاز سے وطن واپس آئے اور یہاں اگرچہ مجاہدہ و مراقبہ کا موقع کم ملتا تھا تاہم یہ مشغلہ بالکل ترک نہیں ہوا اور دس سال تک یہ حالت قائم رہی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امام صاحب نے وطن میں کتنے دن عزلت و خلوت میں گزارے۔

لیکن خود امام صاحب نے دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ وطن میں پہنچ کر عام گمراہی دیکھی تو گوشہ خلوت سے نکل کر اظہار حق کرنا چاہا لیکن اس کے لیے ایک متدین اور با اقتدار بادشاہ کی امداد کی ضرورت تھی، اسی حالت میں بادشاہ وقت کا تاکیدی حکم پہنچا کہ میں نیشاپور میں آ کر اس کی گمراہی کا ازالہ کروں میں بغداد سے ذو قعدہ ۴۸۸ھ میں نکلا تھا اور اب وطن سے ذو قعدہ ۴۹۹ھ میں گیارہ سال گوشہ نشینی کے بعد نیشاپور کو روانہ ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دمشق بیت المقدس اور حجاز وغیرہ میں دس سال تک ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہ کر ذو قعدہ ۴۹۸ھ میں وطن پہنچے ہیں اور صرف ایک سال تک وہاں خلوت نشین رہ کر ذو قعدہ ۴۹۹ھ میں نیشاپور آئے ہیں۔

خود امام صاحب نے اس بادشاہ وقت کا نام نہیں بتایا ہے لیکن اور مورخین نے تصریح کی ہے کہ فخر الملک تھا جو نظام الملک کا بیٹا اور اس زمانے میں سنجر سلجوقی (پسر ملک شاہ) کا وزیر اعظم تھا اس نے امام صاحب کے تقدس اور فضل و کمال کی شہرت سنی تو خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عجز و الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ نیشاپور میں آ کر مدرسہ نظامیہ کی مدرسی کی خدمت قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایئے اور امام صاحب نے یہ خدمت قبول کر لی[1]

اس خدمت کو قبول کیے ہوئے صرف دو مہینے گذرے تھے کہ فخر الملک محرم ۵۰۰ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا اور غالباً اس کی وفات کے چند ہی روز کے بعد امام صاحب نے عہدہ تدریس سے کنارہ کشی کر کے طوس میں خانہ نشینی اختیار کر لی اور گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور ہمہ وقت ظاہری و باطنی دونوں علوم کی تلقین کرتے رہے[2]

امام صاحب نے اثنائے تحصیل میں فن حدیث کی تکمیل نہیں کی تھی، اگرچہ طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے ابو الفتح الحاکمی طوسی سے سنن ابی داؤد پڑھی تھی فقہا کے ساتھ منفرق طور پر ہزاروں حدیثیں سنی تھیں اور ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم شیبانی نے مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب لکھی تھی اس کو امام صاحب نے شیخ ابو عبداللہ محمد بن احمد الخواری سے سنا تھا تاہم اب تک احادیث صحیحہ کا اصلی خزانہ ان کی نگاہوں سے چھپا ہوا تھا اس لیے سب کے اخیر میں وہ اس طرف متوجہ ہوئے اور محدثین کی صحبت اختیار کی اور حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی طوسی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ بلا کر ان سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سنی[3] اور ابن عساکر کے بیان کے مطابق امام صاحب کی زندگی کا خاتمہ علم حدیث کی طرف توجہ اہل حدیث کی صحبت اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مطالعہ پر ہوا اور ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ اخیر عمر میں جب امام صاحب کو معلوم ہوا کہ صوفیوں کے طریقہ سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تو انہوں نے احادیث سے ہدایت حاصل کرنی چاہی اور بخاری و مسلم کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگے اور اسی حالت میں انہوں نے وفات پائی اور دور جدید کے تذکرہ نویس بھی اس کی تائید کرتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر زکی مبارک نے لکھا ہے کہ میں ابن تیمیہ کی رائے کو بعید از قیاس نہیں سمجھتا کیونکہ امام صاحب کے خیالات ہمیشہ بدلتے رہتے تھے وہ کبھی فقیہ ہوتے تھے کبھی فلسفی[4]، ابن ارشد نے بھی امام صاحب کے متعلق یہی خیال ظاہر کیا ہے اور لکھا

---

[1] تبیین کذب المفتری ص ۲۹۳، ۲۹۴ [2] ایضاً ص ۲۹۵ [3] طبقات الشافعیہ جلد ۴ ص ۱۱۱ [4] الاخلاق عند الغزالی ص ۲۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں کسی خاص مذہب کا التزام نہیں کیا، بلکہ وہ اشعریوں کے ساتھ اشعری صوفیوں کے ساتھ صوفی اور فلسفیوں کے ساتھ فلسفی ہیں۔

اگرچہ امام صاحب مدرسہ نظامیہ نیشاپور کو چھوڑ کر طوس میں بالکل خانہ نشین ہو گئے تھے تاہم ان کی شہرت و مقبولیت ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی، چنانچہ ۵۰۴ھ میں سلطان محمد ملک شاہ نے نظام الملک کے بیٹے احمد کو وزیر اعظم مقرر کیا تو اس نے امام صاحب کو پھر نظامیہ بغداد میں بلانا چاہا، اس وقت خراسان جس میں طوس واقع ہے، سلطان سنجر کے زیر حکومت تھا اور صدر الدین محمد بن فخر الملک بن نظام الملک سنجر کا وزیر تھا احمد نے صدر الدین کو ایک خط لکھا کہ امام صاحب کو نظامیہ بغداد کی مدرسی کے لیے آزاد کیا جائے اس کے ساتھ امام صاحب کے نام کا بھی خط ان کی خدمت میں ساتھ بھیجے جائیں۔

اس خط سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام لوگوں نے خلیفہ بغداد مستظہر باللہ سے التجا کی تھی کہ جس طرح ہو سکے امام غزالی کو نظامیہ کے درس کے لیے بلایا جائے۔ خط کے وہ فقرے یہ ہیں۔

وننزاز سرائے عزیز مقدس نبوی (یعنی ایوان خلافت) ذریعیت نمودند و تدبیر آنرا مبالغہ نا فرمودند و ایں خطاب صادر شد تا صدر الدین بہ تحفظ ایں خبر جز بخواجہ اجل زین الدین حجۃ الاسلام فرید الزمان ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی ادام اللہ تمکنہ اہتمام بگیزدارانچہ او یگانہ جہاں و قدوہ عالم و انگشت نمائے روزگار است۔

اس فرمان پر دربار خلافت کے تمام ارکان کے دستخط ثبت تھے، اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ حاشیہ بوسان خلافت اور ارکان سلطنت سب امام صاحب کے قدوم پر چشم براہ ہیں۔

احمد بن نظام الملک نے خود امام صاحب کو جو خط لکھا اس کا ماحصل یہ تھا کہ "اگرچہ آپ جہاں تشریف رکھیں گے وہی جگہ درس گاہ عام بن جائے گی لیکن جس طرح آپ مقتدائے روزگار ہیں۔ آپ کا نیام گاہ بھی وہی شہر ہونا چاہیئے جو تمام اسلام کا مرکز اور قبلہ گاہ ہے تاکہ دنیا کے ہر حصے کے لوگ آسانی وہاں پہنچ سکیں اور ایسا مقام صرف دار السلام بغداد ہے۔ امام صاحب نے ان خطوط

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرامین کے جواب میں ایک طول طویل خط لکھا اور بغداد نہ آنے کے متعدد عذر لکھے۔

(۱) ایک یہ کہ یہاں یعنی طوس میں اس وقت ڈیڑھ سو مستعد طلبہ مصروف تحصیل علم ہیں جن کو بغداد جانے میں زحمت ہوگی۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب میں پہلے بغداد میں تھا تو میرے اہل و عیال نہ تھے اب بال بچوں کا جھگڑا ہے اور یہ لوگ ترک وطن کی زحمت گوارا نہیں کر سکتے[1]

(۳) تیسرے یہ کہ میں نے مقام خلیل میں عہد کیا ہے کہ کبھی مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں۔

اس کے سوا دربار خلافت میں سلام کرنے کے لیے حاضر ہونا ہوگا اور میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا سب سے بڑھ کر یہ کہ میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا اور بغداد میں میری کوئی جائداد نہیں۔

غرض خلافت اور سلطنت کی طرف سے گو بہت کچھ کد ہوئی لیکن امام صاحب نے صاف انکار کیا اور گوشہ عافیت سے باہر نہ نکلے اور بدستور تصنیف و تالیف درس و تدریس اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ آخری وقت آپہنچا اور ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو بہ مقام طابران انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے ابن جوزی نے کتاب الثبات عند الممات میں امام صاحب کی وفات کا قصہ ان کے بھائی احمد غزالی کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ پیر کے دن امام صاحب نے صبح کے وقت وضو کر کے نماز پڑھی، پھر کفن منگوایا اور اس کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ آقا کا حکم سر آنکھوں پر، یہ کہہ کر قبلہ رخ ہو کر پاؤں پھیلا دیئے اور دن نکلنے کے پیشتر ہی روح قفس عنصری

---

[1] یہ غالباً اس کا مقصد یہ ہے کہ بغداد میں امام صاحب کے بال بچے ساتھ نہ تھے ورنہ خود انہوں نے منقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ جب میں بغداد سے شام کو روانہ ہوا تو تمام مال خیرات کر دیا صرف بچوں کی ضروری کے لیے تھوڑا اساثاثہ رکھ لیا ہے پھر لکھا ہے کہ حجاز کے سفر کے بعد مجھے بچوں کے دعا کی کشش وطن میں کھینچ لائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پرواز کر گئی[1]

امام صاحب نے مرنے کے بعد صرف چند لڑکیاں اپنی یادگار چھوڑیں[2]

حافظ ابن عساکر نے تبیین کذب المفتری میں امام صاحب کی اخلاقی حالت کی طرف جو اجمالی اشارات کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب ابتداء میں نہایت مغرور کم ہیں اور جاہ پسند تھے لیکن بعد کو ان کی حالت بالکل اس کے برعکس ہوگئی، ان کے پاس اس قدر مال و جائداد تھا جو ان کی اور ان کی اولاد کے وجہ معاش کے لیے کافی تھا اس لیے وہ کسی کے دست نگر نہ ہوئے ان کے سامنے بارہا مال و دولت پیش کئے گئے لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا صرف اس قدر وجہ معاش پر قناعت کر لی جس سے وہ دوسروں کے دست نگر نہ ہوں اور اپنے دین کی حفاظت کر سکیں۔

فلسفہ

امام صاحب نے اگرچہ فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور تصوف میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں لیکن اس موقع پر موضوع کتاب کے لحاظ سے صرف ان کی فلسفیانہ تصنیفات سے بحث کی جائے گی

اگرچہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے امام الحرمین کی خدمت میں فلسفہ حکمت کی تعلیم بھی حاصل کی لیکن خود امام صاحب کا بیان ہے کہ انہوں نے دو سال کے مطالعہ اور ایک سال کے کامل غور و فکر کے بعد بغیر کسی استاد کی اعانت و رہنمائی کے فلسفیانہ علوم حاصل کیے۔ غالباً امام صاحب نے امام الحرمین کی خدمت میں فلسفہ وحکمت کی جو تعلیم حاصل کی تھی وہ بالکل سرسری تھی لیکن جب ان کے دل میں تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا تو ان کو یہ سرسری تعلیم ناکافی معلوم ہوئی اور انہوں نے کامل غور و فکر کے ساتھ فلسفیانہ علوم کا مطالعہ شروع کیا اور ان

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۴ ص ۱۰۶ [2] تبیین کذب المفتری ص ۲۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بیان کے مطابق وہ علمائے اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس حیثیت سے فلسفیانہ علوم پر نظر ڈالی، چنانچہ منقذ من الضلال میں لکھتے ہیں کہ "میں علم کلام سے فارغ ہو کر فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا تو مجھ کو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ کسی علم کی خرابیوں سے وہ شخص واقف نہیں ہو سکتا جو اس علم کے اس درجہ کمال کو نہ پہنچ جائے کہ اس علم کے سب سے بڑے عالم کے برابر ہو جائے بلکہ اس سے بڑھ جائے اور اس علم کے نشیب و فراز سے اس قدر واقفیت حاصل کرے جو خود صاحب علم کو حاصل نہ تھی لیکن علمائے اسلام میں کسی نے اس کی کوشش نہیں کی تھی متکلمین کی کتابوں میں فلسفہ کی تردید میں صرف چند منتشر مبہم اور متناقص باتیں تھیں جو بالکل عامیانہ تھیں اس بنا پر مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی مذہب کی تردید اس مذہب کی کامل واقفیت کے بغیر اندھیرے میں تیر چلانا ہے اب میں نے فلسفہ کو صرف کتابوں کے مطالعہ کے بغیر کسی استاد کی اعانت کے حاصل کرنے کی کوشش کی اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے جو وقت بچتا رہا، اس میں فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا یہاں تک کہ دو سال سے کم مدت میں میں فلسفیوں کے علوم کی انتہا تک پہنچ گیا، فلسفہ کے سمجھنے کے بعد تقریباً ایک سال تک بار بار اس میں غور و فکر کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے خدع و فریب سے یقینی طور پر واقفیت حاصل کر لی اور اس مطالعہ و غور و فکر سے معلوم ہوا کہ فلسفیوں کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دہریہ جو خدا کے منکر اور عالم کی قدامت کے قائل ہیں۔

(۲) طبعیین جو زیادہ تر عالم طبعی سے بحث کرتے ہیں خدا کے تو قائل ہیں لیکن حشر و نشر جنت و دوزخ حساب و کتاب اور ثواب و عذاب کے منکر ہیں، اس لیے یہ بھی زنادقہ میں شامل ہیں۔

(۳) الٰہیین، متاخرین فلاسفہ یونان مثلاً سقراط اس کا شاگرد افلاطون اور افلاطون کا شاگرد ارسطو سب اسی گروہ میں شامل ہیں اور ان سب نے دہریوں اور طبعیین کی تردید کی ہے البتہ ارسطو نے سقراط، افلاطون اور اپنے زمانہ سے پہلے کے الٰہیین پر بھی اعتراضات کیے اور ان سے الگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا لیکن بایںہمہ اس نے بھی ان کے کفر و بدعت کی چند باتوں کو قائم رکھا، اس لیے ان کی اور ان کے متبعین حکمائے اسلام مثلاً فارابی اور ابن سینا کی تکفیر بھی واجب ہے، کیونکہ حکمائے اسلام میں کسی نے ان دونوں سے بہتر طریقہ پر فلسفہ ارسطو کا ترجمہ (یعنی تشریح) نہیں کیا اور لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے وہ مبہم مخلوط اور ناقابل فہم ہے اور ان دونوں کے نقل و ترجمہ کے مطابق ہم تک ارسطو کا جو فلسفہ پہنچا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

ایک قسم موجب کفر دوسری قسم موجب بدعت اور تیسری قسم ناقابل انکار ہے۔

اس حیثیت سے امام صاحب نے فلسفیانہ علوم پر نظر ڈالی ان کو معلوم ہوا کہ ان علوم کی چھ قسمیں ہیں، ریاضی، منطق، طبعی، الٰہی، سیاسی، اخلاقی اور جہاں تک کفر و اسلام کا تعلق ہے، ان کی حیثیتیں مختلف ہیں،

(۱) ریاضی جو علم حساب اور ہندسہ وغیرہ پر مشتمل ہے، اس کو نفیاً اور اثباتاً مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ یقینی دلائل سے ثابت ہے جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس علم سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ جو شخص ان دلائل کی وضاحت کو دیکھتا ہے اس کو فلسفیوں سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ان کے تمام علوم اسی قدر واضح اور یقینی ہیں پھر جب وہ یہ سنتا ہے کہ تمام فلاسفہ شریعت کے منکر تھے تو اس حسن ظن کی بنا پر یہ خیال کرتا ہے کہ اگر مذہب حق ہوتا تو فلاسفہ کیوں اس کا انکار کرتے؟ اور اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مذہب کا انکار ہی حق ہے اس طرح تقلیداً کافر ہوجاتا ہے۔

دوسری خرابی اسلام کے نادان دوستوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جن کے نزدیک اسلام کی تائید صرف اس طریقہ سے کی جا سکتی ہے کہ فلسفیوں کے تمام علوم کا انکار کر دیا جائے اس لیے وہ ریاضیات کے یقینی مسائل کا بھی انکار کرتے ہیں، اور ان کو خلاف شریعت سمجھتے ہیں اس لیے جب یہ بات ان لوگوں کے کانوں میں پڑتی ہے جو ریاضیات کے مسائل کو یقینی دلائل سے جانتے ہیں تو وہ ریاضیات کے دلائل میں تو شک نہیں کرتے، البتہ خود اسلام کے متعلق ان کا یہ عقیدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم ہو جاتا ہے کہ اسلام کی بنیاد جہالت اور یقینی دلیل کے انکار پر ہے، اس لیے اس کے دل میں فلسفیوں کی محبت اور اسلام کی عداوت اور بڑھ جاتی ہے، اس لیے جس شخص کا خیال ہے کہ ان علوم کے انکار سے اسلام کی تائید کی جا سکتی ہے وہ اسلام پر بڑا ظلم کرتا ہے۔

(۲) منطق کو بھی نفیاً واثباتاً مذہب سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے اگر اس کا انکار کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہل منطق کو اس منکر سے بلکہ خود اس کے مذہب ہی سے یہ سوء ظن پیدا ہو جائے گا کہ جس مذہب کی بنیاد اس انکار پر قائم ہے وہ خود صحیح نہیں، البتہ اس علم سے یہ خرابی ضرور پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص اس کو صحیح سمجھتا ہے اس کے دل میں فلسفیوں کی نسبت یہ خوش اعتقادی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی کفریہ باتیں بھی اسی قسم کی منطقیانہ دلیلوں سے ثابت ہیں اس لیے وہ بہت جلد کفر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

(۳) طبعیات جس میں مفرد اجسام مثلاً پانی، مٹی، ہوا، آگ اور مرکب اجسام مثلاً حیوانات، نباتات اور معدنیات اور ان کے تغیرات، انقلابات اور امتزاجات وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے وہ طب کے مشابہ ہے جس میں طبیب انسان کے جسم، اس کے اعضاء اور اس کے مزاج کے تغیرات کے متعلق بحث کرتا ہے اس لیے جس طرح شرعاً طب کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اسی طرح چند مسائل کے سوا اس علم کا انکار بھی ضروری نہیں ہے۔

(۴) الٰہیات میں بے شبہ فلسفیوں نے بکثرت غلطیاں کی ہیں اور منطق کے اصول کے مطابق اس میں دلیلیں نہیں استعمال کی ہیں، اس لیے اس علم میں خود ان میں بکثرت اختلافات ہیں، ارسطو نے فارابی اور ابن سینا کی نقل کے مطابق اس علم میں اپنے مذہب کو مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ قریب کر دیا ہے، لیکن پھر بھی ۲۰ مسئلوں میں غلطیاں باقی رہ گئی ہیں، جن میں تین مسئلے تو موجب کفر اور بقیہ سترہ مسئلے موجب بدعت ہیں۔

(۵) سیاسیات جس کا تعلق دنیوی معاملات اور حکومت کے کاروبار سے ہے، اس کو فلسفیوں نے آسمانی کتابوں اور اولیا کے حکم و نصائح سے اخذ کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) اخلاقیات جس کا تعلق روح کے اخلاق و اوصاف اور ان کی تہذیب و اصلاح سے ہے وہ صوفیہ کے کلام سے ماخوذ ہے جو فلسفیوں کے زمانے میں بلکہ ہر زمانے میں موجود تھے البتہ انہوں نے ان باتوں کو اپنے کلام سے اس لیے ملایا ہے کہ اس طریقہ سے وہ اپنے باطل کی اشاعت خوبی کے ساتھ کر سکیں گے لیکن اس خداعانہ طریقہ نے دو خرابیاں پیدا کر دی ہیں، جن میں ایک کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو ان باتوں کو قبول کرتا ہے، اور دوسرے کا تعلق اس شخص سے ہے جو ان کی تردید کرتا ہے کیونکہ جو شخص ان باتوں کو قبول کرتا ہے جب ان کتابوں مثلاً اخوان الصفاء وغیرہ میں حکم نبویہ اور کلمات صوفیہ کی آمیزش کو دیکھتا ہے تو ان کو پسند کرتا ہے، اور اس طرح ان میں انہوں نے باطل کی جو آمیزش کی ہے ان کو بھی قبول کر لیتا ہے، اس لیے ان کتابوں کے مطالعہ سے روک دینا ضروری ہے لیکن جو شخص ان کی تردید کرتا ہے، اس کی مصیبت اس سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ ضعیف العقل لوگوں کا ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ جب یہ باتیں فلسفیوں کی کتابوں میں مذکور اور ان کے اباطیل کے ساتھ مندرج ہیں تو ان کو بالکل چھوڑ دینا چاہیئے، چنانچہ اسی بناء پر امام صاحب کی تصنیفات میں جو بعض فلسفیانہ باتیں موجود ہیں ان پر لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں، لیکن اولاً تو ان میں بعض باتیں کتب شرعیہ اور کتب صوفیہ میں موجود ہیں ثانیاً اگر بالفرض یہ باتیں ان میں موجود نہیں لیکن وہ معقول مدلل اور کتاب و سنت کے مخالف نہیں ہیں تو ان کو کیوں چھوڑا جائے کیونکہ اگر یہ اصول صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ اہل باطل کی ہر بات کو چھوڑ دینا چاہیئے تو ہم کو بہت سی حق باتوں کو بھی یہاں تک کہ رسائل اخوان الصفا میں جو آیتیں، جو حدیثیں، سلف کے جو واقعات اور حکما صوفیہ کے جو کلمات مذکور ہیں ان سب کو چھوڑ دینا پڑے گا اور اہل باطل کو یہ حیلہ مل جائے گا کہ وہ اپنی کتابوں میں اس قسم کی باتوں کو شامل کر کے حق کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیں۔[۱]

اس تفصیل سے جو امام صاحب نے منقذ من الضلال میں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب

---

[۱] منقذ من الضلال ص ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فلسفہ کو صرف مذہبی حیثیت سے دیکھا ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ فلسفہ کی تمام قسمیں عام آدمیوں میں کوئی نہ کوئی مذہبی خرابی ضروری پیدا کر دیتی ہے لیکن ایک محقق کے نزدیک فلسفہ کی ہر قسم غلط اور خلاف شریعت نہیں، منطق اور ریاضی بالکل صحیح ہیں اور ان کو شریعت سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں، طبیعات بھی بہت زیادہ قابل اعتراض نہیں اور سیاسیات و اخلاقیات میں حق و باطل دونوں ملے ہوئے ہیں اور امام صاحب نے ان کی صحیح باتوں کو اپنی اخلاقی کتابوں میں لے لیا ہے صرف الٰہیات کے ۲۰ مسئلے غلط اور خلاف شریعت ہیں اور ان میں بھی صرف ۳ مسئلے موجب کفر اور بقیہ موجب بدعت ہیں اور امام صاحب نے صرف ان ہی مسائل کی تغلیط و تردید کی ہے لیکن دور جدید کے بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ "امام صاحب نے فلسفہ کا مطالعہ بری نیت سے کیا تھا تاکہ اس کی تہ تک پہنچ کر اس کی برائیاں تمام دنیا میں پھیلائیں، انہوں نے فلسفہ کا مطالعہ بذات خود کیا اور کسی استاد کی شاگردی نہیں کی، جس نے ان کے دل میں فلسفہ کا سخت بغض پیدا کر دیا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی اخلاقی کتابوں میں فلسفیوں کا ذکر برائی کے ساتھ کیا اگر انہوں نے فقہ، تصوف اور علم کلام کی طرح کسی استاد سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی ہوتی تو وہ فلسفیوں کے متعلق اس قدر تیز زبانی سے کام نہ لیتے، کیونکہ اساتذہ کا قاعدہ ہے کہ جس علم کی تعلیم دیتے ہیں، اس کی حمایت کرتے ہیں اور اپنے شاگردوں پر اپنا اثر ڈالتے ہیں، جیسا کہ صوفی اساتذہ کا اثر امام صاحب کے مذہبی اور اخلاقی خیالات پر پڑا ہے، لیکن باایں ہمہ وہ اپنی اخلاقی کتابوں میں فلسفہ کے اثر سے نہ بچ سکے"[1]

لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے فلسفہ کا مطالعہ بری نیت سے نہیں بلکہ مذہبی حیثیت سے کیا ہے، لیکن اس معاملے میں وہ عام مذہبی آدمیوں سے بھی ممتاز ہیں اور عام مذہبی آدمیوں کی طرح فلسفہ کی ہر قسم اور ہر قسم کے مسائل کو غلط نہیں سمجھتے اس لیے انہوں نے فلسفیوں کی بہت سی باتوں کو جو خلاف شریعت نہیں تھیں اپنی تصنیفات میں شامل کر لیا ہے لیکن وہ سطحی خیال

---

[1] الاخلاق عند الغزالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے فلسفی بھی نہیں ہیں کہ محض ارسطو، وافلاطون کا نام سن کر اس قدر مرعوب ہو جائیں کہ ان کی تقلید میں مذہب کو بالکل خیرباد کہہ دیں۔ ان کی حیثیت صرف ایک محقق کی ہے اور اسی حیثیت سے انہوں نے فلسفہ کی تردید پر قلم اٹھایا ہے لیکن اس تردید سے پہلے خود فلسفہ کی حقیقت کا سمجھ لینا ضروری تھا جس کے لیے صرف مطالعہ کافی نہ تھا اس لیے انہوں نے سب سے پہلے خود اس فن پر ایک کتاب مقاصد الفلاسفہ لکھی جس کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ تمہاری خواہش ہے کہ میں فلسفیوں کی غلطیوں اور گمراہیوں کو واضح طور پر ظاہر کروں لیکن میں جب تک ان کے عقائد و مذہب کو تمہیں نہ بتلا دوں تمہاری خواہش پوری نہیں کر سکتا کیونکہ جب تک کسی مذہب کی تمام باتوں کا احاطہ نہ کر لیا جائے اس کی خرابیاں نہیں معلوم کی جا سکتیں، اس لیے فلسفیوں کی غلطیوں کے ظاہر کرنے سے پہلے میں مختصر طور پر حق و باطل کی تمیز کے بغیر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ منطق طبیعات اور الٰہیات سے ان کا کیا مقصد ہے، میرا مقصد صرف ان کے مقاصد کا سمجھنا ہے اس لیے جو حشو و زوائد ان مقاصد سے خارج ہیں ان کو الگ کر کے صرف ان کے مذہب کو ان کی دلیلوں کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اور اسی لیے اس کتاب کا نام مقاصد الفلاسفہ رکھا ہے میں تم کو سب سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فلسفہ کی چار قسمیں ہیں، ا ریاضیات، ۲ منطقیات، ۳ طبیعات، ۴ الٰہیات جن میں ریاضیات بالکل عقل کے مخالف نہیں، اس لیے ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ہم اس کتاب میں اس کا ذکر نہیں کرتے، البتہ الٰہیات میں فلسفیوں کے اکثر عقائد حق کے خلاف ہیں اور ان میں صحیح بات بہت کم ہے، منطقیات کا اکثر حصہ بھی صحیح ہے، اور اس میں غلطی بہت کم ہے، اہل منطق کی اصطلاحات بے شبہ اہل حق کی مخالف ہیں لیکن معانی و مقاصد میں کوئی فرق نہیں، طبیعات میں حق و باطل دونوں مخلوط ہیں، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کون غالب ہے اور کون مغلوب، سردست سادہ طور پر ان مسائل کو بیان کر دیتے ہیں اور اس وقت ہم کو صحیح اور غلط سے بحث نہیں، اس کتاب سے فارغ ہو کر ہم از سر نو ایک مستقل کتاب میں جس کا نام تہافت الفلاسفہ ہوگا ان مسائل پر از سر نو بحث کریں گے غرض رد و قدح سے پہلے انہوں نے فلسفہ پر ایک مستقل کتاب مقاصد الفلاسفہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھی، جس میں ریاضیات کے علاوہ منطق طبیعات اور الٰہیات کے تمام مسائل نہایت سادگی اور وضاحت کے ساتھ بیان کئے اور یہی اس کتاب کی اصلی خصوصیت ہے کیونکہ امام صاحب سے پہلے فلسفہ پر جس قدر کتابیں لکھی گئیں، ان میں عموماً یہ خصوصیت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ وہ کسی کی سمجھ میں نہ آسکیں اور یہ اصول مسلمانوں کے بہت پہلے سے چلا آتا ہے۔ ارسطو نے جب فلسفہ کی تدوین کی تو افلاطون نے سخت ناراض ہو کر کہلا بھیجا کہ تم نے اسرار و رموز کا طلسم توڑ دیا، ارسطو نے جواب میں کہلا بھیجا کہ گو میں نے اسرار بیان کیے لیکن ایسے الفاظ میں بیان کیے کہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں، مسلمانوں میں فلسفہ ارسطو کا سب سے بڑا مفسر ابن سینا ہے، اس کی یہ حالت ہے کہ معمولی بات کو بھی اس قدر ایچ پیچ کے ساتھ اور ایسے مہیب اور پر رعب عبارت میں ادا کرتا ہے کہ وہی معمولی بات عالم ملکوت کے فوق الادراک الہامات معلوم ہوتے ہیں، لیکن امام صاحب نے اس طلسم کو بالکل توڑ دیا وہ دقیق سے دقیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو اس طرح تحلیل کرتے ہیں اور ایسے الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ معمولی صاحب استعداد کی سمجھ میں آجائے یہی طرز ہے جس کو امام فخر الدین رازی نے اور زیادہ ترقی دی اور فلسفہ کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔[1]

اس کتاب سے فارغ ہو کر جیسا کہ انہوں نے اس کے دیباچہ میں وعدہ کیا تھا، فلسفہ کی تردید میں ایک مستقل کتاب تہافت الفلاسفہ کے نام سے لکھی، جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اکابر فلاسفہ کے نام کا جو اثر عام مسلمانوں کو مذہب سے برگشتہ کر رہا ہے اس کو زائل کیا جائے چنانچہ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک گروہ کو دیکھا جو اپنے آپ کو ذہانت اور طباعی کی بنا پر اپنے ہمسروں سے ممتاز سمجھتا ہے، اور مذہبی قیود سے بالکل آزاد ہو گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے سقراط بقراط، افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے بڑے بڑے نام سنے اور ان کے متبعین نے ہندسہ، منطق، طبیعیات اور الٰہیات کے اصول و مسائل میں ان کی دقت نظری کی مبالغہ آمیز تعریفیں کیں اور ان کی زبان سے ان کو معلوم ہوا کہ اس قسم کے عالی دماغ لوگ مذہب کے منکر تھے، اور اس کے اصول و قواعد کو محض

---

[1] الغزالی ص ۱۱۹-۱۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب وہ اور نمائشی چیز سمجھتے تھے تو یہ لوگ بھی مذہب کے منکر ہو گئے، تاکہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں۔ اس لیے میں نے قدما، فلاسفہ کی تردید میں یہ کتاب لکھی تاکہ الہیات میں ان کی مضحکہ انگیز غلطیوں کو دکھلاؤں لیکن تمام فلسفیوں کے اختلافات کے بیان کرنے میں بڑی طوالت ہے اس لیے میں نے یونان کے سب سے بڑے فلسفی ارسطو کے خیالات کی تردید پر اکتفا کیا ہے، جس نے تمام قدما، فلاسفہ کی تردید کر دی ہے، یہاں تک کہ اپنے استاد افلاطون کی بھی مخالفت کی ہے اور اس پر یہ عذر کیا ہے کہ افلاطون اور حق دونوں میرے دوست ہیں لیکن حق سب سے بڑا دوست ہے میں نے یہ واقعہ اس لیے بیان کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خود فلسفیوں کے نزدیک بھی ان کا مذہب یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے، یہ لوگ الہیات کے صحیح ہونے پر حساب و منطق کی صحت سے استدلال کرتے ہیں، لیکن اگر حساب و منطق کی طرح علوم الہیہ بھی صحیح ہوتے تو ان میں اس قدر اختلاف کیوں ہوتا؟ لیکن جن لوگوں نے ارسطو کے فلسفہ کا ترجمہ کیا ہے، انہوں نے اس میں بڑی تحریفیں کی ہیں اور اس نے بھی بڑی نزاعیں پیدا کر دی ہیں، البتہ حکمائے اسلام میں ابن سینا اور فارابی نے فلسفہ ارسطو کی صحیح ترجمانی کی ہے، اس لیے میں نے ان ہی دونوں کی رائے کے مطابق فلسفیوں کے مذہب کی تردید کی ہے۔

تردید کے لیے امام صاحب نے ۲۰ مسئلے انتخاب کیے ہیں جن میں سترہ مسئلے الہیات کے اور تین مسئلے طبیعات کے ہیں۔ ان مسائل کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حکما کے اس دعویٰ کا ابطال کہ عالم ازلی ہے۔

(۲) اس دعویٰ کا ابطال کہ عالم ابدی ہے۔

(۳) فلاسفہ کا یہ خیال کہ خدا صانع عالم ہے۔ لیکن ان کے اصول کے مطابق خدا صانع عالم نہیں ہو سکتا

(۴) فلاسفہ خدا کا وجود ثابت نہیں کر سکتے۔

(۵) فلاسفہ خدا کی توحید ثابت نہیں کر سکتے۔

(۶) فلاسفہ کے اس دعویٰ کا ابطال کہ خدا صفات مثلاً علم، قدرت اور ارادہ سے معرا ہے۔

(۷) فلاسفہ کا یہ قول غلط ہے کہ خدا کے جنس و فصل نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۸) فلاسفہ کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا کہ خدا کی ذات بسیط ہے۔

(۹) فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا کے جسم نہیں۔

(۱۰) فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا اپنے غیر کو اور انواع و اجناس کو کلی طور پر جانتا ہے۔

(۱۱) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ خدا اپنی ذات کو جانتا ہے۔

(۱۲) فلاسفہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا جزئیات کو نہیں جانتا۔

(۱۳) فلاسفہ کا دعویٰ غلط ہے کہ آسمان حیوان متحرک بالارادہ ہے۔

(۱۴) فلاسفہ نے آسمان کی حرکت کی جو غرض بیان کی ہے وہ باطل ہے۔

(۱۵) فلاسفہ کا یہ خیال غلط ہے کہ آسمان تمام جزئیات سے عالم ہیں۔

(۱۶) خرق عادات کا انکار باطل ہے، کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دو چیزوں کا عادۃً مل کر کوئی نتیجہ پیدا کرنا علیت و معلولیت کی بناء پر ہو۔

(۱۷) فلاسفہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ روح ایک جوہر قائم بالذات ہے۔

(۱۸) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ روح ابدی ہے۔

(۱۹) فلاسفہ جو قیامت اور حشر اجساد کے منکر ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔

(۲۰) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی فلاسفہ کو دہریہ ہونا لازم ہے۔

امام صاحب نے تحقیق حق کے لیے جو قدم اٹھایا تھا اس کی دوسری منزل فلسفہ تھی، لیکن اب تک ان پر حق کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔ اس لیے انہوں نے اس کتاب میں فلاسفہ کی تردید پر اکتفا کیا اور یہ نہیں بتایا کہ ان مسائل میں ان کی تحقیقی رائے کیا ہے؛ چنانچہ خود متعدد موقعوں پر کتاب میں تصریح کی ہے کہ اس کا مقصد صرف تردید ہے، تحقیق نہیں، ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ "ہم نے اس کتاب میں صرف یہ التزام کیا ہے، کہ فلاسفہ کے مذہب کی تکذیب کریں، اور ان کے دلائل کو بگاڑیں، ہم کو کسی خاص مذہب کی جانب سے مدافعت کرنا مقصود نہیں، اس لیے حدوثِ عالم پر جو دلائل قائم ہیں ہم ان کا استقصا نہیں کرتے کیونکہ ہمارا مقصد صرف فلسفیوں کے دعویٰ کا باطل کرنا ہے، باقی مذہب حق کا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثبات تو اس کتاب سے فارغ ہونے کے بعد اگر توفیق الٰہی نے مساعدت کی تو ایک دوسری کتاب میں جس کا نام قواعد العقائد ہو گا کریں گے اور اس میں صرف اثبات ہی اثبات ہو گا، جس طرح اس کتاب میں ابطال ہی ابطال ہے[۱]

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی کہے کہ فلسفیوں کے مذہب کو تو تم نے باطل کر دیا لیکن خود تمہاری رائے کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ اس کتاب کا مقصد صرف یہ ہے کہ فلسفیوں کے دعوے کے پرخچے اڑا دیئے جائیں اور یہ مقصد حاصل ہو چکا[۲]"

ایک موقع پر جواہر القرآن میں جس کی عبارت مولانا شبلی نے الغزالی میں نقل کی ہے لکھتے ہیں کہ "دوسری چیز کافروں سے مناظرہ و مجادلہ کرنا ہے اور اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے، جس کا مقصود گمراہیوں اور بدعتوں کا رد کرنا اور شبہ اعتراضات کا اٹھانا ہے، اس علم کے ذمہ دار متکلمین ہیں، ہم نے دو طرز پر اس کی شرح کی ہے۔ ایک معمولی طرز پر اور اس کا نام رسالہ قدسیہ ہے اور ایک اس سے اعلیٰ تر جس کا نام الاقتصاد فی الاعتقاد ہے، اس علم کا مقصود یہ ہے کہ بدعتیوں کے شور و شغب سے عوام کے عقیدہ کو محفوظ رکھا جائے لیکن اس علم میں حقائق نہیں بیان کئے جاتے اور اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جس میں فلاسفہ کی غلطیوں کا بیان ہے۔ یعنی تہافت الفلاسفہ"

بہر حال اس کتاب سے ان مسائل کے متعلق امام صاحب کے اصلی خیالات تو نہیں معلوم ہو سکتے بلکہ وہ مجادلہ و مناظرہ کی ایک کتاب ہے جس سے ان لوگوں کے عقیدہ کی حفاظت مقصود ہے، جن کو فلسفہ نے بلکہ فلسفہ سے زیادہ فلاسفہ کے شاندار ناموں نے گمراہ کر دیا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ امام صاحب نے ان مسائل کی تردید میں کن کن ماخذوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے کامل دو تین سال تک فلسفہ کا مطالعہ نہایت غور و فکر کے ساتھ کیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا ہے کہ اس سلسلے میں فلسفہ کی کون کون سی کتابیں ان کے مطالعہ میں رہیں۔ انہوں نے فلسفہ کی تردید فلسفہ ارسطو کی شرح

---

[۱] تہافت الفلاسفہ ص ۲۰ [۲] ایضاً ص ۳۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق کی ہے جو فارابی اور ابن سینا نے کی تھی، لیکن فارابی اور ابن سینا نے خود اس فلسفہ کی تردید نہیں کی تھی بلکہ اس کو اسلامی عقائد کے مطابق بنانا چاہا تھا، اس لیے انہوں نے تردید میں دوسرے ماخذوں سے فائدہ اٹھایا ہو گا، متکلمین نے بھی شبہ کے چند مسائل پر جا بجا اعتراضات کئے تھے، لیکن امام صاحب سے پہلے کسی نے پورے نظام فلسفہ پر اس قدر مکمل حملہ نہیں کیا تھا، چنانچہ ٹی جے ڈی بوئر تاریخ فلسفہ اسلام میں لکھتا ہے۔

"نہ صرف معتزلہ بلکہ ان کے مخالفین کا علم کلام بھی اپنے خیالات اور وہ دلائل جو اپنے دعوے کی تائید یا حریف کی تردید میں پیش کرتا تھا، فلسفیوں کی تصانیف سے اخذ کرتا تھا، ان میں سے جو کچھ متکلمین اپنے کام کا سمجھتے تھے، اسے لے لیتے تھے۔ اور بقیہ سے یا تو کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے یا اس کے ابطال کی کوشش کرتے تھے اس طرح بہت سی کتابیں لکھی گئیں جو کسی مخصوص فلسفہ یا کسی ایک فلسفی کے خلاف تھیں، لیکن کوئی کوشش سارے نظام فلسفہ کی جس حیثیت سے کہ وہ مشرق میں یونانی بنیاد پر قائم تھا تردید کرنے کی گہرے مطالعہ کے بعد اور کلی نقطہ نظر سے غالباً غزالی سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی[1]"

اس لیے اس جامع اور کلی تردید کے لیے متکلمین اسلام کی تصنیفات ناکافی تھیں، البتہ متکلمین سے پہلے یحییٰ نحوی نے ارسطو کی کتابوں کی جو شرحیں کی تھیں اس نے عیسائیوں کو اس قدر برہم کر دیا تھا کہ وہ اس کے قتل کے درپے ہو گئے تھے، اس ناراضی کے ازالہ کے لیے اس نے کتاب لکھی جس میں ارسطو، برقلس اور افلاطون کی تردید کی اور شہرزوری نے تاریخ الحکما میں لکھا ہے کہ امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ میں زیادہ تر اسی کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو امام صاحب کو فلسفہ ارسطو کی تردید میں کوئی زحمت نہیں پیش آئی، ورنہ ان کو فلسفہ پر آسانی کے ساتھ حملہ کرنے

---

[1] تاریخ فلسفہ اسلام مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین ص ۱۱۲ [2] تاریخ الحکما شہرزوری ص ۱۹، ۲۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تیار شدہ مصالح یکجا مل گیا، البتہ یہ ایک نہایت اہم مسئلہ ہے کہ اس حیثیت سے امام صاحب نے تاریخ فلسفہ پر کیا اثر ڈالا خود مسلمانوں میں امام صاحب کو فلسفیانہ حیثیت سے کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ فلسفیوں کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں امام صاحب کا نام نہیں آیا ہے، البتہ اہل یورپ کے نزدیک ایک منکر فلسفہ کی حیثیت سے فلسفہ کی تاریخ میں امام صاحب کو خاص اہمیت حاصل ہے اور ان کا خیال ہے کہ انہوں نے مشرق میں فلسفہ کو اس قدر مجروح و مفلوج کر دیا کہ اگر مغرب میں ابن رشد نے فلسفہ کی حمایت نہ کی ہوتی تو مغرب میں اس کا یہی حال ہوتا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام صاحب نے تہافت الفلاسفہ لکھ کر فلسفہ یونان کی عظمت دلوں سے بہت کم کر دی اور اس کے بعد امام رازی نے تو فلسفہ یونانی کو بالکل ہی اپنا آماجگاہ بنا لیا ہے اور اس کے صحیح مسائل کی بھی دھجیاں اڑا دیں۔

یہ تو فلسفہ کے اس حصے کا اثر ہوا جس کی تردید امام صاحب نے تہافت الفلاسفہ میں کی تھی لیکن [illegible]یات وطبیعات کے چند مسائل کے سوا امام صاحب فلسفہ کی اور شاخوں کو صحیح سمجھتے تھے چنانچہ منقذ من الضلال میں فلسفہ کے تمام اجزا یعنی ریاضیات طبیعات، الٰہیات، سیاسیات اور اخلاقیات پر الگ الگ ریویو کر کے صاف صاف لکھ دیا کہ بجز الٰہیات کے باقی فلسفہ کی اور شاخوں میں مذہب اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں، لیکن متکلمین نے اس میں کوئی تفریق نہیں کی تھی، بلکہ خاص فن منطق کے رد میں بھی کتابیں لکھی تھیں، چنانچہ سب سے پہلے ابو سعید سیرانی نحوی نے ایک کتاب لکھی جس میں قواعد منطقیہ کی غلطیاں ظاہر کیں، پھر قاضی ابوبکر باقلانی، قاضی عبدالجبار معتزلی جبائی امام الحرمین اور ابو القاسم انصاری وغیرہ نے منطق کی مخالفت میں طباعیاں دکھائیں ان باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ عام مسلمانوں اور خصوصاً فقہا و محدثین فنون عقلیہ کے دشمن ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ منطق و فلسفہ کے اکثر مسائل مذہب اسلام کے خلاف ہیں لیکن اس کے بعد جب خود امام صاحب نے منطق و فلسفہ میں متعدد کتابیں لکھیں، اور مستصفی کے دیباچہ میں لکھ دیا کہ منطق کے مسائل تمام علوم کے لیے ضروری ہیں اور جس کو منطق سے واقفیت نہ ہو وہ اپنی معلومات سے کچھ کام نہیں لے سکتا تو گو اول اول ابن الصلاح اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیگر محدثین نے نہایت سخت مخالفت کی، لیکن امام صاحب کی راست گوئی بے اثر نہیں رہی اور چند ہی دنوں میں منطق کی تمام اصطلاحیں عام طور پر متداول ہوگئیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق میں لکھتے ہیں کہ مسلمان ارباب نظر ہمیشہ منطقیوں کے طریقہ کو برا سمجھتے تھے، اس کا کثرت سے استعمال ابوحامد غزالی کے زمانہ سے ہوا، کیونکہ انہوں نے منطق یونانی کا مقدمہ اپنی کتاب مستصفیٰ کے دیباچے میں شامل کردیا۔

امام صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ خاص مذہبی تصنیفات میں بھی منطقی اصطلاحیں داخل کردیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ "پہلا شخص جس نے یونانیوں کی منطق کو مسلمانوں کے اصول میں مخلوط کردیا وہ ابوحامد غزالی ہیں" امام صاحب کے اس طرز عمل سے تعلیم کا ایک نیا دور شروع ہوا، اس وقت تک عام تعلیم کا جو نصاب مقرر تھا وہ علوم عقلیہ سے بالکل خالی تھا، نظامیہ جیسے بڑے دارالعلوم میں معقولات کی ایک کتاب بھی درس میں داخل نہ تھی، محدثین، مفسرین اور فقہاء علوم عقلیہ سے ناآشنائے محض ہوتے تھے، لیکن امام صاحب کے زمانہ سے دفعتہً یہ حالت بدل گئی اور معقول و منقول کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونے لگی، یہاں تک کہ ایک صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ شیخ الاشراق اور امام فخرالدین رازی جیسے لوگ پیدا ہونے لگے جو عقل و نقل دونوں اقلیم کے شہنشاہ تھے[1]

امام صاحب نے تہافت الفلاسفہ کے ذریعہ سے فلسفہ کی تردید کی جو کوشش کی تھی اس کا اثر یہ ہوا کہ امام صاحب کے بعد تاریخ فلسفہ کا ایک نیا دور شروع ہوا جس کا آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے نکلا، اور امام صاحب کی وفات کے ایک صدی بعد ابن رشد نے ایک مستقل کتاب تہافت الفلاسفہ کی تردید میں لکھی، جس کے رد میں مشرق و مغرب میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی، چنانچہ محمد لطفی جمعہ تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ "مشرق و مغرب کے کسی فلسفی نے

---

[1] ملخص از الغزالی ص ۱۲۳، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب (تہافت الفلاسفہ) کی تردید میں اب تک قلم نہیں اٹھایا گیا تھا اور اس کے ذریعہ فلسفیوں کی جو تحقیر و تذلیل کی گئی تھی، اس کے ازالہ کی کسی نے کوشش نہیں کی تھی، لیکن جب ابن ارشد نے اس کی تردید کی تو اس نے اس داغ کو جو تمام فلسفیوں پر لگایا گیا تھا، جس کو دوسرے لوگ نہ مٹا سکے تھے، بالکل مٹادیا اور دوبارہ فلسفہ کو نہایت شاندار اور پر رونق زندگی بخشی، جس کے قلب وجگر کو غزالی نے بالکل مجروح کر دیا تھا، ابن ارشد نے جس بنیاد پر اس کتاب کی تردید کی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ کوئی تحقیقی کتاب نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد صرف مجادلہ و مناظرہ ہے امام صاحب کی نگاہ کے سامنے فلسفہ کے خالص اور صحیح مسائل نہ تھے بلکہ انہوں نے ابن سینا وغیرہ کی کتابوں میں جو مسائل پائے ان ہی کو اصلی فلسفہ کے مسائل سمجھ کر ان کی تردید کردی، اس کی کوشش نہیں کی کہ فلسفہ کے صحیح مسائل کا پتہ لگائیں اور ان کو ان مسائل سے الگ کریں جو فلسفہ میں ادھر ادھر سے آکر شامل ہو گئے تھے، یعنی امام صاحب کے سامنے یونان کا خالص فلسفہ نہ تھا بلکہ مسلمانوں کا مخلوط فلسفہ تھا جس میں سینکڑوں باتیں ایسی شامل ہو گئی تھیں جن کو یونانی فلسفہ سے کوئی تعلق نہ تھا امام صاحب نے ان ہی باتوں کو پیش نظر رکھ کر فلسفہ کی تردید کی ہے اور جہاں اس قسم کے مواقع پیش آتے ہیں وہاں ابن ارشد غصہ سے بالکل بے قابو ہو جاتا ہے اور امام صاحب کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کرتا ہے اور اس سلسلے میں سب سے پہلے تو امام صاحب کی نیت پر حملہ کرتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے سے ان کا مقصد صرف اپنی براءت کرنا یا شہرت حاصل کرنا تھا شریعت یا حق کی حمایت مقصود نہ تھی، چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ اس قسم کی باتیں امام صاحب کے لیے کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں ان کی نسبت یہ خیال تو ہو نہیں سکتا کہ وہ ان سے ناواقف ہیں، بلکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے ساتھ مداہنت کی ہے اور جو لوگ اظہار حق کرنا چاہتے ہیں ان کے اخلاق کی شان سے یہ بھی وہ دور ہیں اور غالباً وہ اپنے وقت اور مقام کے لحاظ سے معذور ہیں کیونکہ ان کی کتابوں کی جانچ پڑتال کی گئی تھی[1]

---

[1] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے موقع پر لکھتا ہے کہ "ان چیزوں کے متعلق فلسفیوں کے مذاہب سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے، جس نے ان کی کتابوں کو ان کے مقرر کردہ شرائط کے ساتھ دیکھا ہے، اسی کے ساتھ نظرت بلند اور ہوشیار استادوں نے بھی اس کی مساعدت کی ہے اس لیے ان چیزوں پر اس قسم کا اعتراض امام صاحب کے شایان شان نہیں، کیونکہ دو ہی صورتیں ہیں یا تو انہوں نے ان کو صحیح طور پر سمجھا ہے، لیکن ان کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا اور یہ کام شریر لوگوں کا ہے یا ان کو صحیح طور پر نہیں سمجھا ہے تو نامعلوم باتوں کا بیان کرنا جاہلوں کا کام ہے لیکن ہمارے نزدیک امام صاحب کا درجہ ان دونوں سے بلند ہے البتہ کبھی کبھی تیز رفتار گھوڑا بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے اور امام صاحب کی اسی قسم کی ٹھوکر کا نتیجہ یہ کتاب رتہافت الفلاسفہ ہے اور غالباً اپنے زمان و مکان کی وجہ سے انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے [1]۔

ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "اس قسم کا جواب دینا ان بطالین کا کام ہے جو ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی کرتے ہیں اور امام غزالی کا درجہ اس سے بلند ہے، غالباً ان کے زمانہ کے لوگوں نے ان کو اس کتاب کے لکھنے پر مجبور کیا ہے تاکہ وہ اپنے اوپر سے اس الزام کو دور کریں کہ وہ حکما کی رائے کو اختیار کرتے ہیں [2]۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ "امام صاحب کا یہ کہنا کہ اس کتاب کا مقصد حق کا علم نہیں بلکہ صرف فلسفیوں کے اقوال اور دعاوی کا ابطال کرنا ہے، ایک ایسا مقصد ہے جو ان کے بلکہ انتہا درجہ کے شرارت پسند لوگوں کے بھی شایان شان نہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ امام نے جن کتابوں کی تصنیف سے لوگوں پر تفوق و امتیاز حاصل کیا ہے وہ سب کی سب فلسفیوں کی کتابوں سے ماخوذ مستفاد ہیں یہ مان لو کہ فلسفیوں نے کسی چیز میں غلطی کی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ سرے سے ان کی نظری اور عقلی فضیلت ہی کا انکار کر دیا جائے، اگر فلسفیوں کے پاس صرف منطق ہی ہوتی تو امام صاحب پر اور نیز ان تمام لوگوں پر جو اس فن کے درجہ سے واقف ہیں ان کا شکریہ واجب ہوتا خود امام صاحب

---

[1] تہافۃ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۳۲ [2] ایضاً ص ۴۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اس فن کے معترف ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں، انہوں نے اس فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور وہ خود کہتے ہیں کہ کوئی شخص حق کو اس علم کے بغیر نہیں جان سکتا انہوں نے اس میں اس قدر غلو کیا ہے کہ اس کو قرآن مجید سے مستنبط کیا ہے تو کیا جس شخص نے فلسفیوں کی کتابوں سے اس قدر فائدہ اٹھایا ہے اور ان ہی کی بدولت اس قدر شہرت حاصل کی ہے اس کے لیے یہ جائز ہے کہ کلیتہً ان کی اور ان کے علوم کی برائیاں بیان کرے اگر ہم اس کو مان بھی لیں کہ فلسفیوں نے علوم الٰہیہ میں چند غلطیاں کی ہیں تو ہم ان غلطیوں کا اظہار ان ہی اصول کے مطابق کرنا چاہیئے جس کی تعلیم انہوں نے ہم کو اس فن منطق میں دی ہے ہم کو یہ یقین ہے کہ اگر ان رایوں میں کوئی غلطی ہو تو وہ ہم کو اس کے ماننے پر مجبور نہیں کرتے کیونکہ ان کا مقصد صرف حق کی معرفت ہے اور اگر ان کا صرف یہی مقصد ہوتا تو ان کی مدح کے لیے کافی ہوتا، حالانکہ اور کسی نے علوم الٰہیہ میں کوئی قابل اعتماد بات نہیں کہی ہے کہ کوئی شخص غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتا، بجز اس شخص کے جس کو خدا نے ایک ایسے ذریعہ سے جو انسانی طبیعت کے باہر ہے اس سے محفوظ رکھا ہے اور وہ انبیا ہیں[1]۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے سے پہلے جو پڑھنے والے کو شک وحیرت میں مبتلا کر دیتی ہے، امام صاحب کو ایک کتاب میں حق کا اثبات کرنا چاہیئے تھا تاکہ اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے پڑھنے والا اس کتاب کے لکھنے سے پہلے ہی اس کا لکھنے والا کہیں مر نہ جائے، لیکن یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی اور شاید امام صاحب نے اس کو لکھا بھی نہیں، انہوں نے یہ بات کہ اس کتاب سے کسی خاص مذہب کی حمایت مقصود نہیں" اس لیے کہی کہ ان کی نسبت یہ بدگمانی نہ کی جائے کہ اس کتاب سے وہ اشعری مذہب کی حمایت کرنی چاہتے ہیں، امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے علوم الٰہیہ میں فلسفیوں کے مذہب کی طرف رجوع کیا اور اس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی کتاب مشکوٰۃ الانوار ہے[2]۔

---

[1] تہافۃ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۸۸ [2] ایضاً ص ۴ ۲، ۵۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ہجو وبدگوئی سے قطع نظر کر کے ہم کو اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے کہ ابن رشد نے امام صاحب کی تردید کن اصول کے مطابق کی اور اس کا اثر فلسفہ کی تاریخ پر کیا پڑا۔

(۱) ابن رشد کی تردید کا پہلا اصول یہ ہے کہ یونانی فلسفہ میں سینکڑوں باتیں ایسی شامل ہو گئی تھیں، جن کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور امام صاحب نے ان ہی خارجی باتوں کو پیش نظر رکھ کر فلسفہ کی تردید کی ہے، چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ امام صاحب فلسفیوں کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کے وہ قائل نہیں[۱] اور امام صاحب نے ان ہی خارجی باتوں کو پیش نظر رکھ کر فلسفہ کی تردید اس لیے کی ہے کہ انہوں نے صرف ابن سینا کی کتابوں کو دیکھا ہے، اس لیے وہ فلسفہ میں درجہ کمال کو پہنچ سکے چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ امام صاحب علم کے اس درجہ کو نہ پہنچ سکے جو اس مسئلہ پر پوری طرح حاوی ہوتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صرف ابن سینا کی کتابیں دیکھی تھیں اس وجہ سے ان کی فلسفہ دانی میں کمی رہ گئی[۲]

دوسرے موقع پر لکھتا ہے کہ "تعجب ہے کہ یہ بات ابو نصر فارابی اور ابن سینا سے کیونکر مخفی رہی کیونکہ سب سے پہلے یہ خرافات ان ہی کی زبان سے نکلے اور لوگوں نے ان کی تقلید کی، اور اس قول کو ان کی طرف منسوب کر دیا، یہ سب خرافات ہیں، اور یہ سب کے سب فلسفہ میں باہر سے آکر شامل ہو گئے ہیں، جو فلسفیوں کے اصول کے مطابق نہیں، اور اس قسم کے اقوال جدلیات کیا خطابیات کا درجہ بھی نہیں رکھتے، اس لیے امام صاحب نے اپنی کتابوں میں متعدد مقام پر جو یہ بات کہی ہے کہ فلسفیوں کے علوم الٰہیہ ظنی ہیں بالکل صحیح ہے"[۳]

اسی قسم کے خارجی مسائل میں معجزات، رویا اور حشر اجساد کے مسائل ہیں، جن کو یونانی فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ ابن رشد لکھتا ہے کہ "معجزات کے متعلق قدماء فلاسفہ کا کوئی قول مذکور نہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ اس قسم کی چیزیں ہیں جن کے متعلق تحقیق کرنا اور ان کو مسئلہ بنانا ضروری نہیں

---

[۱] تہافۃ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۴۴ [۲] ایضاً ص ۴۶، [۳] ص ۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، بلکہ یہ شریعت کے ابتدائی اصول میں داخل ہیں اور ان کی تحقیق کرنے والا اور ان میں شک کرنے والا ان کے نزدیک سزا کا مستحق ہے، امام صاحب نے فلسفیوں کے متعلق اس کے اثبات کا جو دعویٰ کیا ہے اس کا قائل میرے علم میں ابن سینا کے سوا کوئی نہیں، یہی حال رویا کا بھی ہے کہ قدما فلاسفہ میں ابن سینا کے سوا کسی نے اس کا اثبات نہیں کیا ہے[1]

حشر اجساد کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس کے متعلق قدما کا کوئی قول مذکور نہیں حشر اجساد کا مسئلہ شریعتوں میں کم ازکم ہزاروں برس پہلے سے مذکور تھا اور جن لوگوں کا فلسفہ ہم تک پہنچا ہے ان کا زمانہ اس سے کم ہے لیکن حکما کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شدت سے اس مسئلے پر ایمان رکھتے تھے، کیونکہ ان کے خیال میں انسان اپنی مخصوص سعادت تک اسی مسئلہ کے ذریعہ سے پہنچ سکتا تھا اور انسان کے اخلاقی نظری اور علمی فضائل کے لیے یہ مسئلہ ضروری تھا، انسان کی دینی اور دنیوی زندگی صنائع علمیہ اور فضائل نظریہ کی بنیاد پر قائم ہے اور یہ دونوں چیزیں صرف اخلاقی فضائل سے حاصل ہوسکتی ہیں، لیکن اخلاقی فضائل صرف خدا کی معرفت، اس کی تعظیم اور عبادات کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں، بہرحال حکما کے نزدیک شریعت ایک ضروری تمدنی چیز ہے، جس کے اصول عقل و شریعت دونوں سے ماخوذ ہیں، بالخصوص وہ عام اصول جو کم و بیش اختلاف کے ساتھ تمام شریعتوں میں مذکور ہیں، ان کی نسبت حکما کا خیال ہے کہ ان کے متعلق نفیاً اور اثباتاً کوئی بحث نہ کی جائے فلسفہ تو صرف بعض عقلا کو جو فلسفہ کی تعلیم حاصل کرسکتے ہیں، سعادت کی راہ دکھاتا ہے، اور شریعت عام جمہور کو تعلیم دینا چاہتی ہے، اگرچہ ہر شریعت میں ایسی باتیں مذکور ہیں جو صرف حکما کے ساتھ مخصوص ہیں، لیکن چونکہ اس مخصوص گروہ کا وجود اور اس کی سعادت بھی جمہور کے اشتراک پر موقوف ہے اس لیے اس مخصوص گروہ کے لیے بھی عام تعلیم ضروری تھی تمام حکما اس پر متفق ہیں کہ علمی اصول تقلیداً حاصل کرنے چاہئیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام حکما کی رائے میں علمی اصول میں انبیاء کی تقلید کرنی چاہیئے

---

[1] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۱۲۱، ۱۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حشر اجساد کا انکار صرف ملاحدہ کرتے ہیں اور امام صاحب نے اس گروہ کی تردید میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔[1]

اب اگران دونوں کتابوں کو پیش نظر رکھ کر فلسفہ یا کم از کم فلسفیانہ مسائل کی تاریخ مرتب کی جائے تو اس سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کے زمانے میں جو فلسفہ موجود تھا، وہ خالص ارسطو کا فلسفہ نہ تھا بلکہ اس میں باطنیہ ملاحدہ اور دوسرے مسلمان فلسفیوں کے خیالات بھی شامل ہو گئے تھے، امام صاحب نے اگرچہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ وہ صرف فلسفہ ارسطو کی تردید میں لکھی گئی ہے لیکن درحقیقت انہوں نے صرف فلسفہ ارسطو کی تردید نہیں کی ہے، بلکہ تمام فلسفیوں کی رائے کو شامل کرلیا ہے[2] اور ابن رشد نے اس کتاب کی تردید صرف اس اصول کی بناء پر کی ہے کہ امام صاحب کو اسی مخلوط فلسفہ کی وجہ سے فلسفیوں کے مسائل کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہے، وہ جن مسائل کو فلسفہ کا مسئلہ سمجھتے ہیں وہ درحقیقت فلسفہ کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ دوسروں کے عقائد و خیالات ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ امام صاحب اور اپنی کتاب کے متعلق لکھتا ہے کہ "تہافت الفلاسفہ" کے بجائے اس کتاب کا موزوں نام تہافت المطلق یا تہافت ابی حامد اور ہماری کتاب کا نام کتاب التفرقہ بین الحق والتہافت من الاقاویل ہونا چاہیے۔[3] اس اصول کے مطابق ہم صرف چند مسئلوں کو لیتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ان مسائل کے متعلق فلسفیوں کی کیا رائے تھی۔

(۱) ان میں پہلا مسئلہ قدم عالم کا ہے، جو امام صاحب کے نزدیک موجب تکفیر ہے لیکن فلسفیوں کے نزدیک عالم کے قدیم ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ وہ دائمی حدوث کی حالت میں رہتا ہے یعنی اس کے حدوث کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں ہے، اس لیے جو ذات اس قسم کا دائمی حدوث پیدا کرتی ہے اس پر احداث کا لفظ اس ذات سے زیادہ صحیح طور پر بولا جاتا ہے جو ایسا احداث پیدا

---

[1] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵ تاریخ فلاسفۃ الاسلام محمد لطفی جمعہ ص ۱۹۵

[2] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۱۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہے جس کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، اس بنا پر عالم خدا کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے لیے قدیم کے لفظ سے حادث کا زیادہ موزوں ہے، لیکن حکماء حادث کے بجائے عالم کو قدیم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس حادث سے ممتاز ہوجائے جو کسی چیز سے پیدا ہوتا ہے، کسی زمانے میں پیدا ہوتا ہے اور عدم کے بعد وجود آتا ہے۔

فلاسفہ کا خیال ہے کہ بعض موجودات ایسی ہیں جن کی فصل ذاتی صرف حرکت ہے، مثلاً ہوا وغیرہ آسمان اور ان کے سوا اس قسم کی جس قدر موجودات ہیں، ان کے وجود کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ حرکت میں رہتے ہیں، اور جب یہ حالت ہے تو وہ ازل سے ابد تک دائمی حدوث کی حالت میں رہیں گے، اس لیے جس طرح ایک موجود ازلی پر موجود غیر ازلی سے زیادہ صداقت و موزونیت کے ساتھ وجود کا لفظ بولا جا سکتا ہے اسی طرح جس چیز کا حدوث ازلی ہے، اس پر حدوث کا لفظ اس چیز سے زیادہ صداقت اور موزونیت کے ساتھ بولا جا سکتا ہے، جس کا حدوث کسی خاص وقت تک محدود ہے اگر عالم کی یہ شان نہ ہوتی، یعنی اس کی ذات میں دائمی حرکت نہ پائی جاتی تو وہ موجود ہوجانے کے بعد خدا کا محتاج نہ ہوتا، جیسا کہ گھر جب بن کر تیار ہوجاتا ہے تو وہ معمار کا محتاج نہیں رہتا، اس لیے عالم موجود ہوجانے کے بعد بھی اپنے وجود کے قائم رکھنے کے لیے خدا کا محتاج رہتا ہے۔

امام غزالی سمجھتے ہیں کہ فلاسفہ خدا کو صانع عالم صرف اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ فقط اس کی علت ہے، کیونکہ علت و معلول کا وجود لازمی طور پر ایک ساتھ ہوتا ہے، لیکن علت و معلول کے وجود کا یہ تلازم صرف علت صوری اور علت غائی تک محدود ہے، علت فاعلی میں یہ تلازم ضروری نہیں بسا اوقات علت فاعلی پائی جاتی ہے، اور اس کا معلول نہیں پایا جاتا، لیکن فلاسفہ خدا کو عالم کی علت فاعلی مانتے ہیں جو ہمیشہ سے اس کی علت فاعلی ہے اور ہمیشہ اس کی علت فاعلی رہے گا یہ مسئلہ ہمیشہ سے متبعین ارسطو اور متبعین افلاطون کے درمیان مابہ النزاع رہا ہے، کیونکہ جب افلاطون حدوث عالم کا قائل ہوا تو اس کے معنی یہ تھے کہ وہ عالم کا ایک فاعل اور صانع تسلیم کرتا ہے، لیکن جب ارسطو نے قدم عالم کا نظریہ قائم کیا تو متبعین افلاطون کے دل میں یہ شک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوا کہ وہ صانع عالم کا منکر ہے، لیکن متبعین ارسطو نے اس کا جواب یہ دیا کہ آسمانوں کا وجود صرف حرکت سے قائم ہے، اس لیے جو شخص آسمانوں کو حرکت دیتا ہے وہی ان کے وجود کو بھی پیدا کرتا ہے اور وہی عالم میں وحدت و یکرنگی پیدا کرتا ہے، مثلاً جو شخص چند چیزوں کو ترکیب دے ایک وحدانی شکل پیدا کرتا ہے وہی ان اجزا کو بھی پیدا کرتا ہے جن سے یہ ترکیب پیدا ہوئی ہے، یہی معاملہ خدا اور عالم کا بھی ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ خدا کا فعل حادث ہے کیونکہ اس نے صرف حرکت پیدا کی ہے، اور حرکت ایک حادث چیز ہے، اس کو قدیم صرف اس معنی میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ابتدا اور انتہا نہیں ہے، قدم عالم کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس میں قدیم چیزیں پائی جاتی ہیں کیونکہ اس میں تو حرکت پائی جاتی ہے اور وہ بہرحال حادث ہے چونکہ اشاعرہ نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا، اس لیے وہ اس کو نہ سمجھ سکے کہ جب خدا قدیم ہے تو عالم کیونکر قدیم ہو سکتا ہے، بہرحال عالم کے لیے قدیم کے بجائے حدوث دائم کا لفظ زیادہ موزوں ہے[۱]

اب عالم کے حدوث و قدم کی بحث محض نزاع لفظی کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور خود امام صاحب نے تہافت الفلاسفہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فلسفہ کے مختلف فیہ مسائل کی ایک قسم محض نزاع لفظی ہے مثلاً وہ خدا کو جوہر کہتے ہیں اور جوہر سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے وجود میں کسی محل کا محتاج نہیں، بلکہ بذات خود قائم ہے، جوہر سے یہ مراد نہیں، کیونکہ خدا کا قائم بالذات ہونا تو بہرحال ایک متفقہ مسئلہ ہے صرف یہ نزاع باقی رہ جاتی ہے کہ لغوی حیثیت سے خدا کو جوہر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ پھر اگر لغوی حیثیت سے یہ جائز ہے تو شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ لیکن بہرحال یہ ایک لغوی اور فقہی بحث ہے، نفس مسئلہ یعنی خدا کے قائم بالذات ہونے میں کوئی اختلاف نہیں[۲]

بعینہٖ یہی حال عالم کے حدوث و قدم کا بھی ہے اگر فلاسفہ اس کو قدیم کہتے ہیں تو اس کے

---

[۱] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۴۴، ۴۵، ۴۶ [۲] تہافت الفلاسفہ امام غزالی ص ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کا حدوث دائمی ہے جس کی ابتدا و انتہا نہیں۔ لیکن بہرحال فلاسفہ و متکلمین دونوں کے نزدیک عالم ایک حادث چیز ہے البتہ یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ شریعت نے حدوث عالم کی جو تعلیم دی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

ابن رشد کے نزدیک شریعت نے جو حدوث عالم کی جو تعلیم دی ہے اس کا تعلق صورت جسمیہ سے ہے یعنی موجودات کی صورتیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور ایک صورت کے بعد دوسری صورت پیدا ہوتی رہتی ہے اور ان مختلف صورتوں کا حدوث کسی مادہ سے ہوتا ہے اور زمانے کے اندر ہوتا ہے لیکن خود ممکنات کے مادہ کا جو تعلق خدا کے ساتھ ہے اس کی نوعیت شریعت نے نہیں بتائی ہے کیونکہ اولاً تو یہ مسئلہ عوام کی سمجھ سے باہر تھا دوسرے ان کی سعادت کے لیے غیر ضروری تھا البتہ اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ مادہ بھی مخلوق ہے اور وہ لاشئی یعنی عدم سے پیدا ہوا ہے لیکن فلاسفہ خواہ حدوث عالم کے قائل ہوں یا قدم عالم کا عقیدہ رکھتے ہوں، دونوں اس معاملہ میں اشاعرہ سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن اگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ شریعت اس قسم کے مسائل سے متعلق جن کی نسبت وہ خاموش ہے، غور و فکر کرنے کی ممانعت کرتی ہے، اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ لوگ غور و فکر کرتے کرتے یہاں تک کہنے لگیں گے کہ اس چیز کو تو خدا نے پیدا کیا ہے پھر خدا کو کس نے پیدا کیا؟ تو جب تم میں کسی کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہو تو سمجھو یہ خالص ایمان ہے، کیونکہ اس قسم کی جستجو وسوسہ ہے اور وسوسہ کی نسبت حدیث میں آگیا ہے کہ وہ خالص ایمان ہے[1]۔

(۲) دوسرا مسئلہ جس کی بناء پر امام صاحب نے فلسفیوں کی تکفیر کی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کو ان جزئیات کا علم حاصل نہیں ہوتا جن میں زمانے کے لحاظ سے تغیر پیدا ہوتا رہتا ہے، بلکہ اس کو ان کا علم کلی طور

---

[1] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۹۸-۹۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ہوتا ہے، مثلاً سورج میں اس وقت گہن نہیں لگا ہے اسکے بعد لگا اور پھر زائل ہوگیا، یہ تین حالتیں ہیں اور ان تینوں حالتوں میں جو علم ہم کو حاصل ہوتا ہے وہ مختلف اور متعدد ہے اور علم کے اس اختلاف و تغیر سے خود عالم کی ذات میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور خدا کی ذات تغیر سے منزہ ہے لیکن باایں ہمہ خدا کو ان تینوں حالتوں کا علم، جس میں تغیر نہیں ہوتا، یعنی وہ ایک ہی کلی علم کے ذریعہ سے ان تینوں حالتوں کا علم رکھتا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو زمانے کے لحاظ سے منقسم ہیں، لیکن جو چیزیں مادہ و مکان کے لحاظ سے منقسم ہوتی ہیں، ان کا علم بھی خدا کو کلی طور پر ہوتا ہے، مثلاً خدا زید، عمرو اور خالد کے عوارض و اوصاف کو تو نہیں جانتا۔ صرف انسان مطلق کے عوارض و اوصاف کو کلی طور پر جانتا ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ ایک ایسا اصول ہے جس کے تسلیم کر لینے سے شریعت کی بالکل بیخ کنی ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کو زید کے کفر و اسلام کا علم نہیں ہے بلکہ وہ کلی طور پر صرف انسان کے کفر و اسلام سے واقف ہے، بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور پیغمبر نے نبوت کا دعویٰ کیا، بلکہ وہ صرف اس قدر جانتا ہے کہ بعض انسان نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے یہ اوصاف ہوتے ہیں۔

لیکن ابن رشد کے نزدیک امام صاحب کے تمام اعتراضات کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ خالق کے علم کو مخلوق کے علم کے مشابہ سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے پر قیاس کرتے ہیں مثلاً انسان مادیات کا علم حواس کے ذریعہ سے اور مجردات کا علم عقل کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے اور ان دونوں صورتوں میں معلومات اس کے علم کی علت ہوتی ہیں، مثلاً جو چیزیں آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں، اگر وہ موجود نہ ہوں تو انسان کو ان کا علم نہ ہو، اور اگر مجردات کا وجود نہ ہو تو عقل کو ان کا علم حاصل نہ ہو، اس لیے جب انسان کا علم خود معلومات کا تابع و معلول ہے تو معلومات کے تغیر و تعدد سے انسان کے علم میں بھی تغیر و تعدد پیدا ہو جاتا ہے لیکن فلاسفہ کے نزدیک خدا کا علم خود علت ہے، معلومات کا معلول نہیں ہے، اس لیے اس کے علم کا قیاس انسانی علم پر نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ محققین فلاسفہ کے نزدیک خدا کو موجودات کا جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کلیت یا جزئیت کے ساتھ متصف نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو سکتا، کیونکہ کلیت و جزئیت کے ساتھ وہ علم متصف ہوتا ہے جو عقل انفعالی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور خدا عقل محض ہے، اس لیے انسانی علم پر خدا کے علم کا قیاس صحیح نہیں ہے، بہرحال فلاسفہ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا عقل محض ہے اور عقل کو صرف موجودات کا علم ہوتا ہے، معدومات کا نہیں ہوتا لیکن جن موجودات کا علم انسان کو ہوتا ہے ان کے سوا دوسری چیزیں موجود نہیں ہیں، اس لیے لامحالہ خدا کے علم کا تعلق بھی ان ہی موجودات سے ہوگا لیکن جس طرح ان سے انسانی علم کا تعلق ہوتا ہے، اس طرح خدا کے علم کا تعلق ان کے ساتھ نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے بہتر طریقہ پر ہوتا ہے، اس صورت میں موجودات کے لیے دو وجود تسلیم کرنے پڑیں گے، ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ، جن میں اعلیٰ ادنیٰ کی علت ہوگا، قدماء فلاسفہ جو یہ کہتے ہیں کہ "خدا کل موجودات ہے وہ سب اسی کا فیض ہیں، وہی ان کا بنانے والا ہے"۔ اس کے یہی معنی ہیں، اسی لیے رؤسا صوفیہ کہتے ہیں کہ "خدا نہیں ہے مگر خدا"۔

(۳) الٰہیات کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ خدا صانع عالم ہے، لیکن یہ مسئلہ فلسفیوں کے اصول کے مطابق ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ فاعل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس سے فعل کا صدور، ارادہ اختیار اور علم سے ہو، لیکن فلسفیوں کے اصول کے مطابق خدا کی ذات سے عالم کا صدور اسی طرح ہوتا ہے جس طرح علت سے معلول کا صدور ہوتا ہے یعنی ایک اضطراری اور لازمی فعل ہے، جس طرح انسان سے اس کا سایہ اور سورج سے اس کا نور جدا نہیں ہو سکتا، اسی طرح خدا اور عالم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے لیکن اس کو فعل نہیں کہہ سکتے بلکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چراغ روشنی کو اور انسان اپنے سایہ کو پیدا کرتا ہے تو یہ ایک قسم کا مجاز ہوگا کیونکہ فاعل بہرحال ایک سبب ہوتا ہے اور چراغ روشنی کا سبب ہے لیکن درحقیقت فاعل کو صرف اس کے سبب ہونے کی بناء پر سبب نہیں کہہ سکتے بلکہ اس بناء پر کہتے ہیں کہ وہ ایک مخصوص قسم کا سبب ہے یعنی اس سے فعل کا صدور ارادہ اختیار سے ہوتا ہے۔

غرض امام صاحب کے نزدیک خدا کا صانع عالم ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے اس کا صدور ارادہ واختیار سے ہو، لیکن فلسفیوں کے اصول کے مطابق جس طرح سورج سے اضطراراً روشنی پیدا ہوتی ہے اور اگر وہ اس روشنی کو روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا۔ بعینہٖ اسی طرح خدا سے عالم کا صدور ہوتا ہے اس لیے اس کو صرف مجازاً صانع عالم کہہ سکتے ہیں حقیقۃً نہیں کہہ سکتے"۔

لیکن ابن رشد کہتا ہے کہ یہ مسئلہ کہ فاعل کے لیے ارادہ اختیار اور علم ضروری ہے، جہاں تک صانع عالم کا تعلق ہے نہ بدیہی ہے نہ مسلم ہے اس پر یا تو دلیل قائم کرنا چاہیئے یا یہ ماننا چاہیئے کہ حاضر یعنی انسان اور حیوان کا جو حکم ہے وہی غائب یعنی خدا پر بھی صادق آتا ہے لیکن دونوں باتیں ثابت نہیں ہیں، کیونکہ دنیا میں ہم جن چیزوں کو فاعل اور موثر کہتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ صرف ایک ہی قسم کا فعل کرتی ہیں، مثلاً آگ صرف حرارت کو اور پانی صرف برودت کو پیدا کرتا ہے اور ان ہی چیزوں کو فلاسفہ فاعل بالطبع اور موثر بالطبع کہتے ہیں، دوسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جو ایک وقت میں ایک کام کرتی ہیں، پھر دوسرے وقت میں اس کے خلاف کام کرتی ہیں اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کو مرید و مختار کہا جاتا ہے اور ان کا فعل علم و ارادہ سے صادر ہوتا ہے، لیکن فلاسفہ کے نزدیک جس طرح مادی چیزوں کا فعل ان دونوں اوصاف سے متصف ہوتا ہے اس طرح خدا کا فعل ان دونوں اوصاف سے متصف نہیں ہوتا اس کا فعل طبعی تو اس لیے نہیں ہو سکتا کہ طبعی فعل بغیر علم کے صادر ہوتا ہے اور خدا کے فعل کا صدور علم سے ہوتا ہے اسی طرح اس کو مختار و مرید بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ مختار اس شخص کو کہتے ہیں جو دو صورتوں میں سے ایک بہتر صورت کو اختیار کر لیتا ہے اور خدا کو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں خود تمام بہتر صورتیں موجود ہیں اس کو مرید بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ مرید اس شخص کو کہتے ہیں جس کی مراد جب پوری ہو جاتی ہے تو اس کا ارادہ زائل ہو جاتا ہے بہر حال ارادہ انفعال اور تغیر کا نام ہے، اور خدا کی ذات میں تغیر نہیں ہوتا، بہر حال خدا جس حیثیت سے صانع عالم ہے اس کی نظیر موجودہ مادی چیزوں کے ارادہ میں موجود نہیں، اس لیے خداوند تعالےٰ مرید تو ضرور ہے لیکن اس کا ارادہ انسانی ارادہ کے مشابہ نہیں ہے، جس طرح اس کا علم انسانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم کے مشابہ نہیں ہے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ محسوس چیزوں میں جن چیزوں کو فاعل بالاختیار یا فاعل بالطبع کہا جاتا ہے اس معنی میں خدا نہ فاعل بالاختیار ہے نہ فاعل بالطبع بلکہ وہ ان سے زیادہ اکمل واشرف طریقے سے تمام چیزوں کو عدم وجود میں لاتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے، کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک خدا کا فعل علم سے صادر ہوتا ہے جس پر اس کو کوئی ذاتی یا خارجی چیز مجبور نہیں کرتی، بلکہ فعل کا صدور محض اس کے فضل وکرم سے ہوتا ہے وہ مرید ومختار تو یقیناً ہے لیکن اس کا ارادہ واختیار دوسرے ارادہ واختیار رکھنے والوں سے اعلیٰ وافضل ہے کیونکہ مادی چیزوں کے ارادہ میں جو نقص ہوتا ہے وہ اس کے ارادہ میں نہیں ہوتا[1]

فلاسفہ پر یہ اتہام ہے کہ خدا فاعل بالطبع ہے یعنی جس طرح آگ سے طبعی طور پر حرارت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح خدا سے طبعی طور پر تمام افعال صادر ہوتے ہیں، بلکہ فلاسفہ کے نزدیک موجودات کا وجود خدا کی ذات سے ایسے طریقہ پر ہوتا ہے جو طبیعت اور ارادہ انسانیہ دونوں سے بالاتر ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں صورتیں نقص سے خالی نہیں کیونکہ انسانی ارادہ میں حرکت پائی جاتی ہے اور خدا حرکت سے منزہ ہے اس لیے موجودات کا صدور اس سے ایک ایسے ارادہ سے ہوتا جو انسانی ارادہ سے اشرف ہے لیکن اس اشرف کی وجہ خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں[2]۔

اگرچہ جیسا کہ خود ابن رشد نے اعتراف کیا ہے، اس نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب کا سب برہانی نہیں ہے[3] تاہم اس نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو متکلمین وفلاسفہ کے درمیان الٰہیات کے مسائل میں جو اختلافات ہیں وہ بہت کچھ دور ہو جائیں، مثلاً وہ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ خدا کا علم صدق وکذب سے متصف نہیں ہو سکتا بلکہ صدق وکذب، انسانی علم کا وصف ہے مثلاً انسان کی نسبت تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے غیر کو جانتا ہے یا نہیں جانتا یہ دونوں متناقض صورتیں ہیں جب ان میں سے ایک صادق ہو گی تو دوسری کاذب

---

[1] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۴۱، ۴۲ [2] ایضاً ص ۱۱۱ [3] ایضاً ص ۱۰۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گی لیکن خدا کے علم پر یہ دونوں صورتیں صادق آتی ہیں یعنی وہ جانتا بھی ہے لیکن اس طرح نہیں جانتا جس سے اس کی ذات میں کوئی نقص پیدا ہو، البتہ اس علم کی کیفیت خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں، یہی حال کلیات وجزئیات کا بھی ہے کہ خدا کو ان کا علم بھی ہے اور نہیں بھی ہے قدماء فلاسفہ کا یہی اصول ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ کلیات کو تو جانتا ہے لیکن جزئیات کو نہیں جانتا وہ ان کے مذہب سے واقف نہیں کیونکہ تمام انسانی علوم، موجودات کے تاثر وانفعال سے پیدا ہوتے ہیں اور موجودات ان میں موثر ہوتے ہیں لیکن خدا کا علم اس کے برعکس موجودات پر اثر ڈالتا ہے اور موجودات اس سے متاثر ہوتے ہیں اس لیے اگر اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو خدا کے علم کے متعلق تمام نزاعین ختم ہو جائیں[1]

فلسفہ اخلاق

فلسفہ کے تمام اقسام میں اگرچہ الٰہیات کے اکثر اور طبیعات کے چند مسائل کے سوا کوئی قسم شریعت کے مخالف نہیں ہے تاہم امام صاحب کے نزدیک فلسفہ کی ہر قسم سے کوئی نہ کوئی شرعی نقصان انسان کو ضرور پہنچتا ہے، صرف فلسفہ اخلاق ایک ایسی قسم ہے جس سے ضلالت وگمراہی کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ فلاسفہ یونان کی طبعزاد چیز نہیں بلکہ وہ آسمانی کتابوں اور صوفیوں کے مواعظ وحکم سے ماخوذ ہے جن کی ایک جماعت فلاسفہ یونان کے زمانے میں موجود تھی اور ہر زمانے میں موجود رہتی ہے ممکن ہے کہ امام صاحب کا یہ دعویٰ حکمائے اسلام کے متعلق تسلیم کر لیا جائے لیکن حکمائے یونان کے فلسفہ اخلاق کو مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ یونان میں ہزاروں دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی اور ان میں سے بعض دیوتا لذت پرستی اور فسق وفجور کی ترغیب دیتے تھے تاہم ان میں کوئی شبہ نہیں کہ حکمائے یونان اور حکمائے اسلام

---

[1] تہافتہ تہافت الفلاسفہ لابن رشد ص ۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے فلسفہ اخلاق کا جو ذخیرہ جمع کیا تھا وہ صوفیانہ نقطہ نظر سے امام صاحب کے لیے خاص طور پر دلچسپ تھا اور انہوں نے اسی حیثیت سے اس پر نظر ڈالی ہے اور اس کو بے انتہا ترقی دی ہے۔

حکمائے یونان میں ارسطو نے فلسفہ اخلاق میں دو کتابیں لکھی تھیں جو بارہ مقالوں میں تھیں، پارفرس نے جس کو اہل عرب فرفوریوس کہتے ہیں، ان کی تفسیر کی تھیں، اور حنین بن اسحاق نے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا تھا، ارسطو نے ایک اور کتاب اسی فن میں فضائل نفس کے عنوان سے لکھی تھی جس کو ابوعثمان دمشقی نے جو یونانی اور عربی دونوں زبانوں میں نہایت کمال رکھتا تھا، عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔

جالینوس نے بھی اخلاق کے بعض مسائل پر ایک کتاب لکھی تھی، جس کا موضوع یہ تھا کہ انسان اپنے عیوب سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے"۔ اس کتاب کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔

خود حکمائے اسلام نے اس موضوع پر جو کتابیں لکھیں ان کے نام یہ ہیں۔

آراء المدینۃ الفاضلہ	حکیم ابونصر فارابی کی تصنیف ہے جو یورپ میں چھپ گئی ہے، اور اس میں اخلاق کی بہ نسبت سیاست کے اصول زیادہ لکھے ہیں۔
کتاب البر والاثم	ابوعلی سینا کی تصنیف ہے اور نہایت مختصر ہے
تہذیب الاخلاق	حکیم ابن مسکویہ کی تصنیف ہے جو بوعلی سینا کا معاصر اور بہت سے فنون میں اس کا ہم پلہ تھا یہ کتاب درحقیقت یونانی فلسفہ کا خلاصہ ہے، اکثر جگہ ارسطو جالینوس اور برومن کے عربی ترجموں کی اصلی عبارتیں نقل کر دی ہیں۔

یہ تمام تصنیفات فلسفیانہ انداز پر تھیں مذہب سے ان کو لگاؤ نہ تھا، ان کے علاوہ اخوان الصفا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے رسالوں میں بھی فلسفہ اخلاق کے مختلف مسائل پر بحث کی گئی ہے اور اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ امام صاحب نے ان کتابوں سے کس قدر فائدہ اٹھایا ہے ،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کتابوں میں امام صاحب نے ابن مسکویہ کتاب تہذیب الاخلاق سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا ہے ، چنانچہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق احیاء العلوم میں جو مضمون لکھا ہے وہ تمام تر ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق سے ماخوذ ہے ، علامہ شبلی مرحوم نے الغزالی (ص ۲۵۳ تا ۲۵۵) میں اور ڈاکٹر زکی مبارک نے الاخلاق عند الغزالی (ص ۷۲ تا ۷۸) میں بالمقابل امام صاحب اور ابن مسکویہ کی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں صرف چند الفاظ اور فقروں کا فرق ہے ورنہ وہ بعینہ تہذیب الاخلاق کی نقل ہے رسائل اخوان الصفا کو بھی امام صاحب نے دیکھا ہے ، لیکن واضح طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امام صاحب نے اخلاقی مباحث میں ان رسالوں سے کس قدر فائدہ اٹھایا ہے ، لیکن امام صاحب نے اخلاقی مباحث میں ان فلسفیانہ خیالات و نظریات سے اس بناء پر فائدہ اٹھایا ہے کہ شریعت اور تصوف میں ان کی اصل موجود ہے یا کم از کم وہ کتاب و سنت کے مخالف نہیں ہیں ، چنانچہ منقذ من الضلال میں لکھتے ہیں کہ اسرار شریعت میں ہماری تصنیفات کے چند متفرق فقروں پر چند لوگوں نے جو علم میں پختہ کار نہیں ہیں اور مذہب کے انتہائے مقصود تک ان کی نگاہ نہیں پہنچی ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ حکمائے قدیم سے ماخوذ ہیں ، حالانکہ ان میں سے بعض باتیں تو خود میری طبعزاد ہیں ، اور ممکن ہے کہ قدم پر قدم پڑ گیا ہو (یعنی قدماء سے توارد ہو گیا ہو) اور بعض کتب شرعیہ میں موجود ہیں ، اور اکثر باتیں ایسی باتیں ہیں ، جن کی اصل صوفیہ کی کتابوں میں موجود ہے اچھا یہ فرض کرلو کہ یہ باتیں حکما کی کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتیں ، لیکن اگر وہ باتیں معقول و مدلل ہیں اور قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہیں تو پھر ان کے چھوڑنے اور ان سے انکار کرنے کی وجہ کیا ہے ؟ اگر ہم ایسا کرنے میں آئیں اور ان تمام سچی باتوں کو رد کر دیا کریں جو پہلے کسی بدعقیدہ کے خیال میں گذریں تو ہم کو بہت سی سچی اور حق باتوں کو چھوڑ دینا پڑے گا ۔

لیکن باایں ہمہ امام صاحب نے فن اخلاق کی فلسفیانہ کتابوں سے جو فائدہ اٹھایا ہے وہ چند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسائل تک محدود ہے، چنانچہ ڈاکٹر زکی مبارک نے لکھا ہے کہ فضائل و رذائل کی تقسیم، ان کے حاصل کرنے اور ان سے بچنے کے طریقے جو امام صاحب نے لکھے ہیں وہ ان فلاسفہ سے ماخوذ ہیں جنہوں نے اخلاق وادب اجتماعیہ پر کتابیں لکھی ہیں۔

امام صاحب نے اخلاق کے بنیادی اصول بھی حکمائے یونان کی رائے کے مطابق قائم کئے ہیں، توسط واعتدال کا نظریہ انہوں نے ارسطو سے اخذ کیا ہے مثلاً غصہ کا جذبہ اگر اعتدال سے متجاوز ہو جائے تو اس کو تہور کہتے ہیں اور اگر کم ہو جائے تو اس کا نام بزدلی ہے اور ان دونوں کے درمیان کی جو حالت ہے اس کا نام بہادری اور شجاعت ہے اور اسی درمیانی درجہ کا نام خلق اور اس کے دونوں اطراف یعنی تہور اور بزدلی کو بداخلاقی کہتے ہیں، افلاطون سے انہوں نے نظریہ مماثلت کو لیا ہے جس کے معنی خدا کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کے ہیں کیونکہ افلاطون کی رائے میں خدا مخلوقات کے تمام اوصاف کمالیہ کا مجموعہ ہے اور اس کے نزدیک صاحب اخلاق وہ شخص ہے جو خدا کو ہمیشہ اپنی نگاہ کے سامنے اس طرح رکھتا ہے جس طرح ایک صناع صنعتی نمونوں کو اپنی نگاہ کے سامنے رکھتا ہے اور امام صاحب کے نزدیک بھی جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا ہے اسی قدر کو خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق کا مجموعہ ہیں اور آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ وصف کبریائی کے سوا ہم خدائی اخلاق کو اختیار کریں، اس لیے امام صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت و تقلید و افلاطون کے تشابہ باللہ کے مشابہ ہے۔

امام صاحب نے نظریہ توافق کو بھی افلاطون سے اخذ کیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام قویٰ و ملکات میں ایسا توازن و تناسب پیدا کیا جائے جس سے انسان کے تمام اخلاقی پہلوؤں کی تکمیل ہو جائے اور امام صاحب نے اسی نظریہ کی تشریح اس طرح کی ہے کہ، انسان کے حسن ظاہری کی تکمیل صرف دونوں آنکھوں کی خوبصورتی سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے ساتھ ناک منہ اور رخسار میں بھی حسن ہونا چاہیئے تاکہ حسن ظاہری کی تکمیل ہو، اسی طرح انسان کے باطن میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی چار عناصر ہیں جن میں حسن کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ اخلاق کی تکمیل ہو، جب ان چاروں عناصر میں توازن، تناسب اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے تو حسن خلق کا وجود ہوتا ہے، یہ چاروں عناصر یہ ہیں قوت علم، قوت غضب، قوت شہوت، قوت عدل، قوت علم کا حسن یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اقوال کے درمیان صدق و کذب کا عقائد کے درمیان حق و باطل کا اور افعال کے درمیان نیک و بد کا فرق معلوم ہو سکے، اس قوت کی صلاحیت سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور حکمت ہی تمام اخلاق حسنہ کی بنیاد ہے، قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ کا حسن بھی یہی ہے کہ مقتضائے حکمت کے موافق ان کا استعمال کیا جائے، امام صاحب نے اسی نظریہ توافق کا عدل نام رکھا ہے[1]

فلسفہ اخلاق کی فلسفہ تصنیفات کے ساتھ امام صاحب نے اس فن کی جن صوفیانہ تصنیفات کو پیش نظر رکھا ہے، ان میں رسالہ قشریہ، قوت القلوب ابوطالب کی ذریعہ الی علم الشریعتہ للراغب الاصفہانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، رسالہ قشریہ اور قوت القلوب کے ماخذ ہونے کا ذکر علامہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ میں یہ تصریح کیا ہے، اور ذریعہ کا ماخذ ہونا خود دونوں کتابوں کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کشف الظنون وغیرہ میں لکھا ہے کہ ذریعہ امام صاحب کے پیش نظر رہا کرتی تھی، اس سے بھی فی الجملہ اصل حقیقت کا سراغ لگتا ہے، لیکن ان میں امام صاحب کا اصلی ماخذ قوت القلوب ہے جس کا اندازہ یہ ہے کہ جو عنوان قائم کیا ہے اس کے متعلق قرآن مجید پھر احادیث پھر صحابہ، پھر تابعین کے اقوال و افعال نقل کئے ہیں، احیاء العلوم کا بھی یہی انداز ہے، اور اس طرز میں قوت القلوب کی اس قدر پیروی کی ہے کہ کوئی شخص دونوں کتابوں کا مقابلہ کرے تو امام صاحب کی نسبت سرقہ کی بدگمانی ہوگی، دو دو چار چار سطروں میں ایک آدھ لفظ کا کہیں فرق ہو جاتا ہے بعض جگہ ایک لفظ کی جگہ اسی کا مترادف دوسرا لفظ لکھ دیتے ہیں، علامہ مرتضیٰ حسینی نے احیاء العلوم کی جو شرح لکھی ہے اس میں اکثر التزام کیا ہے کہ احیاء العلوم کی عبارت کے ساتھ ساتھ

---

[1] الاخلاق عند الغزالی ص ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوت القلوب کے الفاظ بھی لکھتے جاتے ہیں جس سے بآسانی اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے [1]

خود امام صاحب نے نہایت دیانتداری اور بے نفسی سے اس بات کو ظاہر کر دیا ہے کہ انہوں نے قدما کی تصنیفات کو سامنے رکھ کر احیاء العلوم کو لکھا ہے، البتہ انہوں نے اس میں جو تصرفات کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) قدیم تصنیفات میں جو اجمال تھا اس کی تفصیل،

(۲) پراگندہ مضامین کی ترتیب

(۳) طویل مضامین کا اختصار

(۴) مکرر مضامین کا حذف

(۵) بہت سے دقیق اور غامض مسائل کا حل جن کا قدیم تصنیفات میں نام و نشان تک نہ تھا

اس جامعیت اور اس طرز تصنیف نے فلسفہ اخلاق کو نہایت دلچسپ عام فہم اور مقبول عام بنا دیا۔ امام صاحب سے پہلے فلسفہ اخلاق کی جو کتابیں فلسفیانہ انداز پر لکھی گئی تھیں، ان میں قبولیت اور عام رواج کی صلاحیت نہ تھی، ان میں ایک طرف تو یہ نقص تھا کہ مشکل پسندی کی وجہ سے عام لوگوں کے استعمال کے قابل نہ تھیں، دوسری طرف بڑی کمی یہ تھی کہ مذہبی پیرایہ نہیں رکھتی تھیں اور اس وجہ سے بجز ایک محدود فرقہ کے نہ عام لوگوں میں رواج پا سکتی تھیں، نہ ان کے ساتھ وہ عقیدت اور گرویدگی پائی جاتی تھی جو مذہبی تصنیفات کے ساتھ مخصوص ہے، ان باتوں کے ساتھ ایک بڑا نقص یہ تھا کہ ان میں بہت سے مسائل اخلاق سرے سے مذکور نہ تھے اور جس قدر مذکور تھے وہ نہایت مجمل تھے۔

مذہبی طرز کی تصنیفات میں چونکہ فلسفہ و عقلیات کی چاشنی بالکل نہ تھی اس لیے حکماء و ارباب معقول اس سے لطف نہیں اٹھا سکتے تھے بلکہ خود مذہبی گروہ میں جو لوگ دقیق النظر اور

---

[1] الغزالی شبلی ص ۶۵ و ۶۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دقت پسند ہوتے تھے ان کو یہ تصنیفات پھیکی معلوم ہوتی تھیں لیکن امام صاحب نے فلسفہ و مذہب دونوں کو ترکیب دے کر احیاء العلوم تصنیف کی جس نے تمام نقائص دور کر دیئے اور اس نے وہ مقبولیت حاصل کی کہ ایک طرف تو آئمۂ اسلام اس کو الہامات ربانی سمجھے اور دوسری طرف ہنری وئس نے تاریخ فلسفہ میں اس کی نسبت لکھا کہ

"اگر ڈیکارٹ (یورپ میں جدید فلسفہ اخلاق کا بانی) کے زمانے میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہو چکا ہوتا تو ہر شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے"[1]

لیکن فلسفہ اخلاق کی فلسفیانہ اور صوفیانہ تصنیفات کے علاوہ محاسن اخلاق کا سب سے بڑا ماخذ خود اسلامی شریعت تھی اور امام صاحب نے چونکہ احیاء العلوم میں نہایت کثرت سے احادیث و اخبار نقل کیے ہیں اس لیے عام خیال یہ ہے کہ امام صاحب نے احیاء العلوم میں بعینہٖ اسلامی اخلاق کی تشریح کی ہے، لیکن درحقیقت یہ بہت بڑا دھوکا ہے، امام صاحب نے یہ تمام حدیثیں صوفیوں کی کتابوں سے لی ہیں، خود حدیث کی صحیح کتابوں کو پیش نظر نہیں رکھا ہے، اس لیے تقریباً ۹ سو ضعیف اور موضوع حدیثیں نقل کر دی ہیں، جن کا کتب احادیث میں کہیں پتہ نہیں، احادیث پر موقوف نہیں، بزرگان سلف کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں، اکثر دوراز کار اور بعید از عقل ہیں اور بجز عوام کے کوئی شخص ان پر یقین نہیں کر سکتا، اسی کے ساتھ زہد اور مجاہدہ کے بیان میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو اعتدال سے متجاوز ہیں علامہ ابن قیم نے نہایت سختی کے ساتھ اس پر دار و گیر کی ہے اور فلسفیانہ حیثیت سے اس پر اس طرح اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ فضائل اخلاق کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) ایجابی، مثلاً عزم و استقلال اور اقدام و شجاعت وغیرہ جن کے ذریعہ سے انسان اپنی

---

[1] الغزالی صفحہ ۶۱۔ ۶۲۔ و ۶۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مملوکہ چیزوں کی حفاظت کرتا ہے اور جو چیزیں اس کو حاصل نہیں ہیں، ان کو حاصل کرتا ہے۔

(۲) اجتماعی، مثلاً دیانت و امانت جن کی انسان کو تمام معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔

(۳) سلبی، مثلاً زہد و تقشف جو انسان کو معمولی حالت پر راضی رکھتے ہیں۔

(۴) انفرادی، مثلاً قناعت ایک ایسی فضیلت ہے جو صرف ایک شخص کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

شریعت اسلامی نے ان چاروں قسم کے فضائل اخلاق کی تعلیم دی ہے اور ان میں جو تضاد پایا جاتا ہے، اس کو اس طرح رفع کر دیا ہے کہ ہر ایک کے محل و مواقع الگ الگ کر دیئے ہیں اور اجتماعی اخلاق کو انفرادی اخلاق پر ترجیح دی ہے، لیکن امام صاحب نے زیادہ تر سلبی اخلاق مثلاً فقر، زہد، توکل، خوف، گمنامی اور خاکساری کے فضائل بیان کئے ہیں، یہی حال انفرادی فضائل کا بھی ہے کہ ان کی کتاب سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تجرد و عزلت نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں، اجتماعی زندگی بسر کرنے والے لوگ مثلاً وزراء، سلفرا اور مدبرین سیاست ان کی کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے [1]

علامہ شبلی نے الغزالی میں اس اعتراض کی تقریر اس طرح کی ہے کہ ایشیائی قوموں میں اخلاق کا جو بہتر سے بہتر نمونہ قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان متواضع ہو، حلیم ہو، دشمنوں سے انتقام نہ لے، سخت بات پر اس کو غصہ نہ آئے، لہو و لعب سے بالکل محترز ہو، شرمگین ہو، قناعت پسند ہو، متوکل ہو، مجلس میں بیٹھے تو بزرگوں کے سامنے لب نہ ہلائے، ہر شخص سے جھک کر ملے، غرض جتنی خوبیاں ہوں قوت منفعلہ سے تعلق رکھتی ہوں، اس کے مقابلہ میں آج شائستہ قوموں کے نزدیک اخلاق کی عمدگی کا معیار یہ ہے کہ انسان آزاد ہو، دلیر ہو، غیرت مند ہو، باحوصلہ ہو، پرجوش ہو، مہمات امور پر اس کی نظر ہو، ہر قسم کے جائز آرام اور لذائذ کا لطف اٹھائے، مختصر یہ کہ جو خوبی ہو وہ قوت فاعلہ کا ظہور ہو

---

[1] الاخلاق عند الغزالی ص ۱۸۴، ۱۸۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں قسم کے مذکورہ بالا اوصاف اپنی اپنی جگہ مدح کے قابل ہیں، لیکن ایک کا میلان پست ہمتی اور دوسرے کا بلند حوصلگی کی طرف ہے، اگر کسی قوم میں صرف پہلی قسم کے اوصاف پائے جائیں تو وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتی، ہماری قوم جو روز بروز تنزل کی طرف مائل ہوتی جاتی ہے، اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ علماء وعظ و پند میں جن محاسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، ان میں جوش، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، آزادی، دلیری اور عزم و استقلال کا ذکر تک نہیں آیا،

پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ احیاء العلوم بھی اگرچہ اس داغ سے پاک نہیں، چنانچہ عزم، ثبات اور استقلال کا کوئی باب نہیں باندھا ہے، تاہم محاسن اخلاق کی جہاں تشریح کی ہے، اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اخلاق کا پلہ رہبانیت، افسردہ دلی اور پست ہمتی کی طرف جھکنے نہ پائے،

بچوں کی ابتدائی تربیت میں سیر، ورزش جسمانی اور مردانہ کھیلوں کو لازمی قرار دیا ہے، اخلاق کے قابل اصلاح ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ قوت غضبیہ کا زائل کرنا تہذیب اخلاق میں داخل نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ بچی حمیت اور خودداری پیدا ہو، یعنی نہ بزدلی ہو نہ تہور، پھر لکھتے ہیں کہ غصہ کا بالکل زائل کرنا کیونکر مقصود ہو سکتا ہے جبکہ خود انبیاء علیہم السلام غصہ و غضب سے خالی نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں آدمی ہوں اور مجھ کو بھی اسی طرح غصہ آتا ہے، جس طرح اور آدمیوں کو" آپ کی یہ حالت تھی کہ جب آپ کے سامنے کوئی ناگوار بات کی جاتی تھی تو کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا، البتہ یہ فرق تھا کہ غصہ کی حالت میں بھی آپ کی زبان مبارک سے کوئی بیجا بات نہیں نکلتی تھی، اسی لیے خدا نے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ کہا والفاقدین الغیظ نہیں کہا"

امام صاحب نے فلسفہ اخلاق پر جو کچھ لکھا ہے، اگرچہ اس کا زیادہ تر حصہ صوفیانہ تصنیفات سے ماخوذ ہے، تاہم انہوں نے صرف ان ہی پر قناعت نہیں کی ہے، بلکہ ہر وہ چیز جو اخلاق کا ماخذ ہو سکتی تھی اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا ہے، زکی مبارک نے الاخلاق عند الغزالی میں لکھا ہے کہ اہل عرب کی نظم و نثر میں اخلاق کا کافی ذخیرہ موجود ہے مدح وہجو بجائے خود ایک فلسفہ اخلاق ہے کیونکہ مدح میں فضائل کا اور ہجو میں رذائل کا بیان ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں فلسفہ اخلاق سے تعلق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتی ہیں، اہل عرب کے خطبات واشعار کے بعد قرآن و حدیث میں اخلاق کا نہایت مفصل بیان ہے، اس کے بعد اخلاقی کتابیں جن میں سب سے مقدم کلیلہ ودمنہ ہے جس کا ترجمہ فارسی زبان سے ابن مقفع نے عربی میں کیا اور اس کے بعد ادب کبیر اور ادب صغیر دو کتابیں خود فن اخلاق میں لکھیں اور امام صاحب نے ان تمام ماخذوں سے فائدہ اٹھایا، تاہم وہ بالکل مقلد نہ تھے بلکہ آزاد خیال تھے انہوں نے بعض میں اشاعرہ اور شافعیہ کی بھی مخالفت کی ہے، لیکن بہرحال وہ قدما کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور جہاں ان کی مخالفت کرتے ہیں احتیاط کے ساتھ کرتے ہیں، اس طرز تصنیف نے امام صاحب کے فلسفہ اخلاق میں جامعیت پیدا کر دی ہے اور اس جامعیت کی بناء پر احیاء العلوم نہ خالص فلسفیانہ کتاب ہے نہ خالص صوفیانہ اور واعظانہ تصنیف بلکہ ایک علمی کتاب ہے اور ابوالحسن شاذلی نے اس پر جو یہ تنقید کی ہے کہ احیاء العلوم علم پیدا کرتی ہے اور قوت القلوب نور، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور ہم اسی علمی حیثیت سے امام صاحب کے فلسفہ اخلاق کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

خلق کی حقیقت

خلق کی حقیقت کے متعلق صوفیہ کے مختلف اقوال ہیں، لیکن درحقیقت انہوں نے خلق کی حقیقت نہیں بیان کی ہے بلکہ صرف اس کے ثمرات و نتائج بیان کئے ہیں اور ان ثمرات و نتائج کا بھی استقصا نہیں کیا ہے، اس لیے اس مسئلہ میں امام صاحب نے ابن مسکویہ کی کتاب کو پیش نظر رکھ کر خلق کی یہ تعریف کی ہے کہ خَلق اور خُلق دو لفظ ہیں، جو ساتھ ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا خَلق اور خُلق اچھا ہے، یعنی اس کے ظاہر و باطن دونوں اچھے ہیں کیونکہ خَلق سے ظاہری صورت اور خُلق سے باطنی صورت مراد ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جسم و روح اور ان میں ہر ایک کی بری یا بھلی ایک صورت اور ہیئت ہوتی ہے، اس بناء پر خلق روح کی اس ہیئت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راسخہ کا نام ہے جس کی وجہ سے افعال کا صدور بلا تکلف اور بغیر غور و فکر کے ہو، اب اگر یہ ہیئت ایسی ہو جس سے ایسے افعال سرزد ہوں جو عقلاً و شرعاً پسندیدہ ہوں تو اس ہیئت کو خوش خلقی کہتے ہیں اور اگر ناپسندیدہ ہوں تو اس کا نام بد خلقی ہے

اس تعریف میں ہیئت راسخہ کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اتفاقیہ یا کسی خاص ضرورت کے پیش آجانے سے اپنا مال صرف کر دے تو اس کو فیاض نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی روح میں فیاضی کا ملکہ راسخہ موجود نہیں ہے، افعال کے لیے تکلف اور بغیر غور و فکر کے سرزد ہونے کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی طبیعت پر زور ڈال کر مال صرف کرتا ہے یا اپنے غصہ کو روکتا ہے تو اس کو فیاض اور حلیم نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ فعل اس سے بے تکلف ظہور میں نہیں آیا، غرض اخلاقی افعال کے ظہور میں چار چیزیں سامنے آتی ہیں ایک تو برے یا بھلے افعال دوسرے ان پر قدرت کا حاصل ہونا تیسرے برے اور بھلے افعال کا علم ہونا چوتھے روح کی وہ ہیئت جس سے وہ ان برے یا بھلے افعال کے کرنے پر بے تکلف مائل ہو لیکن خود فعل کا نام خلق نہیں ہے، کیونکہ بہت سے لوگ فطرۃً فیاض ہوتے ہیں لیکن ناداری یا کسی مجبوری کی وجہ سے فیاضی کا اظہار نہیں کر سکتے، اسی طرح بعض لوگ فطرۃً بخیل ہوتے ہیں لیکن نام و نمود کے لیے یا اور کسی سبب سے مال صرف کر ڈالتے ہیں قدرت کا نام بھی خلق نہیں ہے، کیونکہ بخل اور فیاضی دونوں کے ساتھ قدرت کی نسبت یکساں ہے اور ہر انسان بخل اور فیاضی کی یکساں قدرت رکھتا ہے، علم کا نام بھی خلق نہیں، کیونکہ علم کا تعلق بھی برے اور بھلے اور دونوں کاموں کے ساتھ یکساں ہے، اب حسن خلق صرف روح کی اس ہیئت کو کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے انسان میں بخل اور فیاضی کی قابلیت پیدا ہوتی ہے لیکن جس طرح ظاہری حسن صرف دونوں آنکھوں کے حسن کا نام نہیں بلکہ اس کے ناک، منہ اور گال کو بھی حسین ہونا چاہیئے، اسی طرح باطنی حسن کے بھی چار ارکان ہیں، یعنی قوت علم، قوت غضب، قوت شہوت اور قوت عدل اور جب ان چاروں ارکان میں اعتدال و تناسب پیدا ہو جاتا ہے تو حسن خلق کی تکمیل ہوتی ہے، قوت علم کا حسن یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اقوال میں صدق و کذب کا اعتقادات میں حق و باطل کا اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افعال میں نیک وبد کا فرق آسانی کے ساتھ معلوم ہوسکے جب اس قوت میں حسن پیدا ہوجاتا ہے تو اس سے حکمت پیدا ہوتی ہے، جو تمام اخلاق حسنہ کی بنیاد ہے، اسی بنا پر خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ جس کو حکمت دی گئی ہے اس کو بہت زیادہ بھلائی دی گئی ہے۔

قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ کا حسن یہ ہے کہ وہ حکمت یعنی عقل اور شریعت کے زیر اقتدار رہیں۔ قوت عدل کا حسن یہ ہے کہ وہ قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ کی روک تھام عقل و شریعت کے مطابق کرسکے۔

قوت غضبیہ کے حسن واعتدال کا نام شجاعت اور قوت شہوانیہ کے حسن واعتدال کا نام عفت ہے لیکن جب قوت غضبیہ میں اعتدال باقی نہیں رہتا اور زیادتی کی طرف مائل ہوجاتی ہے تو اس کو تہور کہتے ہیں، اور جب اس میں ضعف اور کمی پیدا ہوجاتی ہے تو اس کا نام بزدلی ہے، اسی طرح قوت شہوانیہ جب زیادتی کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس کو حرص اور جب کمی کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس کو پست حوصلگی سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے درمیان کا جو درجہ ہے اسی کا نام حسن خلق ہے، اور ادھر ادھر کے دونوں کنارے بد اخلاقی میں داخل ہیں لیکن قوت عادلہ میں دو کنارے نہیں نکلتے اس کا ضد صرف ایک ہے یعنی ظلم، حکمت میں جب افراط پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا استعمال اغراض فاسدہ میں کیا جاتا ہے تو اس کا نام بدباطنی اور چالبازی ہے جب اس میں تفریط ہوتی ہے تو اس کو حماقت کہتے ہیں جب ان چاروں ارکان میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے تو تمام محاسن اخلاق کا ظہور ہوتا ہے، عقل کی قوت معتدل رہتی ہے تو حسن تدبیر جودت ذہن، اصابت رائے پیدا کرتی ہے لیکن جب اس میں افراط آتی ہے تو مکروفریب، حیلہ سازی اور عیاری وغیرہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں تفریط ہوتی ہے تو حماقت، سادہ لوحی، نافہمی اور ناعاقبت اندیشی کی صورت میں ظہور کرتی ہے، شجاعت کے اعتدال سے فیاضی، خودداری، دلیری، آزادی، حلم، استقلال، ثبات وقار وغیرہ پیدا ہوتے ہیں لیکن جب وہ اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہوتی ہے تو تہور بن جاتی ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے سلسلہ بہ سلسلہ غرور نخوت، خود پرستی اور خود بینی وغیرہ پیدا ہوتی ہے، جب تفریط کی طرف جھکتی ہے تو ذلت پسندی، کم حوصلگی، بے طاقتی اور دناعت کے قالب میں ظہور کرتی ہے، شہوت کی قوت میں جب کامل اعتدال پیدا ہوتا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور یہی مختلف سانچوں میں ڈھل کر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے، یعنی جود، حیا، صبر، درگذر، قناعت، پرہیزگاری، لطیف مزاجی، خوش طبعی، بے طمعی لیکن جب وہ تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس سے حرص، طمع بے حیائی، بخل، اسراف، ریا، اوباشی، رندی، تملق، حسد اور رشک وغیرہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام محاسن اخلاق کے اصول صرف چار ہیں، یعنی، حکمت، شجاعت عفت اور عدل اور بقیہ اخلاق ان ہی کے فروع ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور شخص کی ذات میں ان چاروں اصول میں کامل اعتدال پیدا نہیں ہوا، آپ کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے ان کے درجے اس حیثیت سے متفاوت ہیں، جو شخص ان اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قریب ہوگا اسی قدر وہ خدا سے بھی قریب ہوگا وہ خدا سے بھی قریب ہوگا قرآن مجید نے مسلمانوں کے جو اوصاف بیان کئے ہیں، ان میں ان اخلاق کی طرف اشارہ کیا ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔	مسلمان صرف وہ لوگ ہیں جو خدا پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے پھر اس میں شک نہیں کیا اور اپنی جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔

خدا اور رسول پر بغیر شک کے ایمان لانے کا نام یقین کی قوت ہے، جو عقل و حکمت کا نتیجہ ہے، مال سے جہاد کرنا سخاوت ہے، جس کا مفہوم قوت شہوت کا ضبط ہے، جان سے جہاد کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا نام شجاعت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قوت غضبیہ کو عقل واعتدال کے موافق استعمال کیا جائے خداوند تعالےٰ نے صحابہؓ کا جو یہ وصف بیان کیا ہے۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ — کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ سختی کا موقع اور ہے اور رحم کا موقع اور ہر حالت میں اور ہر حالت میں کوئی کمال نہیں ہے۔

کیا ریاضت ومجاہدہ سے اخلاق میں تغیر پیدا کیا جاسکتا ہے

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اخلاق میں تغیر تبدیلی کی صلاحیت نہیں اور اس نظریہ کو وہ دو دلیلوں سے ثابت کرتا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ جس طرح ظاہری صورت میں تبدیلی ناممکن ہے مثلاً ایک پستہ قد آدمی اپنے آپ کو درازہ قامت اور ایک بدصورت آدمی اپنے آپ کو خوبصورت نہیں بنا سکتا، اسی طرح باطنی صورت میں بھی جس کا دوسرا نام خلق ہے تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۲) دوسرے یہ کہ حسن خلق اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتا جب تک قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ کا بالکل استیصال نہ کر دیا جائے لیکن طویل ریاضت ومجاہدہ کے بعد بھی تجربہ ثابت ہوا ہے کہ یہ دونوں قوتیں انسان کی طبیعت ومزاج کا اقتضاء ہیں۔ اس لیے ان کا کلی استیصال ناممکن ہے۔

لیکن امام صاحب نے پہلے تو اس نظریہ کو واقعات سے باطل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاق میں تغیر وتبدیلی کی صلاحیت نہ ہو تو وعظ وپند اور تعلیم وتربیت بالکل بیکار ہو جائیں آدمی تو آدمی خود جانوروں کے اخلاق میں تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے، سرکش گھوڑے کو فرمانبردار بنایا جا سکتا ہے، باز، کتے اور بہت پرندوں کے اخلاق میں تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے اس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد امام صاحب نے موجودات کی دو قسمیں کی ہیں ایک وہ جن کو خدا نے خود کامل طور پر پیدا کیا ہے اور ان میں ہماری قدرت واختیار کو کوئی دخل نہیں، مثلاً آسمان اور آفتاب و ماہتاب بلکہ خود انسان وحیوان کے اعضائے داخلی وخارجی دوسرے وہ جو ناقص طور پر پیدا کی گئی ہیں، لیکن ان میں کمال کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، مثلاً ایک گٹھلی بذات خود سیب یا کھجور نہیں لیکن تربیت کے ذریعہ سے اگر اس کو نشو ونما دی جائے تو وہ سیب یا کھجور ہو سکتی ہے، قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ اسی دوسری قسم میں داخل ہیں اس لیے جب ایک گٹھلی میں تربیت کے ذریعہ تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے تو قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ میں کیوں نہیں کیا جا سکتا، البتہ فطری قوتوں کی حالت مختلف ہے بعض آسانی کے ساتھ تغیر کو قبول کر لیتی ہیں اور بعض دیر میں اثر پذیر ہوتی ہیں اور اس اختلاف کے دو سبب ہیں،

(۱) ایک تو یہ کہ وہ خود فطرۃً قوی ہوتی ہیں اور دیر تک انسان میں موجود رہتی ہیں، مثلاً شہوت غضب اور تکبر کی جو قوتیں انسان میں موجود ہیں ان میں شہوت کی قوت میں بہ مشکل تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کا وجود اور تمام قوتوں سے پہلے ہوتا ہے اور بچے میں پیدا ہونے کے ساتھ ہی یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے پھر سات برس کے بعد اس میں غضب کی قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد قوت تمیز کا ظہور ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ اخلاق میں اس کے اقتضا کے موافق عمل کرنے اور اس کے پسندیدہ ہونے کے اعتقاد سے استحکام پیدا ہوتا ہے اور اس حیثیت سے انسان کے چار درجے ہوتے ہیں،

(۱) ایک تو ان سادہ لوح انسانوں کا درجہ ہے جو حق وباطل اور نیک وبد میں تمیز ہی نہیں کرتے بلکہ تمام اعتقادات سے خالی ہوتے ہیں اور چونکہ ان کو متواتر لذتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل نہیں ہوتا، اس لیے ان کی قوت شہوانیہ بھی ناقص رہتی ہے، یہی لوگ ہیں جن کا علاج بآسانی ہو سکتا ہے اور ان کو صرف ایک معلم، ایک مرشد، بلکہ صرف ایک محرک نفسانی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ تھوڑی سی مدت میں خوش اخلاق ہو سکتے ہیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) دوسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو برے کام کی برائی سے تو واقف ہیں لیکن نیک کام کے عادی نہیں ہیں، بلکہ قوت شہوانیہ کے انقیاد و استیلا سے ان کو ان کے برے کام ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں ان لوگوں کا معاملہ پہلے درجے کے لوگوں سے مشکل ہے، کیونکہ پہلے تو ان کے پاس ملکہ راسخہ کی بیخ کنی کرنی ہوگی جو برے کاموں کی عادت سے پیدا ہو گیا ہے، پھر ان کو نیک کاموں کا خوگر بنانا ہوگا لیکن اگر احتیاط اور مستعدی سے کام لیا جائے تو یہ لوگ بہرحال اخلاقی اصلاح کے قابل ہیں۔

(۳) تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو برے اخلاق کو واجب اور مستحسن سمجھتے ہیں، اور اسی قسم کے ماحول میں ان کی تربیت اور نشوونما ہوتی ہے، یہ لوگ علاج کے قابل نہیں ہیں، اور ان کی نیکی کی توقع شاذ و نادر ہی ہو سکتی ہے۔

(۴) چوتھا درجہ ان لوگوں کا ہے جو اس کے ساتھ برائی ہی کو فضیلت سمجھتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے، اس قسم کے لوگوں کی اصلاح سب سے زیادہ مشکل ہے۔

امام صاحب نے دوسری دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ مجاہدہ و ریاضت سے ان فطری قوتوں کا کلی استیصال مقصود نہیں ہے کیونکہ قوت شہوانیہ ایک فائدہ کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ فطرتاً ایک ضروری چیز ہے اگر کھانے کی خواہش نہ ہو تو آدمی مر جائے اگر مباشرت کی خواہش نہ ہو تو نسل انسانی کا خاتمہ ہو جائے اگر غصہ کی قوت بالکل معدوم ہو جائے تو انسان اپنی مدافعت نہ کر سکے غرض ان قوتوں کا کلیتہً ازالہ مقصود نہیں، کیونکہ یہ قوتیں خود پیغمبروں میں موجود تھیں، بلکہ اخلاق میں تغیر پیدا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان میں اعتدال پیدا کیا جائے۔

خوش اخلاقی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے

یہ اخلاقی اعتدال دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) اس کا ایک ذریعہ تو موہبت الٰہی اور فطری کمال ہے، یعنی فطرۃً ایک انسان معتدل الاخلاق پیدا ہوتا ہے اور اس کو کسی معلم یا مودب کی ضرورت نہیں ہوتی، تمام پیغمبروں کو حسن اخلاق کا یہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فطری درجہ حاصل ہوتا تھا، اوران کے علاوہ بعض بچے فطرۃً سچے، فیاض اور بہادر پیدا ہوتے ہیں

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے سے ان اخلاق کو حاصل کیا جائے مثلاً اگر ایک شخص فیاض ہونا چاہتا ہے تو اس کو فیاض لوگوں کی طرح بہ تکلف مال خرچ کرنا چاہیئے، ایک مغرور شخص اگر خاکسار بننا چاہتا ہے تو اس کو ایک مدت تک خاکسارانہ زندگی بسر کرنا چاہیئے اس طرح رفتہ رفتہ فیاضی اور خاکساری اس کا فطری خلق بن جائے گی، اوران کا صدور اس سے آسانی کے ساتھ ہوسکے گا۔

جو اخلاق شرعاً پسندیدہ ہیں وہ اسی دوسرے طریقے سے حاصل ہوتے ہیں،

اس کے بعد امام صاحب نے تہذیب اخلاق کے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اخلاقی امراض کے علاج کا طریقہ بالکل وہی ہے جو جسمانی امراض کا ہے، مثلاً عام طور پر ہر شخص معتدل المزاج پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد غذا اور آب وہوا کی ناموافقت سے یہ اعتدال قائم نہیں رہتا اور جسمانی امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔ اب ایک ماہر طبیب ہر مرض کا علاج اس کے ضد سے کرتا ہے اگر مرض کا سبب حرارت ہے اس کا علاج برودت سے اور اگر مرض کا سبب برودت ہے تو اس کا علاج حرارت سے کرتا ہے بعینہٖ اسی طرح ہر بچہ معتدل الفطرۃ پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے باپ ماں اس فطری اعتدال کو عادت اور تعلیم سے زائل کردیتے ہیں۔ اب ایک مصلح اخلاق کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی جسمانی امراض کی طرح اس کے مرض کا علاج کرے۔ یعنی بخل کا علاج فیاضی سے اور غرور کا تواضع سے کرے، لیکن اس طریقہ کے اختیار کرنے سے پہلے اپنے اخلاقی عیوب سے واقف ہونا چاہیئے اور امام صاحب نے اخلاقی عیوب سے واقف ہونے کے چار طریقے بتائے ہیں۔

(۱) شیخ طریقت سے اس بات کی درخواست کرنا کہ وہ عیوب پر مطلع کرتا رہے۔

(۲) اپنے مخلص احباب سے اس بات کا خواہاں ہونا کہ اس کے عیوب پر مطلع کرتے رہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیوب کا تحفہ مجھے بھیجے، امام صاحب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طریقہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ علاج ہمارے زمانے میں بے سود ہے، احباب یا تو مداہنت کرتے ہیں، اور عیوب کو چھپاتے ہیں، یا حسد سے عیوب کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ہمارے حقیقی عیوب بتاتا بھی ہے تو ہم اس کو مسرت کے ساتھ نہیں سنتے بلکہ کہتے ہیں کہ آپ میں بھی یہ عیوب موجود ہیں۔

(۳) عیوب پر مطلع ہونے کا بڑا ذریعہ ہمارے دشمن ہیں، ہمارے عیوب خود ہم کو نظر نہیں آتے لیکن دشمن کی نگاہ سے وہ مخفی نہیں رہ سکتے، اس لیے ایک مداہن دوست سے زیادہ ہم اپنے دشمن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن یہ تدبیر بھی ہمارے لیے مفید نہیں، ہمارا نفس ہم کو سمجھاتا ہے کہ فی الواقع ہم میں یہ عیوب نہیں بلکہ دشمن حسد سے کہتا ہے۔

(۴) لوگوں کے اخلاق وعادات کو اپنے عیوب کا آئینہ بنایا جائے چونکہ افراد انسانی کے عادات و خصائص اکثر ملتے جلتے ہیں، اس لیے جو عیب اوروں میں نظر آئے قیاس کرنا چاہیئے کہ ہم میں بھی ہوگا۔

ان مباحث کے بعد امام صاحب نے اخلاقی امراض کی تفصیل کی ہے، اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب اور ان کا طریقہ علاج بتایا ہے۔ اخلاقی امراض کا استقصاء ابوطالب مکی، حکیم ابن مسکویہ اور دوسرے اہل فن نے بھی کیا تھا لیکن ان میں امام صاحب نے موشگافیاں اور نکتہ سنجیاں کیں، قدماء کے یہاں اس کا پتہ بھی نہیں لگ سکتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالبرکات بغدادی

نام و نسب

نام ہبۃ اللہ، کنیت ابوالبرکات اور اوحد الزمان لقب ہے، قفطی نے مختصر الدول اور تتمہ صوان الحکمۃ میں اس کے باپ کا نام ملکا لکھا ہے، لیکن ابن ابی اصیبعہ نے اس کا جو سلسلۂ نسب لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ کا نام علی اور دادا کا نام ملکا تھا۔

ولادت

وہ بلد میں پیدا ہوا، لیکن بلد مختلف شہروں کے نام ہے، ایک تو بلد اس قدیم شہر کا نام ہے جو دجلہ کے کنارے موصل کے اوپر آباد ہے، اور اس کو فارسی میں شہر آباد کہتے ہیں۔ دوسرے بلد شہر کرخ کو بھی کہتے ہیں جس کو ابودلف نے آباد کیا تھا، تیسرے بلد ماوراء النہر میں نسف کا بھی نام ہے، اور مرورود کو بھی بلد کہتے ہیں، نواحی دجیل میں خطیرہ اور حربی کے قریب جو اعمالِ بغداد میں ہیں ایک اور شہر بلد کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابوالبرکات بغدادی ان میں سے کس شہر میں پیدا ہوا، بہرحال اس کی ولادت تو بلد میں ہوئی لیکن اس نے قیام بغداد میں کیا اس لیے بغدادی مشہور ہوا۔

کسی تذکرہ نویس نے اس کا سال ولادت نہیں لکھا، البتہ بیہقی نے تتمہ صوان الحکمۃ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھا ہے کہ وہ سنہ شمسی کے حساب سے نوے سال تک زندہ رہا، اور ۵۴۷ھ میں وفات پائی۔[1] اس لیے اگر اس کے سنِ وفات سے نوے سال نکال دیے جائیں تو ۴۵۷ھ باقی رہتے ہیں، پھر سنہ شمسی کو سنہ قمری میں بدل دیا جائے تو تین سال اور بڑھ جاتے ہیں، اس لیے اس کا سالِ ولادت ۴۶۰ھ قرار پاتا ہے، لیکن علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کی عمر اسّی سال کی لکھی ہے۔[2] اس لیے اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو اس کا سنہ ولادت ۴۶۷ھ ہوگا۔

تعلیم

ابوالبرکات بغدادی ایک نامور طبیب ہونے کے ساتھ ایک مشہور فلسفی بھی ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے علومِ حکمیہ کی تعلیم کس سے حاصل کی، البتہ اس کی طبی تعلیم کا آغاز ایک ایسے عجیب طریقے سے ہوا، جس سے اس کے شوقِ علم اور ذہانت و طبّاعی دونوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس زمانے میں ابوالحسن سعید بن ہبۃ اللہ بن الحسین ایک مشہور طبیب تھا، اور طلبہ کی ایک جماعت روزانہ اس سے طبی تعلیم حاصل کرتی تھی۔ ابوالبرکات بغدادی بھی اس سے تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اس نے ہر ممکن کوشش کی لیکن چونکہ ابوالبرکات بغدادی یہودی تھا، اور ابوالحسن یہودیوں کو تعلیم نہیں دیتا تھا۔ اس لیے اس کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی، مجبوراً اس نے اس کے دربان کی خدمت گزاری کا عار گوارا کیا، اور اس حیلے سے اس کی ڈیوڑھی میں ایک ایسے مقام پر بیٹھ جاتا تھا، جہاں سے تمام اسباق و مباحث کو سن لیتا تھا۔ اس نے تقریباً ایک سال اسی حالت میں گزارے، اس کے بعد سعید بن ہبۃ اللہ کی مجلسِ درس میں ایک قابلِ بحث مسئلہ پیش ہوا، اور اس کے تمام تلامذہ اس کو حل نہ کر سکے، اب ابوالبرکات بغدادی موقع پا کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ "اگر اجازت ہو تو میں بھی اس مسئلے کے متعلق

---

[1] تتمہ صوان الحکمۃ ص ۱۵۱ [2] طبقات الاطباء ج اول ص ۲۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ عرض کروں۔" اس نے اجازت دی تو اس نے جالینوس کے کلام سے اس کو حل کیا، اور کہا کہ "فلاں مہینہ، فلاں دن اور فلاں وقت میں اس کا مسئلہ پر بحث شروع ہوئی تھی، اور اسی وقت سے یہ مسئلہ مجھے یاد رہ گیا۔" سعید بن ہبۃ اللہ کو اس کی ذہانت اور شوق پر تعجب ہوا، اور اس سے دریافت کیا کہ "تم کہاں بیٹھتے تھے؟" ابوالبرکات بغدادی نے بیٹھنے کی جگہ بتائی تو اس نے کہا کہ "جس شخص کی یہ حالت ہو ہم اس کو علم سے محروم نہیں رکھ سکتے، اس وقت سے اس کو اپنے مقربین میں داخل کر لیا، اور وہ اس کے اکابر تلامذہ میں شمار کیا جائے گا[1]

سعید بن ہبۃ اللہ نے ۴۹۵ھ میں وفات پائی ہے، اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ وہ ۴۸۹ھ میں موجود تھا، کیونکہ اسی تاریخ میں میں نے اس کی کتاب تلخیص نظامی پر اس کی ایک تحریر دیکھی ہے، جس کو ابوالبرکات بغداد نے اس سے پڑھا تھا۔[2] اب اگر ابوالبرکات بغدادی کا سال ولادت ۴۶۰ھ تسلیم کیا جائے تو اس وقت اس کی عمر ۲۹ سال، اور اگر اس کا سالِ ولادت ۴۶۷ھ قرار دیا جائے تو اس کی عمر ۲۲ سال کی ہوگی۔

درباری تعلقات

طبی تعلیم سے فارغ ہو کر ابوالبرکات بغدادی نے طبابت کا پیشہ اختیار کیا اور متعدد خلفاء و سلاطین کی خدمت میں رہا، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ وہ خلیفہ مستنجد باللہ کی خدمت میں تھا، مستنجد باللہ ۵۱۸ھ میں پیدا ہوا، ۵۴۷ھ میں اس کے باپ نے اس کو ولی عہد بنایا، اور ۵۵۵ھ میں خلافت پائی اور ابوالبرکات بغدادی نے ۵۴۷ھ میں وفات پائی ہے، اس لیے وہ مستنجد باللہ کی ولی عہدی سے پہلے اس کی خدمت میں رہا ہوگا، لیکن اس

---

[1] طبقات الاطباء ج اوّل ص ۲۷۸ [2] ایضاً ص ۲۵۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو سب سے زیادہ فروغ سلجوقیوں کے دور سلطنت میں ہوا، اور اسی زمانے سے اس کی کامیاب زندگی شروع ہوئی، چنانچہ علامہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں لکھا ہے کہ سلاطین سلجوقیہ میں سے ایک بادشاہ بیمار ہوا تو اس نے بغداد سے ابوالبرکات بغدادی کو بلایا اور اس کی نہایت خاطر مدارت کی، اور جب اس کے علاج سے شفا پائی تو اس کو بہت سامال و دولت، کپڑے اور سواریاں عطا کیں اور ہبۃ اللہ دولت مند ہو کر نہایت شان و شوکت کے ساتھ بغداد واپس ہوا، اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگا۔[۱] قفطی نے اس بادشاہ کا نام نہیں بتایا ہے، لیکن تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سلاطین سلجوقیہ میں محمد بن ملک شاہ[۲] (۴۹۸ھ ۔ ۵۱۱ھ) اس کے بیٹے سلطان محمود[۳] (۵۱۱ھ ۔ ۵۲۵ھ) اور سلطان مسعود (۵۲۸ھ ۔ ۵۴۷ھ) کی خدمت میں رہا۔[۴] خلیفہ مسترشد باللہ العباسی (۵۱۲ھ ۔ ۵۲۹ھ) اور سلطان مسعود کی جنگ میں ابوالبرکات بغدادی گرفتار ہوا۔[۵] پھر اس کو سلطان مسعود نے رہا کیا جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ مسترشد باللہ کی خدمت میں بھی رہا ہے۔

سلاطین سلجوقیہ کی خدمت میں اگرچہ اس نے بہت کچھ جاہ و مال حاصل کیا، لیکن بعض اوقات اس پر مصیبتیں بھی آئیں۔ ایک بار اس نے محمد بن ملک شاہ کا غلط علاج کیا تو اس نے ایک مدت کیلئے اس کو قید کر دیا۔[۶] بعض اور واقعات سے بھی جو آئندہ آئیں گے، ظاہر ہوگا کہ وہ سلاطین کی خدمت میں ہمیشہ خوف و خطر میں مبتلا رہا، لیکن بہر حال اس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ خلفاء و سلاطین کی خدمت میں گزارا۔

مطلب اور حلقہ درس و تدریس

خلفاء و سلاطین کی خدمت کے ساتھ وہ عام طور پر بھی مطلب کرتا تھا، اور لوگوں کو

---

[۱] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۲۴ ۔ ۲۲۵ [۲] شہرزوری ص ۸۵ [۳] قفطی ۲۲۶ [۴] شہرزوری ص ۸۶
[۵] ایضاً ص ۸۶ [۶] ایضاً ص ۸۵ ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طب کی تعلیم دیتا تھا، قفطی نے ایک صاحب علم کا یہ بیان نقل ہے کہ ایک بار الوابرکات اپنے حلقۂ درس میں سلجوقی بادشاہ کا عطا کردہ سرخ رنگ کے قیمتی اطلس کا خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا کہ بغداد کے متوسط طبقہ کا ایک آدمی آیا اور کھانسی کی شکایت کی۔[1] پھر اس سلسلے میں اس نے جس عجیب وغریب طریقے سے اس کا علاج کیا ہے، اس تفصیل کی ہے۔ درس وتدریس کے علاوہ اس زمانہ کے اطبار امراض کے متعلق اس سے بہت سے طبی مسائل دریافت کرتے تھے اور وہ ان کو تحریری جواب دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ان تحریروں کے مجموعہ نے ایک کتاب کی صورت اختیار کرلی جو ان اطبا میں متداول تھی۔[2]

قبول اسلام

ابوالبرکات بغدادی مذہباً یہودی تھا، اور عمر کا بڑا حصہ اسی میں گزارا۔ اخیر عمر میں خداوند تعالیٰ نے اس کو ہدایت دی،[3] اور اس نے اسلام قبول کیا، لیکن اس نے جن اسباب سے اسلام قبول کیا ان کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ ایک سلجوقی بادشاہ کے کامیاب علاج کے بعد جب وہ بہت سا مال واسباب لے کر شان وشوکت کے ساتھ عراق میں واپس آیا تو اس کو معلوم ہوا کہ ابن افلح نے اس کی ہجو میں یہ اشعار لکھے ہیں:۔

لنا طبیب یهودی حماقته　　اذا تکلم تبدو فیه من فیه

ہمارا ایک یہودی طبیب ہے، جب وہ بولتا ہے تو اس کی حماقت اس کے منہ سے ظاہر ہوتی ہے

یتیه والکلب اعلا منه منزلة　　کانه بعد لم یخرج من التیه

وہ غرور کرتا ہے حالانکہ کتا اس سے بلند رتبہ ہے گویا وہ اب تک وادی تیہ سے نہیں نکلا

---

[1] قفطی ص ۲۲۵ [2] قفطی ص ۲۲۶ [3] ایضاً ص ۲۲۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ہبۃ اللہ نے یہ اشعار سنے تو اس کو اندازہ ہوا کہ اس مال و دولت کے ساتھ بھی اسلام قبول کرنے کے بغیر معزز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس نے اسلام قبول کرنے کا عزم بالجزم کر لیا، لیکن اس کی چند بالغ لڑکیاں تھیں، جو اس کے ساتھ اسلام قبول نہیں کر سکتی تھیں، اس لیے وہ اس کی موت کے بعد اختلاف مذہب کی بنا پر اس کی وارث نہیں ہو سکتی تھیں، اس بنا پر اس نے خلیفۂ وقت سے درخواست کی کہ گو وہ اپنے مذاہب پر قائم ہیں لیکن اس کا ترکہ ان کو بطور انعام دیا جائے، خلیفہ نے یہ درخواست منظور کر لی، اور اس نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔[1]

دوسری روایت یہ ہے کہ وہ ایک دن خلیفہ کے دربار میں آیا، تو تمام لوگ اس کی تعظیم کو کھڑے ہو گئے، صرف قاضی القضاۃ اس کے یہودی ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کو کھڑے نہیں ہوئے، اس وقت ابو البرکات نے کہا کہ" امیر المومنین اگر قاضی القضاۃ صرف اس بنا پر میری تعظیم کو کھڑے نہیں ہوئے کہ میرا مذہب ان کے مذہب کے مخالف ہے تو میں آپ کے سامنے اسلام لاتا ہوں اور محض مسلمان نہ ہونے سے ان کو اپنی تنقیص کا موقع نہیں دے سکتا۔[2]

تیسری روایت یہ ہے کہ وہ سلطان محمود کی خدمت میں بلاد جبل میں تھا کہ اس کی بی بی خاتون جس سے وہ نہایت محبت رکھتا تھا، مر گئی، محمود اس کی موت سے بیقرار ہو کر جزع و فزع کرنے لگا، ابو البرکات ہی اس کا معالج تھا، اس لیے محمود کی یہ حالت دیکھ کر اس کو اپنے قتل کا خوف پیدا ہوا، اور اپنی جان بچانے کے لیے مسلمان ہو گیا۔[3]

اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو البرکات نے ۵۲۴ھ میں اسلام قبول کیا، کیونکہ سلطان محمود کی بی بی خاتون نے اسی سنہ میں انتقال کیا ہے۔

چوتھی روایت یہ ہے کہ جب خلیفہ مسترشد باللہ عباسی اور سلطان مسعود کی جنگ میں

---

[1] قفطی ص ۲۲۵ [2] طبقات الاطباء ج اول ص ۲۸۰ [3] قفطی ص ۲۲۶-۲۷۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ گرفتار ہوا، اور اس کے قتل کا وقت آیا تو وہ مسلمان ہوگیا، اور اس طرح قتل سے بچ گیا، اور سلطان مسعود نے اس کو خلعت دیا[1]، اور اس روایت کی رو سے اس نے ۵۲۹ھ میں اسلام قبول کیا، کیونکہ خلیفہ اور سلطان کے درمیان اسی سنہ میں جنگ ہوئی تھی۔

وفات

۵۴۷ھ میں سلطان مسعود کو درد قولنج ہوا، اس سے پہلے اس کو ایک شیر نے زخمی کر دیا تھا، اس نے علاج کے لیے ابوالبرکات کو بغداد سے بلایا، مگر وہ اچھا نہ ہوا جب لوگوں کو سلطان کی زندگی سے مایوسی ہوئی تو ابوالبرکات کے دل میں اپنی جان کا خوف پیدا ہوا، وہ دوپہر کے وقت مرگیا، اور سلطان نے عصر کے بعد وفات پائی اور ابوالبرکات کا تابوت بغداد میں لایا گیا[2]۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موت غیر طبعی اسباب کا نتیجہ تھی، لیکن قفطی نے لکھا ہے کہ اخیر عمر میں اس کو بہت سے امراض لاحق ہو گئے تھے، اندھا اور بہرہ ہوگیا تھا، اور جذام و برص میں مبتلا ہوگیا تھا، علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور ان امراض کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہوگئی، جب موت کا وقت آیا تو یہ وصیت کی کہ اس کی قبر پر یہ الفاظ لکھے جائیں،

"یہ اوحدالزمان ابوالبرکات ذی العبر صاحب المعتبر کی قبر ہے۔"

جن لوگوں نے اس کی قبر دیکھی ہے ان کا بیان ہے کہ اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں[3]۔

اخلاق و عادات

اخلاقی حیثیت سے ابوالبرکات بغدادی میں کوئی حکیمانہ شان نہیں پائی جاتی اور یہودیت

---

[1] شہرزوری ص ۸۶ [2] تتمہ صوان الحکمۃ ص ۱۵۱ [3] قفطی ص ۲۲۶۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اثر ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے، اس کے اسلام لانے کی جو روایتیں اوپر گزریں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اسلام خلوص و صداقت کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد یا تو جاہ و اعزاز کا حصول تھا یا اپنی جان بچانا مقصود تھا، اس کی غیر طبعی موت کا جو واقعہ بیہقی نے بیان کیا ہے، اس سے بھی اس کی بزدلی ظاہر ہوتی ہے، اس کے معاصرین کے ساتھ اس کے تعلقات بھی غیر شریفانہ تھے، ایک مشہور عیسائی طبیب امین الدولہ بن تلمیذ اس کا معاصر تھا، دونوں خلیفہ مستقی بامر اللہ[1] کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اور دونوں میں سخت عداوت تھی، لیکن اخلاقی حیثیت سے امین الدولہ نہایت شریف، فیاض اور بامروت تھا، اس کا گھر مدرسہ نظامیۂ بغداد سے ملا تھا، جب اس مدرسہ کا کوئی طالب علم بیمار ہوتا تھا تو اپنے گھر لاکر اس کا علاج کرتا تھا اور جب وہ اچھا ہو جاتا تھا کو اس کو دو دینار دے کر رخصت کر دیتا تھا، ابوالبرکات میں اس قسم کے شریفانہ اخلاق موجود نہ تھے، اس نے ایک مرتبہ ایک رقعہ لکھا، جس میں امین الدولہ کے متعلق ایسی باتیں لکھیں جن کا صدور اس کے شایانِ شان نہ تھا، رقعہ لکھنے کے بعد کسی خادم کو کچھ دے دلا کر اس پر آمادہ کیا کہ وہ اس کو خفیہ طور پر خلیفہ کے راستے میں ڈال دے، خلیفہ نے اس رقعہ کو پایا تو اوّل اوّل سخت برہم ہوا اور امین الدولہ کو سزا دینی چاہی، لیکن لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ پہلے اس کی تحقیقات کی جائے اور خادم سے یہ دریافت کیا جائے کہ کس نے امین الدولہ پر یہ الزام لگایا ہے، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ امین الدولہ کی دشمنی کی وجہ سے ابوالبرکات نے یہ حرکت کی ہے، یہ سن کر خلیفہ ابوالبرکات سے سخت ناراض ہوا، اور امین الدولہ کو اس کے تمام مال اور تمام کتابوں پر قبضہ کرنے اور اس کی جان لینے کی اجازت دے دی، لیکن امین الدولہ

---

[1] خلیفہ مستقی بامر اللہ کا دور خلافت ۵۶۶ھ سے شروع ہوا ہے اور ابوالبرکات ۵۴۷ھ میں انتقال کر چکا تھا۔ اس لیے اس کا تعلق اس سے دربار سے نہیں ہو سکتا۔ غالباً یہ کوئی دوسرا خلیفہ ہوگا۔

[2] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۶۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنی طبعی شرافت سے کام لے کر ان تمام چیزوں سے درگزر کیا، لیکن ابوالبرکات دربار سے الگ کر دیا گیا اور اس کی قدر و منزلت جاتی رہی[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے امین الدولہ اور ابوالبرکات بالکل متضاد واقع ہوئے تھے، بدیع ہبۃ اللہ الاصطرلابی نے ابوالبرکات کے غرور اور امین الدولہ کے تواضع کا دو شعروں میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

ابوالحسن الطبیب ومقتفیہ ابوالبرکات فی طرفی نقیض

ابوالحسن (امین الدولہ) طبیب اور ابوالبرکات بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

فھذا الذی من التواضع فی الثریا وھذا بالتکبر فی الحضیض[2]

ابوالحسن تواضع سے ثریا تک پہنچ گیا ہے اور ابوالبرکات غرور سے پستی میں گر گیا ہے۔

اگرچہ کبھی کبھی امین الدولہ بھی ابوالبرکات پر چوٹ کیا کرتا تھا، لیکن اس میں بھی تہذیب اور متانت بلکہ ادبی شان پائی جاتی تھی، اسلام لانے کے بعد ابوالبرکات اکثر یہودیوں پر لعنت بھیجا کرتا تھا، ایک دن بعض اکابر کی مجلس میں جس میں بہت سے لوگ تھے۔ امین الدولہ بھی شامل تھا، یہودیوں کا ذکر چھڑا تو ابوالبرکات نے کہا کہ "خدا یہود پر لعنت بھیجے"، امین الدولہ نے یہ سن کر کہا کہ "ہاں مگر یہود زادوں پر بھی"۔ ابوالبرکات سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ اسی کی طرف ہے لیکن منہ بنا کر خاموش ہو گیا[3]

تصنیفات

ابوالبرکات بغدادی نے اگرچہ متعدد کتابیں لکھیں، جن کے نام طبقات الاطباء اور تتمہ صوان الحکمۃ میں مذکور ہیں، لیکن اس کی سب سے زیادہ مشہور کتاب معتبر ہے جس کو ہماری خوش قسمتی

---

[1] طبقات الاطباء ج اص ۲۶۰ [2] تفقلی ص ۲۲۶ [3] طبقات الاطباء ج اص ۲۸۰۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن نے چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔

یہ کتاب جیسا کہ اس کے دیباچے سے ظاہر ہوتا ہے اس کی عمر بھر کی فلسفیانہ تحقیقات کا نتیجہ ہے، اس کی تصنیف کی تاریخ یہ ہے کہ جب وہ علوم حکمیہ کی تحصیل میں مشغول ہوا تو اس کے سامنے قدماء و متاخرین دونوں کی کتابیں موجود تھیں، لیکن یہ دونوں فلسفیانہ ذخیرے اس کے لیے غیر تشفی بخش تھے، کیونکہ قدماء نے ان مطالب کو ایک طرف تو نہایت پیچیدہ عبارت میں ادا کیا تھا، دوسرے ان کی کتابیں نقل و ترجمہ کے ذریعہ سے عربی میں آئی تھیں، اس لیے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے سے عبارت میں اور بھی زیادہ نقص پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے قدماء کے کلام کا بہت سا حصہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، متاخرین نے قدماء ہی کی کتابوں کی شرح کی تھی لیکن بعض مقامات میں ان کی پیچیدہ عبارتوں کو یا تو حل نہ کر سکے یا قصداً نظر انداز کر دیا، اس لیے ان کی شرحوں کا یہ حصہ ناکافی تھا، لیکن جن مقامات کو حل کیا تھا اس میں غیر ضروری طوالت اور دور از کار دلیلوں سے کام لیا تھا، اس لیے ان کی شرحیں ہر قسم کے رطب و یابس کا مجموعہ بن گئی تھیں، اور ان سے صحیح علم کا حاصل کرنا نہایت مشکل تھا، اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ غور و فکر کے بعد ان دونوں ذخیروں سے صحیح مطالب کے اخذ کرنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ ابو البرکات بغدادی نے جب ان کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تو بعض مسائل میں اتفاق اور بعض میں قدماء کے اقوال سے اختلاف کرنا پڑا، اس طرح ایسے مسائل پیدا ہوتے گئے جو بالکل نئے اور اچھوتے تھے، لیکن اس اختلاف میں اس نے بالکل بے لاگ روش اختیار کی، اگر کسی نے اتفاق کیا تو صرف اس بنا پر نہیں کہ وہ ایک بڑا شخص تھا، اور اگر اختلاف کیا تو اس لیے نہیں کہ وہ چھوٹا شخص تھا، بلکہ ہر شخص کی شخصیت کو نظر انداز کر کے اس نے صرف حق بات کو سامنے رکھا اور موافقت اور مخالفت تبعاً و عرضاً کی۔

اس تحقیقات، غور و فکر اور نظر و اعتبار کے بعد جو نئے اور اچھوتے مسائل پیدا ہوئے ان کو اس نے صرف حافظے میں محفوظ نہیں رکھا، بلکہ مزید مراجعت کے لیے یادداشت کی صورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لکھتا گیا، بعض اشخاص کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خواہش کی کہ ان کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا جائے، لیکن ابوالبرکات نے ان کی خواہش اس لیے پوری نہیں کی کہ اس کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ ایسے نا اہلوں کے ہاتھ میں پڑ جائے گی جو یا تو غور و فکر کی کمی سے اس کے تمام مسائل کو قبول کر لیں گے یا ان سب کی یا بعض مسائل کی تردید کریں گے، تاہم جب یہ یادداشت بہت زیادہ طویل ہو گئی اور اس میں ایسے علوم جمع ہو گئے جن کا ضائع کرنا مشکل تھا اور اسی کے ساتھ لوگوں نے بار بار درخواست کی تو اس نے اس یادداشت کو مرتب کر کے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام معتبر رکھا، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بغیر سوچے سمجھے نقل نہیں کر دیا ہے، بلکہ اس پر تحقیق و اعتبار کی نظر ڈالی ہے، اور جس چیز کو سمجھا ہے اس کو بغیر نظر و اعتبار کے قبول نہیں کیا ہے۔

لیکن یہ کتاب اس نے خود نہیں لکھی ہے بلکہ اپنے ایک ممتاز اور پرانے شاگرد سے املا کرائی ہے، لیکن دیباچے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کن لوگوں نے اس سے اس یادداشت کو کتاب کی صورت میں مرتب کرنے کی درخواست کی تھی، اور کن لوگوں نے اس کا املاء کیا اور کس زمانہ میں وہ مرتب کی گئی، مگر طبقات الاطباء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس کی عمر بھر کی فلسفیانہ تحقیقات کا نتیجہ ہے، اور اس نے اپنی آخری عمر میں اس کو اپنے چند شاگردوں سے لکھوایا ہے، علامہ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں کہ ابوالبرکات بغدادی اخیر عمر میں اندھا ہو گیا تھا، اور جمال الدین بن فضلان علی ابن الدہان المنجم، علی یوسف، اور علی المہذب بن نقاش سے کتاب معتبر کا املا کراتا تھا[1]

بہر حال اس کے زمانے تک فلسفہ وحکمت کے تمام اجزاء پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی تھی، جس میں طویل غور و فکر کے ساتھ فلسفیانہ مسائل پر نقد و بحث کی گئی ہو، اور یہ تمام مسائل

---

[1] طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہایت واضح، صاف اور شستہ عبارت میں لکھے گئے ہوں۔ ابوالبرکات بغدادی پہلا شخص ہے جس نے اس طرز کی بنیاد ڈالی، اس لیے ہر زمانے میں اس کی یہ کتاب نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئی، علامہ جمال الدین قفطی، اس کے حالات میں لکھتے ہیں کہ

"وہ قدمار کے علوم کا عالم تھا، اور ان علوم میں قدمار و متاخرین کی کتابوں سے واقفیت پیدا کی اور ان کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد جو خالص علم اس کو حاصل ہوا اس میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام اس نے معتبر رکھا، اس کتاب میں اس نے صرف منطق، طبعیات، الہیات پر لکھا ہے اور ریاضی کو چھوڑ دیا ہے، اس کی عبارت فصیح اور اس کے مقاصد صحیح ہیں اور اس زمانے میں جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں ان میں بہترین کتاب ہے۔"[1]

ابن ابی اصیبعہ امین الدولہ ابن التلمیذ کے حال میں لکھتا ہے کہ

"ابوالبرکات علوم حکمیہ میں ابن التلمیذ سے افضل تھا، اور ان علوم میں اس نے بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں، لیکن ان کتابوں کی ضرورت نہیں، اس کے شرف کے لیے صرف اس کی کتاب معتبر کافی ہے۔"[2]

بالخصوص اس کے بعد جن لوگوں نے فلسفیانہ مسائل پر تنقید کرنے میں ناموری حاصل کی انہوں نے اس کا نام نہایت وقعت سے لیا ہے۔ چنانچہ امام رازی اربعین میں ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ

"ابوالبرکات بغدادی جو اکابر فلاسفۂ متاخرین میں ہے، اپنی کتاب معتبر میں خداوند تعالیٰ کی ذات میں ارادات محدثہ اور علوم محدثہ ثابت کیے ہیں اور اس کا خیال ہے کہ جب تک اس مذہب کو تسلیم نہ کیا جائے خداوند تعالیٰ کو اس عالم کا خدا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔"[3]

---

[1] قفطی ص ۲۲۴ [2] طبقات الاطبا ج ۱ ص ۲۵۹ [3] اربعین ص ۱۱۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام صاحب نے اپنی تصانیف میں اس کی کتاب معتبر سے حکمائے قدیم پر بہت سے اعتراضات نقل کیے ہیں، یہاں تک کہ شہرزوری نے لکھا ہے کہ امام رازی نے حکما پر جو اعتراضات کیے ہیں ان پر اکثر ابوالبرکات سے ماخوذ ہیں۔[1]

امام رازی کے بعد علامہ ابن تیمیہ نے منطق و فلسفہ کی تدوین میں خاص طور پر شہرت حاصل کی اور اس حیثیت سے انہوں نے اپنی تصنیفات میں جابجا اس کا نام نہایت وقعت کے ساتھ لیا، چنانچہ کتاب العقل والنقل میں لکھتے ہیں کہ

ذاتی مقوم اور لازم خارج میں فرق کرنا واقع میں غلط ہے، اسی لیے حذاق ائمہ اہل منطق مثلاً ابن سینا اور ابوالبرکات صاحب المعتبر اعتراف کرتے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی کلی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ ابن سینا نے تین فرق بیان کیے ہیں لیکن یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ ان میں کوئی صحیح نہیں ہے۔ ابوالبرکات نے ابن سینا پر اعتراض کیا ہے جس سے ذاتی مقوم اور عرضی لازم کے فرق کی خرابی ظاہر ہوتی ہے۔ ائمہ مشائین نے جو کچھ بیان کیا ہے ابوالبرکات چونکہ اس کی جانچ پڑتال کرتا ہے، اس لیے نہ ان کی تقلید کرتا اور نہ ان کی بے جا حمایت کرتا تھا، جیسا کہ اس کے سوا ابن سینا وغیرہ کرتے ہیں۔[2]

اسی طرح علامہ موصوف نے اس کتاب میں متعدد مواقع پر اس کا نام لیا ہے۔[3]

منہاج السنۃ میں اس کا نام بعض موقعوں پر اس حیثیت سے لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوتے تھے، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں،

ابن سینا نے ان متکلمین کے درمیان نشو و نما پائی جو صفات کے منکر تھے، اور ابن رشد کی نشو و نما کلابیہ کے درمیان ہوئی، لیکن ابوالبرکات نے

---

[1] شہرزوری ص ۱۷۸ [2] کتاب العقل والنقل ج ۳ ص ۲۲۳ [3] ایضاً ج ۲ ص ۸۳ - ۱۱۔ و ج ۴ ص ۲۵۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغداد میں علمائے کتاب وسنت کے درمیان نشو ونما پائی۔[۱]

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ

الٰہیات میں ارسطو کا کلام بہت کم ہے، اور اس کے ساتھ اس میں بہت زیادہ غلطیاں بھی ہیں، لیکن ابن سینا وغیرہ نے اس میں وسعت پیدا کی اور الٰہیات، نبوات اسرار آیات، مقامات عارفین، بلکہ معاد' ارواح پر بھی بحث کی جو فلسفیوں کے یہاں نہیں تھی، ان میں جو صحیح بات ہے اس میں وہ انبیاء کے طریقے پر چلتے ہیں' اور جو غلط ہے' وہ ان کے سلف کے اصول فاسدہ پر مبنی ہے، اسی لیے ابن رشد وغیرہ فلسفی کہتے ہیں کہ ابن سینا نے وحی و منامات وغیرہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس کی طبعزاد باتیں ہیں، اس سے پہلے مشائین نے یہ باتیں نہیں کہی ہیں، لیکن ابو البرکات صاحب معتبر وغیرہ چونکہ ان کی تقلید نہیں کرتے تھے اور نظر عقلی کے طریقہ پر بلا تقلید چلتے تھے اور انوار نبوات سے روشنی حاصل کی تھی۔ اس لیے اس بحث میں ان کا کلام ان لوگوں سے بہتر تھا، چنانچہ ابو البرکات نے خداوند تعالیٰ کے لیے جزئیات کا علم ثابت کیا اور اپنے سلف کی نہایت عمدہ طریقہ سے تردید کی، اسی طرح خداوند تعالیٰ کے اوصاف و افعال کو ثابت کیا اور اپنی اسلاف کی غلطی ظاہر کی۔[۲]

علامہ موصوف نے اپنی کتاب "الرد علی المنطقیین" میں بھی جا بجا اس کا ذکر اسی غیر مقلدانہ حیثیت سے کیا ہے، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

ابو البرکات وغیرہ نے ارسطو کی بہت کچھ تردید کی کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد حق ہے، کسی خاص قائل اور کسی خاص قول کی بیجا حمایت کرنا ہمارا مقصود نہیں۔[۳]

---

[۱] شہرزوری ص ۱۷۸ [۲] منہاج السنۃ ج ۱ ص ۹۶ [۳] الرد علی المنطقیین ص ۱۹۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں :۔

"ابوالبرکات صاحب معتبر ان ہی کے طریقہ پر چلا ہے لیکن اوروں کی طرح اس نے ان لوگوں کی تقلید نہیں کی بلکہ ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا تھا، اس کو اپنی نظر و عقل سے جانچا۔"[1]

غرض انہوں نے اس کتاب کے مختلف مقامات میں ابوالبرکات بغدادی کے اختلافی مسائل کا ذکر کیا ہے، مثلاً فلاسفہ نے عقول کی تعداد کو دس میں محدود کر دیا تھا، لیکن شیخ شہاب الدین مقتول اور ابوالبرکات بغدادی ان کی تعداد اس سے زیادہ مانتے ہیں۔[2]

ابوالبرکات بغدادی نے ارسطو پر جو اعتراضات کیے ان کی تردید میں اگرچہ ظہیر الدین علی بن زید البیہقی المتوفی ۵۶۵ھ نے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام المشتہر فی نقض المعتبر رکھا،[3] تاہم اس سے ابوالبرکات کے اعتراضات کی قوت اور صحت میں کوئی فرق نہیں آیا، اور تمام محققین نے اس کے اعتراضات کو صحیح تسلیم کیا، مثلاً حکماء دو مستقیم حرکتوں کے درمیان سکون کو لازمی سمجھتے تھے، اسی بنا پر افلاک کے لیے حرکت مستقیمہ کا انکار کرتے تھے کیونکہ اگر اس کی حرکت مستقیم ہو تو اس سے پلٹنے میں سکون لازم آئے گا اور افلاک کے سکون سے نظام عالم برباد ہو جائے گا، ابوالبرکات بغدادی نے اگرچہ تفصیل کے ساتھ ان حکماء کے دلائل نقل کیے ہیں، لیکن جو لوگ اس سکون کے منکر ہیں ان کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ ان میں ایک دلیل یہ ہے کہ اگر ہم یہ فرض کریں کہ ایک بڑا پتھر مثلاً چکی اوپر سے گرے، اور بیچ میں ایک کنکری اسے مل جائے تو وہ بڑا پتھر اس کو اپنے ساتھ لے کر گرے گا اور نیچے کی طرف اس کی حرکت کے لیے جو سکون ضروری تھا اس کو روک دے گا، کنکری سے ملنے کے وقت وہ کسی قدر ٹھہر جائے گا، پہلی صورت میں تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ دو مستقیم حرکتوں کے درمیان سکون ضروری نہیں ہے،

---

[1] الرد علی المنطقیین ص ۲۹۴ [2] ایضاً ص ۱۲۱ [3] معجم الادباء ج ۵ ص ۲۱۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اگر دوسری صورت تسلیم کی جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ ایک کنکری نے تھوڑی دیر کے لیے ایک بڑے پتھر کو روک لیا اور یہ محال ہے۔

امام رازی نے اس دلیل کو نقل کر کے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ دوسری صورت مستبعد معلوم ہوتی ہے، تاہم ممکن ہے، لیکن باایں ہمہ انہوں نے مباحث مشرقیہ میں فریقین کے تمام دلائل کو کتاب المعتبر سے نقل کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ دو مستقیم حرکتوں کے درمیان سکون کے منکر ہیں ان کے دلائل قوی ہیں[1]

حکمائے عناصر کی تعداد اور کیفیات کے متعلق جو رائے قائم کی تھی، ابوالبرکات بغدادی نے ان کی مخالفت کی۔ مثلاً حکماء صرف چار عنصر کے وجود کو تسلیم کرتے تھے، یعنی پانی، مٹی، ہوا، آگ، لیکن ابوالبرکات نے برف کو بھی ایک مستقل عنصر قرار دیا کیونکہ ان عناصر میں سب سے زیادہ کثیف مٹی، پھر پانی ہے، لیکن برف میں مٹی سے کم اور پانی سے زیادہ کثافت پائی جاتی ہے۔ اس لیے وہ ان دونوں کے درمیان متوسط درجے کا عنصر ہے[2]

ان عناصر میں حکماء پانی کو سب سے زیادہ سرد مانتے ہیں، لیکن ابوالبرکات بغدادی کے نزدیک مٹی سب سے زیادہ سرد اور کثیف ہے[3]، یہ اس کا ایک نظریہ تھا، لیکن امام رازی نے شرح اشارات میں اس کو ایک اعتراض کی صورت میں بدل دیا ہے، اور لکھا ہے کہ صاحب معتبر نے اس سے اختلاف کیا ہے' اور اس کے خیال میں مٹی پانی سے زیادہ سرد ہے، کیونکہ برودت کے لیے کثافت اور حرارت کے لیے لطافت لازمی ہے، لیکن چونکہ ان عناصر میں مٹی سب سے زیادہ کثیف ہے۔ اس لیے لازمی طور پر وہ سب سے زیادہ سرد بھی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ پانی کی ٹھنڈک مٹی کی ٹھنڈک سے زیادہ محسوس ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لطافت کی بنا پر پانی ہوا اور ہوا پانی کا اثر مسام تک مٹی سے زیادہ پہنچتا ہے[4]

---

[1] مباحث مشرقیہ ج ۱ ص ۶۲۱ [2] کتاب المعتبر ج ۲ ص ۱۴۸ [3] ایضاً ص ۱۷۳ [4] شرح اشارات ص ۱۰۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکماء کے نزدیک پانی ہوا اور ہوا پانی ہو سکتی ہے، لیکن ابوالبرکات نے اس کی مخالفت کی ہے[1]، اور شیخ نے ہوا کے پانی ہو جانے پر اشارات میں جو دوسری دلیل قائم کی تھی اس پر اولاً تو خود امام رازی نے اعتراض کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس پر ایک اور اعتراض ہوتا ہے جس کو صاحب معتبر نے کیا ہے[2]، پھر اس اعتراض کو نقل کیا ہے۔

ابوالبرکات بغدادی کے نزدیک چونکہ ہوا پانی نہیں ہو سکتی اس لیے نہروں، ندیوں، نالوں کے پیدا ہونے کے سبب میں اس نے اور حکماء سے اختلاف کیا ہے، حکماء کے نزدیک زمین کے اندر جب بخارات محتبس ہو کر ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں تو زمین کی برودت سے پانی بن جاتے ہیں، اور جب ان کی کثرت ہو جاتی ہے اور زمین کے اندر ان کی گنجائش نہیں رہتی تو زمین پھٹ جاتی ہے، اور نہریں وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن ابوالبرکات کے نزدیک اس کا سبب بارش اور برف کی کثرت ہے، اور اس کا استدلال یہ ہے کہ جب برف اور بارش کی کمی ہوتی ہے تو کنوئیں اور نہریں خشک ہو جاتی ہیں، اور جب ان کی زیادتی ہوتی ہے تو ان کا پانی بڑھ جاتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیدا ہونے کا سبب برف اور بارش کی کثرت تھی۔

جن لوگوں کے نزدیک ہوا پانی ہو سکتی ہے، ان کا استدلال یہ تھا کہ کنواں جب کھودا جاتا ہے تو اس میں پانی نہیں ہوتا، لیکن جب کھود کر چھوڑ دیا جاتا ہے تو ایک مدت کے بعد اس میں پانی نکل آتا ہے، اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب کھدائی تر زمین تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی ہوا پانی ہو جاتی ہے، اور جب تک کھدائی خشک زمین تک رہتی ہے ہوا پانی نہیں ہوتی، لیکن ابوالبرکات بغدادی کہتا ہے کہ اگر یہ صورت ہوتی تو کنوؤں کا پانی گرمی میں کیوں کم اور جاڑوں میں بارش ہونے سے کیوں زیادہ ہو جاتا، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا

---

[1] المعتبر ج ۲ ص ۱۶۵ [2] شرح اشارات ص ۱۰۹۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیئے، کیونکہ زمین کا اندرونی حصہ گرمی میں بہ نسبت جاڑے کے زیادہ سرد ہوتا ہے، اس لیے گرمی میں بہ نسبت جاڑے کے ہوا زیادہ پانی کیوں نہیں ہوتی، متاخرین فلاسفہ نے بھی ابوالبرکات بغدادی کی رائے کی تائید کی ہے، چنانچہ فاضل میبذی نے ہدایت الحکمۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ صاحب معتبر نے ان چیزوں کے پیدا ہونے کا جو سبب بیان کیا ہے وہ معتبر ہے، البتہ مصنف نے جو سبب بیان کیا ہے وہ اس کے معتبر ہونے میں مانع نہیں ہے، ابوالبرکات کے استدلال سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سبب تام نہیں ہوسکتا، یہ نہیں کہ وہ فی الجملہ بھی سبب نہیں ہوسکتا۔[1]

اسی طرح متحرک ہوا کے پیدا ہونے کے جو اسباب حکمائے قدیم نے بتائے تھے، ان سب کی تردید کی ہے، اور لکھا ہے کہ ہوا کی حرکت خود اس کی ذاتی حرکت ہے، اور اس میں خود قوتِ محرکہ پائی جاتی ہے۔[2]

لیکن بہرحال اس نقد و بحث سے اس کا مقصد محض فلسفیانہ مسائل کی تردید کرنا نہ تھا، بلکہ صرف حق کی جستجو کے لیے اس نے طویل منزلیں طے کی ہیں، اور ہر مذہب کے تمام دلائل کا استقصار کرکے آخر میں ایک صحیح دلیل بیان کی ہے، چنانچہ خود لکھتا ہے:

ونجن علی العادة فی توفیة	ہم حسب عادت ہر مذہب کی دلیل کا استقصاء
کل مذهب حجة ما قیل	کر دیتے ہیں، چاہے وہ دلیل بیان کی گئی ہو
وما لم یقل حتی ینتهی النظر	یا نہ کی گئی ہو، یہاں تک کہ نظر ایسی دلیل تک
الی الحجة التی لا مرد لها	پہنچ جائے جس کی نہ تردید ہوسکے نہ کوئی
ولا حجة تبطلها فنعرف الحق	حجت اس کو باطل کرسکے تاکہ اس سے
منها۔[3]	ہم حق کو معلوم کریں۔

---

[1] میبذی ص ۱۰۱ [2] معتبر جلد ۲ ص ۲۱۹ [3] ایضاً ج ۳ ص ۶۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارسطو نے اپنی منطق، طبعیات اور الٰہیات کی کتابوں میں مسائل کو جس ترتیب کے ساتھ لکھا تھا اسی ترتیب کے ساتھ ابوالبرکات نے بھی یہ کتاب لکھی ہے، اور ہر مسئلہ میں ان ہی حکماء کی رائے بیان کی ہے، جو قابل اعتبار تھے، اور اسی کے ساتھ وہ رائیں بھی بیان کی ہیں جن کا ذکر کسی نے نہیں کیا تھا، اس لیے اس کتاب میں بہت سے ایسے مباحث آگئے ہیں جن کا پتہ بھی متاخرین کی کتابوں میں نہیں مل سکتا، مثلاً نباتات اور حیوانات کے متعلق جو مباحث اس کتاب میں ہیں وہ متاخرین کی کتابوں میں سرے سے مذکور ہی نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق ہم کو حکمائے یونان کی رائیں صرف اسی کتاب سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ خالص اسلامی الٰہیات کے مسائل مثلاً نبوت، معجزہ، وحی و الہام وغیرہ سے حکمائے یونان نے بحث نہیں کی تھی، ابن سیناؒ وغیرہ نے ان مسائل کو الٰہیات کی کتابوں میں شامل کیا اور ان پر عقلی دلائل قائم کیے، ابوالبرکات بغدادی نے بھی چونکہ اس کتاب کی ترتیب میں ارسطو کی روش اختیار کی، اس لیے اس نے بھی مستقل طور پر ان مسائل کا ذکر نہیں کیا، تاہم متکلمین اور حکمائے اسلام نے اسلامی الٰہیات کے جو جدید مسائل فلسفہ و الٰہیات کی کتابوں میں شامل کر دیے تھے، اس کا اثر ابوالبرکات بغدادی پر بھی پڑا ہے اور اس نے ضمناً و مستقلاً ان میں بعض مسائل کا ذکر کیا ہے، مثلاً حکماء میں یہ اختلاف ہے کہ تمام نفوس انسانی کی حقیقت ایک ہے، یا وہ باہم مختلف النوع اور مختلف الحقیقۃ ہیں؟ اگر تمام نفوس کو مختلف الحقیقۃ تسلیم کر لیا جائے تو نبوت کا اثبات نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ابوالبرکات بغدادی نے اس پر نہایت طویل بحث کی ہے اور اخیر میں لکھا ہے کہ نفس کے متحد النوع اور متحد الحقیقۃ ہونے پر کوئی قابلِ یقین دلیل قائم نہیں ہو سکی، بلکہ وہ مختلف الحقیقۃ ہیں، اور ارسطو کا ایک قول بھی اسی کے موافق منقول ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شرافت ایک ذاتی ملکۂ نفسانیہ ہے، مصنوعی نہیں ہے، ہم کو معلوم ہے کہ انسانوں میں شریف اور غیر شریف دونوں ہیں، حالانکہ اگر نفوس متحد الحقیقۃ ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام انسان شریف ہو جائیں، اس سے زیادہ صریح اس کا یہ قول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ شرافت پہلی اور ذاتی طبیعت ہے، دوسری اور کسی طبیعت نہیں ہے" جن حکما نے نبوت کو ثابت کیا ہے ان کی بنیاد نفس کی حقیقت کے اسی اختلاف پر ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نبوت شریف نفس کی خاصیت ہے، ان میں بعض حکماء کہتے ہیں کہ جو مزاج اس نفس کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ بہت کم پیدا ہوتا ہے، کبھی کبھی پیدا ہو جاتا ہے، تو وہ مزاج اس کے موافق ہو جاتا ہے، اور جو افعال جسمانی ہوتے ہیں یا ان میں حرکت اور تغیر و استحالہ پایا جاتا ہے ان کے متعلق اس میں متعدد خواص پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب ان حکما کے اقوال سے ابوالبرکات بغدادی یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ یہ نفس ایسے وزنی جسم کے منتقل کرنے کی قدرت رکھتا ہے جس سے اور لوگ عاجز ہوتے ہیں۔ وہ آگ کو سرد ہوا، ہوا کو پانی، پانی کو ہوا، اور لاٹھی کو اژدہا بنا سکتا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، کیونکہ جو طبیعت روٹی کو خون کی شکل میں بدل سکتی ہے وہ اس سے قوت، مرتبہ اور احوال و خواص میں کم ہے [1]

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکمائے یونان نے اگرچہ بذاتِ خود نبوت پر بحث نہیں کی ہے تاہم ان کے اقوال سے نبوت و معجزہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

اسی قسم کے مسائل میں ایک مسئلہ وجود جن کا بھی ہے، ارباب شریعت ان کے وجود کے قائل ہیں، اور حکمائے قدیم مثلاً افلاطون وغیرہ بھی ان کے وجود کے قائل تھے، لیکن ابوالبرکات بغدادی ابتداء میں ان کے وجود کا منکر تھا، اور اس کی دلیل یہ تھی کہ جن اگر متحیز یعنی جسم ہیں تو ان کو عام طور پر نظر آنا چاہیے، جیسا کہ تمام حیوانات کے جسم نظر آتے ہیں اگر وہ ارواح ہوائیہ بخاریہ کی طرح لطیف اور غیر مرئی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ وہ مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں تو وہ صرف ان ہی لوگوں کو کیوں نظر آتے ہیں جو ان کے دیکھنے کی خبر دیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ان کا وجود کیونکر قائم رہ سکتا ہے، حالانکہ وہ ہوائی مخلوق ہیں، اور ہوا کو

---

[1] معتبر جلد ۲ ص ۲۸۶ - ۲۸۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر چیز توڑ پھوڑ سکتی ہے۔ انسان کی ہوائی روح قلب میں رہتی ہے، جو جسم کے غلاف کے اندر ہڈی، گوشت اور چمڑے سے ڈھکا ہوا رہتا ہے، اس لیے اس کے اجزار کو کوئی چیز پراگندہ نہیں کر سکتی، اسی کے ساتھ اس کے جو اجزار تحلیل ہوتے رہتے ہیں ان کا بدل ما یتحلل بھی پہنچتا رہتا ہے، اس لیے وہ باقی رہتی ہے، لیکن جو ہوائی مخلوق (جن) کسی قسم کے غلاف کے اندر محفوظ نہیں ہے اور اس کو بدل ما یتحلل بھی بہم نہیں پہنچتا، وہ تند و تیز ہواؤں سے کیونکر محفوظ رہ سکتی ہے۔

لیکن بعد کو غالباً اسلام کے اثر سے اس کے اس خیال میں تبدیلی پیدا ہوئی، اور اس جن کے وجود کو تسلیم کر لیا، اور اس پر یہ دلیل قائم کی کہ ہمارے جسم کے اندر جو ہوائی روح ہے گو وہ قلب میں محفوظ رہتی ہے لیکن اس کے اجزار ہمیشہ تحلیل ہوتے رہتے ہیں، البتہ سانس لینے سے قلب میں جو ہوا پہنچتی ہے وہ ان کا بدل ما یتحلل ہوتی رہتی ہے، اس لیے وہ بذاتِ خود باقی نہیں رہتی بلکہ وہ اجزار باقی رہتے ہیں جو اس کے مشابہ ہیں، جو چیز بذاتِ خود باقی رہتی ہے وہ نفس انسانی ہے جو اس ہوائی روح کا محل ہے، اور یہی نفس ہوا کے ذریعہ سے اس روح کو بدل ما یتحلل پہنچاتا رہتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ ایک نفس ایسا ہو جو جسم کے اندر نہ ہو اور وہ ان ہوائی روحوں یعنی جنوں کا محل ہو، اور وہ بذاتِ خود ہمیشہ قائم رہے اور ان روحوں کے جو اجزار فنا ہوتے ہیں ان کے بجائے دوسرے اجزار بطور بدل ما یتحلل کے پیدا ہوتے رہیں، اس لیے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ہوا وغیرہ سے یہ ہوائی روح کیونکر محفوظ رہ سکتی ہے کیونکہ گو وہ فنا ہوتی رہتی ہے لیکن اس کا بدل ما یتحلل اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور یہی نفس ان کو قائم رکھتا ہے۔ شلاً آئینے میں انسان کی جو شکل نظر آتی ہے، اس میں اس کے سکون سے سکون اور اس کی حرکت سے حرکت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن یہ شکل ایک نہیں ہوتی بلکہ ایک دوسرے کے مشابہ اور اس کا بدل ہوتی ہے، اسی طرح یہ نفس بذاتِ خود باقی رہتا ہے اور روحیں بدلتی رہتی ہیں، لیکن آئینے کی شکلوں کی طرح وہ دیکھنے والے ایک ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظر آتی ہیں۔ اس لیے جو لوگ پیغمبروں کے قول یا خارجی مشاہدے کی بنا پر جنوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں ان کا اعتقاد کوئی قابلِ انکار چیز نہیں۔[1]

نفس انسانی پر اس نے نہایت مفصل بحث کی ہے اور اسی سلسلے میں بہت سے شرعی مسائل کا اثبات کیا ہے۔ اس کے نزدیک نفوس شریفہ میں بذات خود ایسی قوت اور ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جس سے عجیب وغریب امور سرزد ہو سکتے ہیں، اور ان کے لیے کسی خارجی علت کی ضرورت نہیں ہوتی، اس نے خود اپنے ذاتی مشاہدے سے اس قسم کی متعدد عجیب غریب باتیں بیان کی ہیں، خود اس نے ۳۰ سال تک بغداد میں ایک اندھی عورت کو دیکھا ہے جس کے سامنے لوگ چھپا کر چیزیں لے جاتے تھے اور وہ ان کی نوعیت، شکل و مقدار وغیرہ سب کچھ بتا دیتی تھی۔[2] اس کے ایک صوفی دوست محض اپنی ہمت کے تصرف سے جلتے ہوئے چراغ کو بجھا دیتے تھے، اس کو کائنات پر غلبہ حاصل ہے اور وہ عناصر میں تصرف کر سکتا ہے تو تم کیوں ان باتوں کو عجیب سمجھتے ہو؟ اور یہ کیوں ضروری ہے کہ اس کا فعل خود اسی بدن تک محدود رہے جس میں موجود ہے اور دوسرے جسم پر اس کا اثر نہ ہو۔[3]

ان مشاہدات کے بیان کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ بعض لوگ ایک فن میں حیرت انگیز باتیں پیدا کرتے ہیں لیکن اس سے آسان فن میں وہ بالکل عاجز و درماندہ ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نفوس انسانی کی نوعیتیں، طبیعتیں اور فطرتیں مختلف ہیں، اس لیے پیغمبر کا نفس دوسرے نفوس سے زیادہ اشرف ہوتا ہے، اور اسی بنا پر وہ خالق اور مخلوق کے درمیان سفیر بن سکتا ہے۔ اس سے جو معجزات خدا کے حکم سے صادر ہوتے ہیں وہ اس کے نفس کی خاصیت ہوتے ہیں جس کو قدرت خداوندی نے اس کے لیے مخصوص کر دیا ہے، وہ اپنی روحانیت کی وجہ سے ملائکہ کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے، اور اپنے صفائے نفس سے ان کے بھیدوں

---

[1] معتبر جلد ۲ ص ۲۹۲-۹۳، ۲۹۵ [2] ایضاً ص ۴۳۴ [3] معتبر ج ۲ ص ۴۳۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے واقف ہو جاتا ہے، اس لیے ان کی وجہ سے اس کے نزدیک غیب شہادت بن جاتا ہے اور ایک چیز کے پیدا ہونے سے پہلے ہی وہ اس سے واقف ہو جاتا ہے، اس کے علم کی کتاب صحیفہ کائنات ہے، اور وہ اس کو اپنے دل کی زبان سے پڑھتا ہے، اس کا استاد اس کا خدا اور اس کے شریک درس ملائکہ ہوتے ہیں، پھر کون سا علم اس کو نہیں حاصل ہو سکتا، تم اگر انصاف کرو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کائنات ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں غلطی نہیں ہے۔[1]

موت کے بعد نفس کے متعلق حکماء میں یہ اختلاف ہے کہ وہ باقی رہتا ہے، یا فنا ہو جاتا ہے، ابوالبرکات بغدادی کے نزدیک وہ باقی رہتا ہے، اور گو وہ اس صورت میں تناسخ کا قائل نہیں لیکن اس کے ساتھ وہ دوبارہ اپنے پہلے جسم میں واپس بھی آ سکتا ہے۔ اس لیے معاد جسمانی اس کے نزدیک محال نہیں ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ وحی اور پیغمبروں کی روایتوں کی بنا پر جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ نفوس دوبارہ اپنے اپنے بدنوں میں واپس آئیں گے، اس بیان سے اس کا انکار نہیں لازم آتا، بالخصوص جب خدا اس کو چاہے، کیونکہ متعلق اور متعلق بہ دونوں حیثیتوں سے یہ ممکن ہے۔[2]

ایک فصل میں اس نے اخروی سعادت و شقاوت کے روحانی ہونے پر نہایت لطیف بحث کی ہے لیکن اسی کے ساتھ شریعت میں اچھے اور برے اعمال پر ثواب و عذاب کے متعلق جو وعدو وعید آئے ہیں ان کا منکر نہیں ہے، چنانچہ اس فصل کے اخیر میں لکھتا ہے کہ نیکیوں پر ثواب اور برائیوں پر عذاب وہی خدا دے سکتا ہے جس نے نیکیوں کا حکم دیا ہے اور برائیوں سے روکا ہے اور اس قدر دے سکتا ہے جس کا اس نے وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ قدرت رکھتا ہے، سچا ہے جھوٹ نہیں بولتا اور وعدہ خلافی نہیں کرتا، جیسا کہ ہم ان کو اپنے موقع پر اس کے بعد بیان کریں گے، لیکن نظری بحث اور قیاسی استدلال سے اس کا علم نہیں ہو سکتا، اور جس شخص کا خیال یہ ہے کہ ہر حق قیاسی استدلال سے معلوم ہو سکتا ہے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہر علم کا طریقہ جدا ہے

---

[1] ایضاً ص ۴۲۶، ۴۲۷ [2] معتبر ج ۲ ص ۴۴۳، ۴۴۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو شخص اس طریقہ پر نہیں چلتا اس کو وہ علم حاصل نہیں ہو سکتا، اگر ایک ہندسہ دان طبعیات کے ایک عالم سے یہ کہے کہ حرارت غریزیہ اور آگ کی حرارت میں جو فرق ہے اس کو اقلیدس کی شکل سے مجھ کو سمجھا دو تو طبعیات کا عالم اس کی ہنسی اڑائے گا کیونکہ اس فرق کے سمجھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ بعینہ یہی حال اس شخص کا ہے جس نے نظری بحث سے ایسے علم کو حاصل کرنا چاہا جو صرف روایت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، اس قسم کے علم کے متعلق صرف یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ مخبر سچا ہے، قادر ہے اور وہ چیز جس کی خبر دی گئی ہے۔ ممکن ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک قادر اور سچا شخص اپنے وعدہ وعید کو پورا نہ کر سکے، حالانکہ وہ عالم، خالق اور مبدی و معید ہے۔[1]

غرض فلسفیانہ مسائل کے استقصار کے ساتھ اس نے مذہبی مسائل کے متعلق بھی جابجا ایسی رائیں ظاہر کر دی ہیں جن سے اہل مذہب کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ اسی بنا پر اس کے مداح ہیں۔

---

[1] ایضاً ص ۴۷۹، ۴۸۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکیم ابو القاسم الحسین بن الفضل الراغب الاصفہانی

منطق اور فلسفہ میں انہوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے، اور نہ منطق و فلسفہ کے متعلق ان کی تحصیل علمی کا کچھ حال معلوم ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جمال الدین قفطی نے اخبار الحکماء میں اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں ان کا حال نہیں لکھا ہے، لیکن بیہقی نے تتمہ صوان الحکمۃ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

کان من حکماء الاسلام	وہ حکمائے اسلام میں تھے اور انہوں نے
وھو الذی جمع بین الشریعۃ	اپنی تصانیف میں شریعت اور حکمت
والحکمۃ فی تصانیفہ وکان	میں تطبیق دی ہے، اور معقولات میں
حظہ من المعقولات اکثر	ان کا حصہ بہت زیادہ تھا۔

لیکن حالات انہوں نے بھی نہیں لکھے، البتہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور مفتاح السعادۃ اور کشف الظنون میں ان کی تصنیفات کا جہاں ذکر آیا ہے۔ یہی حالات نقل کر دیے ہیں، لیکن یہ حالات نہایت مختصر اور ایسے جامع معقول و منقول کی حیثیت کے لحاظ سے نہایت ناکمل ہیں۔

بہر حال ان کی کنیت ابو القاسم اور نام حسین تھا، باپ کا نام کشف الظنون اور تتمہ صوان الحکمۃ میں فضل لکھا ہے، لیکن بغیۃ الوعاۃ اور مفتاح السعادۃ میں ان کے باپ کا نام مفضل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتایا ہے، سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں ان کا جو مختصر حال لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "وہ پانچویں صدی کی ابتدا میں تھے، اور میرا خیال تھا کہ وہ معتزلی ہیں، لیکن ابن عبد السلام کی کتاب قواعد الصغریٰ کی پشت پر میں نے شیخ بدرالدین زرکشی کے قلم کی لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی ہے کہ "امام فخرالدین رازی نے تاسیس التقدیس میں یہ لکھا ہے کہ ابوالقاسم راغب ائمہ سنت میں تھے، انہوں نے ان کو امام غزالی کا ہمسر قرار دیا ہے" یہ نہایت مفید بات ہے، کیونکہ اکثر لوگ ان کو معتزلی خیال کرتے ہیں"[1]

اس سے زیادہ ان کے حالات اور کسی کتاب میں نہیں ملتے، سالِ ولادت تو معلوم نہیں، سیوطی کے بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی کی ابتدا میں تھے، اور براکلمن نے ان کا سالِ وفات ۵۰۲ھ لکھا ہے۔

تصنیفات

ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:۔

مفردات القرآن	قرآن مجید کے مفرد الفاظ کے معانی کے متعلق میں چھپ گئی ہے۔
کتاب الذریعۃ الیٰ مکارم الشریعۃ	فن اخلاق میں ہے، اور مصر میں چھپ گئی ہے علامہ شبلی مرحوم نے الغزالی میں لکھا ہے کہ اس میں کسی قدر فلسفہ کی جھلک پائی جاتی ہے۔
افانین البلاغۃ	نام سے معلوم ہوتا ہے کہ فن بلاغت میں ہے۔
محاضرات	

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۹۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرۃ التنزیل ودرۃ التاویل

انہوں نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی جس کا تذکرہ مفتاح السعادۃ میں کیا گیا ہے، غالباً یہ وہی تفسیر ہے، بہرحال اس تفسیر کو انہوں نے پورا نہیں کیا اور بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔

کلمات الصحابہ

....

تفصیل النشأتین وتحصیل السعادتین

....

بیہقی نے جس حیثیت سے راغب اصفہانی کو حکمائے اسلام میں داخل کیا ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے شریعت اور حکمت میں تطبیق دی ہے، اور بیہقی نے ان کی کتاب تفصیل النشأتین کی تھوڑی سی جو عبارت نقل کی ہے اس سے بھی اس خصوصیت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اس عبارت کا ایک فقرہ یہ ہے:

بین العقل والشرع تظاهر ولیفتقر احدهما الی الآخر

عقل اور شریعت دونوں باہم ایک دوسرے کی معاون ہیں، اور ایک دوسرے کی محتاج ہیں۔

البتہ ان کی تصنیفات میں صرف ان کی تفسیر غرۃ التنزیل ودرۃ التاویل اور تفصیل النشأتین سے اس حکیمانہ خصوصیت کا پتہ چل سکتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ یہ دونوں کتابیں موجود نہیں ہیں، لیکن کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ سے بھی کسی قدر اس خصوصیت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ انہوں نے اس کتاب میں جا بجا قرآن مجید کی جو آیتیں استشہاد میں پیش کی ہیں ان کی تفسیر کہیں تو اصول عقلی کے مطابق کی ہے اور کہیں عقلی نتائج نکالے ہیں، چنانچہ ایک موقع پر لکھا ہے کہ انسان کی آخری منزل صرف آخرت ہے، لیکن چونکہ آخرت کی راہ میں گمراہیاں اور تاریکیاں کثرت سے پیش آتی ہیں۔ اس لیے ان سے بچنے کے لیے خدا نے ہم کو عقل دی ہے، اپنی کتاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ہم پر نور بنا کر نازل کیا ہے، اور اپنی عبادت کا حکم دے کر ہماری حفاظت کے لیے ایک قلعہ بنا دیا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (نور۔ ۳۰)

اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی حالت (عجیبہ) ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے، اس میں ایک چراغ ہے، وہ چراغ ایک قندیل میں ہے، وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو، وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون ہے، جو نہ پورب رخ ہے نہ پچھم رخ ہے، اس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا، نور علیٰ نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نور تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے عقل کی مثال چراغ کے ساتھ، مسلمان کے سینے کی مثال طاق کے ساتھ، اس کے دل کی مثال قندیل کے ساتھ، دین کی مثال زیتون کے درخت کے ساتھ دی ہے، اور اس کو نہ پورب کے رُخ کا نہ پچھم کے رُخ کا اس لیے بتایا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ افراط و تفریط سے محفوظ ہے، قرآن مجید کی مثال زیتون کے تیل کے ساتھ دی ہے اور بیان کیا ہے کہ جس طرح زیتون کا تیل چراغ کی روشنی کو بڑھاتا ہے اسی طرح قرآن مجید عقل کی روشنی کو بڑھاتا ہے، اور گو عقل اس کی تائید نہ کرے لیکن اپنی وضاحت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے کافی ہے، پھر فرمایا نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی قرآن کا نور اور عقل کا نور، اور یہ بیان کیا کہ اس کے لیے خدا جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے[۱]

ایک باب یہ باندھا ہے کہ علم نفوس انسانی میں فطرۃً موجود ہے، اور اس سلسلے میں بعض آیتوں کی تفسیر عقلی اصول کے مطابق کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ "انسان علم و حکمت کی کان ہے اور وہ اس میں بالقوہ فطرۃً قائم و ثابت ہیں، جس طرح پتھر میں آگ، گٹھلی میں درخت، پتھر میں سونا اور زمین کے اندر پانی ہوتا ہے، لیکن وہ ڈول اور رسی کے بغیر نہیں مل سکتا اور بعض پانیوں کے نکالنے کے لیے کھودنے اور سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے، اگر محنت کی جائے تو وہ مل سکتا ہے، ورنہ یونہیں غیر منتفع حالت میں پڑا رہے گا، نفوس انسانی میں علم کی بھی یہی حالت ہے، بعض علوم تعلیم بشری کے بغیر حاصل ہو جاتے ہیں، جیسے انبیاء علیہم السلام کہ ان پر علوم کا فیضان ملاء اعلیٰ سے ہوتا ہے، بعض تھوڑی سی تعلیم سے حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض مشکل سے حاصل ہوتے ہیں، جیسا کہ عام لوگوں کا حال ہے، چونکہ علوم نفوس میں فطرۃً موجود ہیں، اس لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا :۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ	اور جبکہ آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ	سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان
اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ	ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا
بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ۛ	رب نہیں ہوں، سب نے جواب دیا کیوں نہیں
شَهِدْنَا (اعراف ۱۷۲)	ہم سب اس واقعہ کے گواہ بنتے ہیں۔

لیکن ان کے نفوس کا اقرار اس علم کی بنا پر ہے جو ان کی عقلوں میں موجود ہے، ورنہ زبانی اقرار تو تمام لوگوں نے نہیں کیا، اس سلسلے میں انہوں نے قرآن مجید کی اور بہت سی آیتیں

---

[۱] الذریعہ ص ۹-۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقل کی ہیں، اور ان کو اسی فطری علم پر محمول کیا ہے[1]، اسی طرح انہوں نے مختلف مواقع پر جو آیتیں اور حدیثیں نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعتدال کے ساتھ عقل و نقل میں تطبیق دینے کی طرف مائل ہیں، لیکن ان کی اس کتاب کا یہ اصلی موضوع نہیں ہے، بلکہ وہ فن اخلاق کی کتاب ہے، اور اس میں انہوں نے اخلاق فضائل و رذائل پر حدیث و قرآن سے استدلال کیا ہے، تاہم ان کی کتاب میں جیسا کہ مولانا شبلی مرحوم نے الغزالی میں لکھا ہے، فلسفہ کی جھلک موجود ہے، مثلاً فلسفۂ اخلاق کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ اخلاق میں تغیر و اصلاح کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ یا نہیں؟ راغب اصفہانی نے دونوں فریق کے دلائل نقل کیے ہیں، اور ان میں تطبیق دی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ "اخلاق کی تغیر پذیری کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ خلقت کی جنس سے ہے اور کوئی شخص اپنی فطرت میں تغیر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، اگر بھلی ہے تو بھلی رہے گی بری ہے تو بری رہے گی، مخلوق کو خالق کے فعل میں تغیر کرنے کی قدرت حاصل نہیں ہے، لیکن بعض لوگوں کے نزدیک اخلاق میں تغیر پذیری کی صلاحیت موجود ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے دو قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں، ایک تو یہ کہ انسان ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، مثلاً آسمان و زمین اور شکل و صورت، دوسرے یہ کہ خدا نے ایک چیز پیدا کر دی ہے، اس میں ایسی قوت ودیعت کر دی ہے کہ انسان اس کو کمال کے درجے پر پہنچا سکتا ہے، اور اس کی حالت میں تغیر پیدا کرسکتا ہے، اگرچہ وہ اس کی ذات کو نہیں بدل سکتا، مثلاً کھجور کی گٹھلی کہ اس میں کھجور کے درخت بننے کی قوت موجود ہے، اور انسان خداوند تعالیٰ کی مدد سے اس کو کھجور کا درخت بنا سکتا ہے اور اس کو بگاڑ بھی سکتا ہے، انسانی اخلاق اسی قسم میں داخل ہے، انسان کسی اخلاقی قوت کو فطرت تو نہیں بنا سکتا، لیکن اس میں نرمی اور لچک پیدا کرسکتا ہے، اسی بنا پر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] الذریعہ ص ۸۱-۸۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا (شمس ۹-۱۰) — یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔

اگر اخلاق میں تغیر و اصلاح کی صلاحیت نہ ہوتی تو وعظ و پند، وعد و وعید اور امر و نہی سے کوئی فائدہ نہ حاصل ہوتا، اور عقل اس کو جائز رکھتی کہ آدمی سے یہ کہا جاتا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، اور اس کام کو کیوں چھوڑا؟ انسان تو انسان بعض جانوروں میں بھی اس کا امکان ہے۔ ایک وحشی جانور انسان کی عادت سیکھ سکتا ہے، اور سرکش جانور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ البتہ فطرۃً انسانوں کی حالت مختلف ہوتی ہے، بعض لوگوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ تغیر و اصلاح کو قبول کر لیتے ہیں۔ بعض لوگوں کی فطرت دیر میں اصلاح پذیر ہوتی ہے اور بعض لوگ متوسط درجہ کے ہوتے ہیں، لیکن ہر شخص کچھ نہ کچھ اثر گو وہ کتنا ہی کم ہو ضرور قبول کرتا ہے، اس لیے میرا خیال ہے کہ جو لوگ تغیر خلق کے منکر ہیں انہوں نے یہ لحاظ کیا ہے کہ نفس قوت میں تغیر نہیں ہو سکتا، اور یہ صحیح ہے، کیونکہ کھجور کی گٹھلی سے کوئی شخص سیب کا درخت نہیں پیدا کر سکتا، اور جو لوگ تغیر خلق کو جائز رکھتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ قوت میں جو کچھ ہے اس کو وجود میں لایا جا سکتا ہے یا اس کو خراب کیا جا سکتا ہے، مثلاً اگر کھجور کی گٹھلی کی خبر گیری کی جائے تو وہ کھجور کا درخت ہو سکتی ہے، لیکن اگر اس کو بے کار چھوڑ دیا جائے تو وہ سڑ جائے گی اور یہ بھی صحیح ہے اس لیے دونوں کا اختلاف دونوں کے نقطۂ نظر کے اختلاف کا نتیجہ ہے[1]۔

اس زمانے میں توارث اخلاقی کا نظریہ نہایت اہم خیال کیا جاتا ہے، اور راغب اصفہانی نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور اسی بنا پر خاندانی شرف کو بھی انسان کی ایک فضیلت قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں "بعض لوگ آبائی نسب کو فضیلت نہیں سمجھتے اور کہا جاتا ہے کہ

---

[1] الذریعہ ص ۳۰-۳۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی اپنی ذات سے آدمی ہوتا ہے، اور ان لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ "لوگ اپنے اچھے کاموں کے بیٹے ہیں"۔ ہر آدمی کی قدر و قیمت اس کے اچھے کام سے ہوتی ہے"؟ اور ایک حکیم کے قول سے کہ "شرف بلند ہمتوں سے حاصل ہوتا ہے' سڑی گلی ہڈیوں سے نہیں حاصل ہوتا، لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ چچا اور ماموں کے شرف سے انسان کے شرف کا تخیل پیدا ہوتا ہے، کیونکہ شاخ اگرچہ کبھی کبھی خراب ہو جاتی ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کی جڑ اس میں فضائل و رذائل پیدا کرتی ہے، کیونکہ کھجور کے درخت سے نہ اندرائن پیدا ہوتی نہ اندرائن سے کھجور کا درخت پیدا ہوتا، اسی لیے شاعر کہتا ہے،

وما یك من خیر اتوہ فانما توارثہ آباء آبائھم قبل

ان لوگوں نے جو بھلائیاں کیں وہ ان کے آباؤ اجداد میں پہلے ہی سے موروثی تھیں،

اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اخلاق امزجہ کے نتائج ہوتے ہیں اور رنگ اور صورت کی طرح باپ کے مزاج کا اثر لڑکے تک پہنچتا ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

تخیروا لنطفکم الاکفاء وایاکم — اپنے نطفوں کے لیے اپنے ہمسروں کا انتخاب کرو

خضراء الدمن — کھورے کی سبزی سے بچو۔

لوگوں نے دریافت کیا کہ گھورے کی سبزی سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا "حسین عورت جو بری جگہ پیدا ہوئی ہو" لیکن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ "لوگ اپنے اچھے کاموں کے بیٹے ہیں" اس کے ذریعہ سے انہوں نے انسان کو بلند اخلاقی کی ترغیب دی ہے' اور باپ دادا کے فضائل پر قناعت کرنے سے روکا ہے، کیونکہ جب تک ان کے ساتھ خود انسان اپنی ذاتی فضیلت کو شامل نہ کرے، وہ بہت کم مفید ہوں گے، اور جلد فنا ہو جائیں گے[1]۔"

---

[1] الذریعہ ص ۱۴۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک فلسفیانہ مسئلہ یہ ہے کہ انسان کی شکل وصورت کو اس کے اخلاق سے کیا تعلق ہے؟ راغب اصفہانی کے نزدیک اگرچہ حسن صورت اور حسن اخلاق میں تلازم نہیں ہے تاہم حسن صورت سے حسن اخلاق کا پتہ چل سکتا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ "ہم حسن سے وہ حسن مراد نہیں لیتے، جس سے مردوں اور عورت کی شہوت کا تعلق ہے، بلکہ اس سے وہ ہیئت مراد لیتے ہیں جس کے دیکھنے سے نگاہ کو تنفر نہ ہو اور وہ فضیلت نفس کی سب سے بڑی دلیل ہے، کیونکہ نفس کا نور جب چمکتا ہے تو اس کی چمک بدن تک پہنچتی ہے، ہر شخص کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں، ایک جسمانی جس کا تعلق دیکھنے سے اور دوسری نفسانی جس کا تعلق تجربہ آزمائش سے ہوتا ہے، اور اکثر یہ دو حیثیتیں متلازم ہوتی ہیں، اسی لیے اصحاب فراست حالات نفس کی معرفت کے لیے سب سے پہلے ہیئات بدنیہ کو دیکھتے ہیں، بعض حکمار کا قول ہے کہ اچھی صورت میں بہت کم برا نفس ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حسین چہرے والوں سے اپنی حاجتیں طلب کرو" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "جب تم لوگ قاصد بھیجنا چاہو تو ایسے شخص کو تلاش کرو جس کا چہرہ اور نام اچھا ہو" چہرہ اور آنکھ میں آئینے کی طرح نفس کے آثار معلوم ہوتے ہیں، فضیلت نفس پر اچھے چہرے کی دلالت اگرچہ لازمی نہیں ہے، لیکن وہ اکثر اور عام ہوتی ہے، ایک بار مامون نے فوج کا جائزہ لیا تو اس کے پاس سے ایک بدرو شخص گزرا، اس نے اس سے گفتگو کی تو وہ لکنت زدہ نکلا، اس لیے فوج سے اس کا نام خارج کر دیا، کمال جسم کی فضیلت پر خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد سب سے زیادہ واضح بیان ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرہ - ۲۴۷)	حق تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں ان کو (طالوت کو) منتخب فرمایا ہے اور (دوسرے) علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے۔

ل الذریعہ ص ۴۳-۴۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزشتہ زمانے میں دنیا کی مختلف قوموں کی جو حالت رہی ہے اور اس کے مختلف نتائج ہوئے ہیں، قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے جا بجا ان کو بیان فرمایا ہے، اور راغب اصفہانی نے فلسفیانہ طریقہ پر یہ بتایا ہے کہ مختلف قوموں کے ساتھ خداوند تعالیٰ کا یہ مختلف برتاؤ ان کی اخلاقی صلاحیت کے اختلاف کا نتیجہ ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ "لوگ جب باہمی احسان اور عدالت کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور ان پر نہ تو حقیقی طور پر، نہ مصنوعی طور پر، نہ ریا و شہرت کے لحاظ سے، اور نہ ترغیب و ترہیب کی وجہ سے عمل نہیں کرتے، اور بداخلاقی میں سب برابر ہو جاتے ہیں، تو ان میں اخلاقی فضیلت بالکل معدوم ہو جاتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تک لوگوں میں باہم اختلاف ہوگا وہ بھلائی کے ساتھ رہیں گے اور جب یکساں ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں اگر ان کے نفوس میں نیکی کے قبول کرنے کا اثر باقی رہے گا تو خدا اگر چاہے گا تو ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو ان کو زبان سے یا راہ حق پر لانے والی تلوار سے ان کی ہدایت کرے گا، جیسا کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی کیونکہ شہر حرام، بیت الحرام اور عہد و پیمان کی پابندی کی وجہ سے ان میں نیکی کے قبول کرنے کا مادہ موجود تھا، لیکن جب ان میں نیکی کے قبول کرنے کا مادہ کم ہوتا ہے تو خداوند تعالیٰ ان پر ایک ظالمانہ تلوار کھینچ لیتا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	اور اسی طرح بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے، ان کے اعمال کے سبب،
(انعام — ۱۲۹)	

اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرتا ہے جو اس نے بنو اسرائیل کے ساتھ کیا کہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا، چنانچہ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا	پھر جب ان دو باریں سے پہلی بار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ۔ (بنی اسرائیل)	کی میعاد آوے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے۔

لیکن جب ان میں نیکی کے قبول کرنے کا مادہ بالکل نہیں ہوتا، تو ان پر طوفان یا آگ یا ہوا کا عذاب نازل کرکے خداوند تعالیٰ ان سے ملک کو پاک کر دیتا ہے، اور نیک بندوں کو ان سے نجات دیتا ہے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے عاد، ثمود، لوط اور نوح کی قوم کے ساتھ کیا، اور اس کی مثال اس زمین کی ہے جو بالکل خارزار ہو، جس میں آگ لگانا اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بالکل پاک و صاف ہو جائے[1]

قدیم اخلاقی کتابوں میں کسب بھی ایک اخلاقی فضیلت شمار کی گئی ہے، اور اس حیثیت سے راغب اصفہانی نے تجارت اور پیشہ پر بھی بعض فلسفیانہ باتیں لکھی ہیں اور حدیثوں اور قرآن مجید کی آیتوں سے ان کی فلسفیانہ تائید کی ہے، چنانچہ اکثر پیشوں کے پیدا ہونے کا سبب فقر و احتیاج سے زیادہ قائم ہے، کیونکہ دولت کے ذریعہ سے جو پیشے قائم ہوتے ہیں وہ صرف تین ہیں، سلطنت، تجارت اور کتابت، ان کے علاوہ بقیہ پیشے فقر و احتیاج کی وجہ سے قائم ہیں، اگر فقراء کو فقر کا خوف نہ ہوتا تو کون جولاہوں کا پیشہ کرتا، کون حجام بنتا، کون چمڑے کی دباغت کرتا، کون بھنگی بنتا، اور کون مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک غلہ اور کپڑا لے آتا۔ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں فقر کا یہی فائدہ بتایا ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ۔ (شوریٰ - ۲۷)	اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لیے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے لیکن جتنا رزق چاہتا ہے اندازے سے اتارتا ہے۔

[1] الذریعہ ص ۵۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو شخص اس پر غور کرے گا اس کے دل میں یہ شبہہ نہ پیدا ہوگا کہ جب خداوند تعالیٰ فیاض ہے تو بعض کو کیوں دولت مند بنایا اور اکثر لوگوں کو کیوں محتاج کیا، حالانکہ جس دولت مند کی دولت فنا نہیں ہوسکتی اور جس فیاض کی فیاضی کی کوئی انتہا نہیں ہے، اس کا فرض یہ ہے کہ اپنے عطیہ کو صرف بعض اشخاص کے لیے مخصوص نہ کر دے، کیونکہ فیاض اُس شخص کو کہتے ہیں جو ہر ایک کو اس کی اور دوسروں کی مصلحت کے لیے مفید ہو، اور خدا نے ایسا ہی کیا ہے[۱]

دنیا میں اکثر پیشے ادنیٰ درجے کے ہیں، اور جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کرتے ہیں، وہ اس سے واقف ہوتے ہیں، لیکن با ایں ہمہ اس پیشے کو چھوڑ کر دوسرا پیشہ نہیں اختیار کرسکتے، جس کی وجہ راغب اصفہانی یہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ پیشے اختیار کرتے ہیں، ان کی طبیعتوں کو ان پیشوں سے ایک مخفی مناسبت ہوتی ہے۔ پھر جب ایک کے بعد دوسرا اسی پیشے کو اختیار کرتا ہے تو اس پیشے کے کرنے کی وجہ سے اس کا دل کھل جاتا ہے، اور اس کی قوتیں اس کی اطاعت کرنے لگتی ہیں، اس لیے اگر اس کو کسی دوسرے پیشے میں لگایا جائے تو وہ اس میں اناڑی ثابت ہوگا اور اس کا دل اس میں نہ لگے گا، اور خدا نے اس کو ایسا اس لیے بنایا ہے تاکہ سب کے سب ایک ہی پیشہ نہ اختیار کریں اور معاش اور اعانت باہمی کا نظام بالکل درہم برہم نہ ہو جائے، اگر خدا نے ایسا نہ کیا ہوتا تو لوگ تمام پیشوں میں صرف صاف ستھرے پیشے اختیار کرتے، لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت کی وجہ سے ہر ایک کو مختار کی صورت میں مجبور بنایا ہے، ان میں بعض لوگ تو اپنے پیشے کو پسند کرتے ہیں، جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ	سو ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا
كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ	الگ الگ طریق کر کے اختلاف پیدا کرلیا
(مومنون - ۵۳)	ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی سے خوش ہے

---

[۱] الذریعہ ص ۱۵۹-۱۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بعض لوگ ناپسند کرتے ہیں، لیکن باوجود ناپسندیدگی کے اس کو چھوڑ نہیں سکتے، کیونکہ وہ اس کا بدل نہیں پاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اسی پر دلالت کرتاہے :

کل میسر لما خلق لہ — ہر شخص آسانی کے ساتھ وہی کر سکتاہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیاہے

اور خداوند تعالیٰ فرماتاہے :

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ (بنی اسرائیل - ۸۴) آپ فرمادیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کر رہاہے

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ اسی وقت تک بھلائی کے ساتھ زندہ رہیں گے جب تک ان میں اختلاف ہوگا، لیکن جب برابر برابر ہوجائیں گے تو ہلاک ہوجائیں گے، اس بنا پر اس جگہ تباین، تفرق اور اختلاف، اجماع اور اتفاق کا سبب ہے، جس طرح تحریر و کتابت کی صورت کا اختلاف کہ اگر وہ نہ ہو تو اس کا نظام ہی نہ قائم ہو[1]

روحانی، دماغی اور عقلی مناسبت کے ساتھ ہر شخص کو اپنے پیشے کے ساتھ جسمانی مناسبت بھی ہوتی ہے، مثلاً خدا نے جن لوگوں کو علم و مذہب کی خدمت کے لیے پیدا کیاہے، ان کے دل صاف، مزاج لطیف، عقلیں علوم کے قابل اور بدن نرم بنائے ہیں، اور جن لوگوں کو دنیوی پیشے مثلاً زراعت اور تعمیر کے لیے پیدا کیاہے، ان کے دل سخت، مزاج غلیظ، عقلیں بھاری اور بدن سخت بنائے ہیں، اور جس طرح کان سے دیکھنے کا اور آنکھ سے سننے کا کام نہیں لیا جاسکتا، اسی طرح جو شخص دنیوی کاروبار کے لیے پیدا کیا گیاہے وہ علم و حکمت کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا[2]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مختلف پیشوں کی جو ترتیب ہے وہ مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی ہے۔

---

[1] الذریعہ ص ۱۵۸-۱۵۹ [2] ایضاً ص ۱۶۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

18631

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

181.07 ع 84 ح
18631-EU-64